لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

انمول حدیث

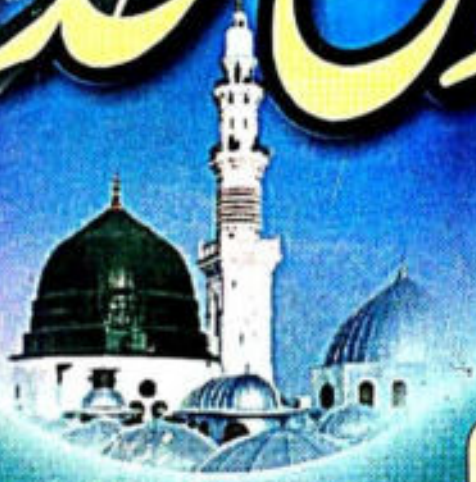

ایک حدیث پاک کی
تشریح میں ہونے والے
ستر پُر تاثیر بیانات کا مجموعہ

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر

223 ست پورہ فیصل آباد
☎ +92-041-2618003

540
مجیب الرحمٰن
حاجی پور محمد (مرحوم)
مجیب الرحمٰن بن حاجی نصر اللہ
دعوت تبلیغ زندہ باد 0303-3853595
مجیب الرحمٰن جلد

قرآن حکیم و دینی مدرسہ کی کتب اور اسلامی ریکارڈنگ کا واحد مرکز
مکتبہ الاظہر
دوکان نمبر 108 بانو
بازار رحیم یار خان
0321,0300
9675060

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انمول حدیث

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-2618003

بسم اللہ الرحمن الرحیم

© جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب ——— انمول حدیث

ازافادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— محمد حنیف نقشبندی عفی عنہ

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ——— مارچ 2008ء

اشاعت پنجم ——— فروری 2010ء

تعداد ——— 1100

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے (القرآن)

فہرس

عنوان	صفحہ نمبر
پیش لفظ	17
عرض مرتب	19
① معرفت میرا راس المال ہے	21
ایک معرفت بھری حدیث	21
ہیرے..... تسبیح کی شکل میں	22
ہر مسلمان کے دل کی تمنا	23
تعارف کے تین انداز	24
(۱).....لوگوں سے تعارف	25
(۲).....اپنی ذات کا تعارف	26
(۳).....اللہ تعالیٰ کا تعارف	28
ایک دستور کی بات	29
پہچان نہ ہونے پر بے قدری کی مثالیں	29
پہچان ہونے پر قدر دانی کی مثالیں	31
عارف کی پہچان	33
علم و معرفت میں ایک لطیف فرق	35
معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے	37
حضرت علی ص کا ایک دلپذیر ملفوظ	38
② عقل میرے دین کی جڑ ہے	39
یہود و نصاریٰ کا عقیدہ	39

عنوان	صفحہ نمبر
اسلام کی تعلیم	40
تین نعمتیں	40
(۱) قلب	40
(۲) نفس	41
(۳) عقل	41
عقل کی حقیقت	41
قرآن پاک میں عقل استعمال کرنے کی دعوت	42
عقل کی لغوی تحقیق	43
عقلمندوں کی حاضر جوابی کے حیرت انگیز واقعات	44
طالبعلمانہ نکات	48
سعد اللہ خاں کی ذہانت	49
حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی نکتہ آفرینی	51
حواسِ خمسہ کی حدود	52
عقل کا دائرۂ کار	52
آئن سٹائن نے نظریہء اضافت کیسے ایجاد کیا	52
عقل کی حد	53

عنوان	صفحہ نمبر
عقل کے پردے	54
عقلِ سلیم	55
عقل کی دو قسمیں	55
(۱) عقل معاش	56
(۲) عقل معاد	56
چقمقے سنگ ترے	57
کھرے یا کھوٹے	57
ایک انوکھا ہدیہ	58
عقل سلیم ایک نعمت	59
تکوینی اور تشریعی نظام	60
دو طرح کے علم	60
(۱) علم الابدان	60
(۲) علم الادیان	61
تکوینی نظام اصول وکلیات پر مبنی ہے	61
تکوینی اصول وکلیات کا کھوج لگانے والے	61
سطح آب پر فصل	62
لکڑی کے برادے میں کھیتی	63
ہوا میں پودے	63
سائنسدان..... علم الابدان کے ماہر	63
فقہاء..... علم الادیان کے ماہر	64
موجد اور مجتہد	64
مجتہد کا دائرۂ کار	65
قیاس کی حقیقت	66

عنوان	صفحہ نمبر
تکوینی اور تشریعی نظام کا عرصہ تکمیل	67
تکوینی اور تشریعی نظام میں تدریج	68
انسانیت اور پوشاکِ شریعت	69
ایجاد اور اجتہاد	71
منظم اور مرتب نظام	72
نظام کائنات..... عقل میں آنے والا نظام	73
دین پڑھنے والے عقل مند ہوتے ہیں	73
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دانشمندی	74
خود مفتی نہ بنیں	75
خلاصہ کلام	76
③ محبت میری بنیاد ہے	77
''محبت'' تمام کائنات کی بنیاد	77
لفظ ''محبت'' کی لغوی تحقیق	79
محبت کے درجات	79
محبت کی معراج	80
شرک برداشت نہیں	81
توحید دھوبن سے سیکھی.....!!	82
تمام جائز محبتیں اللہ تعالیٰ کی محبت کی شاخیں ہیں	82
محبتوں کی حد	84
دو طرفہ محبت	85
عاشق ومعشوق کا عشق	86

عنوان	صفحہ نمبر
لفظ ''عشق'' کی تحقیق	87
عشق اور محبت کی کیفیات میں فرق	87
محبت کی چار وجوہات	89
(۱) حسن و جمال	89
(۲) فضل و کمال	89
(۳) مال و منال	90
(۴) جود و احسان	90
محبت بڑھانے والے اعمال	91
دردِ محبت ہر دل کا خاصہ ہے	92
اللہ کی محبت اور مخلوق کی محبت کا موازنہ	93
علمی نکات	93
ناپائیدار کا عشق بھی ناپائیدار ہے	94
لافانی کا عشق لافانی ہے	94
اللہ کی محبت کہاں سے ملتی ہے؟	95
محبت کی دکانیں	95
محبت کا سودا کتنا چاہیے؟	96
عشق قطب ہے	96
مزدور کی نماز یا فرہاد کی نماز	97
مرحبا اے عشق تجھ کو مرحبا	98
جہنم کی آگ بھی ڈرتی ہے	99
محبت الٰہی کی علامات	99
محبتِ الٰہی کے چار انعامات	103
عمل، محبت سے خالی، اجر سے خالی	105

عنوان	صفحہ نمبر
محبوب کا نام بھی پیارا لگتا ہے	106
دیوانگی عشق	107
(۴) شوق میری سواری ہے	109
شوق کسے کہتے ہیں	109
عشق کے گھوڑے کی سواری	109
نبی علیہ السلام کی دعا	110
شوقِ ملاقات..... آرزوؤں کا محور	111
نبی ﷺ کا اشتیاق	112
کمالِ شوق	113
ملاقات کی تیاری	115
دل وقف کا مال ہے	116
ملاقات کیلئے نیک اعمال ضروری ہیں	117
ملاقات ہو کے رہنی ہے	118
ملاقات کا شوق اور پیشی کا خوف	118
عُشاق کی راتیں	119
کتنی چھوٹی رات	119
سچے عاشق کی رات	119
امام ابوحنیفہؒ کا معمول	120
محبت کی نشانی	121
ستر سال کی عمر میں ستر طواف	121
ایک سو بیس سال کی عمر میں سو واں حج	122
حضرت قاری رحیم بخشؒ کا معمول	122
اللہ کے پڑوسی	122

عنوان	صفحہ نمبر
ذوقِ نظر	123
بناوٹی مجنوں	124
دلہن کی نیند سوجا.....	124
لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا	125
مومن کی بے قراری	126
محبت کا چراغ	127
شربتِ دیدار سے افطار	127
موت کے منتظر عاشق	127
عشق کے بیماروں کا علاج	128
اپنے یار کو منالیا.....	129
پہلے "جار" پھر دار	130
موت کے وقت مومن کی کیفیت	131
ایک نکتہ کی بات	132
جنت.....اللہ تعالیٰ کا مہمان خانہ	132
مزید نعمت	134
جنت کا بازارِ حسن	134
دیدار کی کیفیت	135
نکتے کی بات	138
آج وقت ہے	139
⑤ ذکر اللہ میرا مونس ہے	139
یادِ الٰہی، کلام الٰہی کی روشنی میں	141
شیطان سے حفاظت میں ذکر اللہ کی اہمیت	143

عنوان	صفحہ نمبر
ایک عام دستور	145
ذکر کثیر کے فوائد	146
دل کی صفائی کرنا بندے کے ذمے ہے	148
شیطان راندۂ درگاہ کیوں ہوا؟	149
شیطان کتے کی مانند	150
اختتام عمل پر ذکر کی تلقین	151
عجیب واقعہ	154
خاتمہ بالخیر سے محرومی کی وجہ	156
بے ہوشی میں کلمہ طیبہ کا ورد	157
ذکرِ الٰہی روح الاعمال ہے	158
جنت کے باغ	158
ذاکر زندہ کی مانند ہے	159
یاد کا مقام	160
اللہ کے ذکر کی تاثیر	161
ذکر سے متعلق اعتراضات کا جواب	162
روحانیت کی دنیا کا نورانی قاعدہ	165
وساوس سے بچنے کا آسان طریقہ	166
ذکر نہ کرنے پر وعید	167
حضرت خواجہ مجذوبؒ کا واقعہ	168
فاذکرونی اذکرکم کے اسرار و رموز	169
اطمینان قلب کا قرآنی نسخہ	169
ذکر اللہ کو اپنا غمخوار بنائیں	174
	175

عنوان	صفحہ نمبر
⑥ اعتماد میرا خزانہ ہے	177
اعتماد کسے کہتے ہیں	177
اعتماد کے زاویے	177
(۱) بچے کا والدین پر اعتماد	177
ایک بزرگ کا واقعہ	178
بچہ پگھلی ہوئی دھات کی طرح ہے	179
(۲) شاگرد کا استاذ پر اعتماد	180
تقلید کسے کہتے ہیں؟	180
تقلید کے لغوی معنی	181
معتزلہ کا مذہب	182
ایک اعتراض کا جواب	183
ائمہ نے کس کی تقلید کی؟	184
ائمہ کرام نے کن مسائل میں تقلید کی؟	186
اعتماد دین کی بنیاد ہے	187
(۳) مرید کا شیخ پر اعتماد	188
شاہ عبدالعزیزؒ اور ایک عالم کا واقعہ:	189
ایک سبق آموز واقعہ	191
(۴) امتی کا نبی پر اعتماد	193
(۵) بندے کا اللہ پر اعتماد	194
ہارون الرشید اور بہلول دانا کا واقعہ	194
حضرت یوسف علیہ السلام اور نوجوان کا واقعہ	196
سرپرست کون ہوتا ہے؟	198
اللہ نیکوں کا سرپرست ہے	199
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بیٹوں کا واقعہ	200
ایک قاری صاحب کی مثال	201
اعتماد کر کے دیکھیں	203
رابعہ بصریہ کا حوصلہ	204
ایک بوڑھی عورت کا واقعہ	205
اللہ تعالیٰ کا اعلان جنگ	205
واقعہ	206
ملاجیون کا واقعہ	207
اٹھے ہاتھوں کی طاقت	208
وکیل کسے کہتے ہیں	209
مددگار کون ہوتا ہے؟	210
قابل غور نکتہ	210
اللہ کا وعدہ	211
ہمیں اللہ کافی ہے	212
اللہ تعالیٰ کی قسم	213
ام موسیٰ کا اعتماد	214
اللہ پر اعتماد کی نشانی	217
ایک دلچسپ واقعہ	218
یقین کامل کا واقعہ	220
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ پر اعتماد	221

عنوان	صفحہ نمبر
⑦ حزن میرا ساتھی ہے	225
حزن کا لفظی معنی	225
خوف اور خشیت میں فرق	225
طبعی خوف (حسی اشیاء سے ڈرنا)	226
خشیت (غیر حسی اشیاء کا ڈر)	229
خوف اور حزن میں فرق	232
نبی ﷺ کو فرزندِ ارجمند کا غم	232
قرآن مجید میں حزن کا تذکرہ	233
ایک اعتراض اور اس کا جواب	234
اسلام میں دوسرا ہونے میں مشابہت	236
اخلاق وشمائل میں مشابہت	237
صفات میں مشابہت	238
استقامت فی الدین میں مشابہت	239
ثانی اثنین ہونے میں مشابہت	240
فکر وذہن میں مشابہت	241
اعمال وافعال میں مشابہت	242
خویش واقارب میں مشابہت	243
ارشادات قرآنی میں مشابہت	246
مرض وفات میں مشابہت	247
عالم نزع میں مشابہت	248
وفات میں مشابہت	248
جنت میں معیت	249
قرآن مجید میں حزن اور خوف کا یکجا استعمال	250
حزن کے واقعات	252
حزن رسالت ﷺ	252
حزن صدیقی رضی اللہ عنہ	255
حزنِ فاروقی رضی اللہ عنہ	256
حزنِ حسن بصریؒ	257
حزنِ رابعہ بصریہؒ	257
حزنِ مدنیؒ	258
حزنِ لاہوریؒ	258
دین کا غم	259
⑧ علم میرا ہتھیار ہے	261
علم الادیان اور علم الابدان کا اجمالی تعارف	261
آدمی کی شناخت کا حیرت انگیز طریقہ	262
مقناطیسی دھاگے کے ذریعے آپریشن	263
ایک نمائش کا آنکھوں دیکھا حال	264
ہمارا زوال، تاریخ کے جھروکوں سے	265
ہماری اور کفر کی مثال	266
کفار میں مادی علم کا شوق	266
علم ایک طاقت ہے	267
علم کتاب کی طاقت	268
مادی علم کی طاقت	269
حصول علم کے ذرائع	271

عنوان	صفحہ نمبر
(۱) حواس خمسہ	271
(۲) عقل	271
(۳) وحی الٰہی	272
اصل علم	272
علم الابدان کی ضرورت واہمیت	272
خلفائے راشدین کا تابناک ماضی	274
مال پر علم کی فضیلت	274
حال پر علم کی فضیلت	275
مال کے سوال پر تین آدمیوں کی بخشش	276
علم کے سوال پر چار آدمیوں کی بخشش	276
کتے کے علم کی قدر	277
علم کی پانچ اقسام	277
۱).....علم الاحکام	277
۲).....علم الخاصمہ	278
۳).....علم التذکیر بایام اللہ	278
(۴).....علم التذکیر بالآء اللہ	279
(۵) علم التذکیر بالموت	280
انبیائے کرام اور جہاد	281
ہیروز کی نرسری	282
پرکشش نظام خلافت	283
ایک عہد آفرین انقلاب	284
نبی رحمت ﷺ کی جنگی حکمت عملی	286
(۱) تیاری	286
(۲) دشمن کے بارے میں معلومات	288
(۳) عسکری رازوں کی حفاظت	292
(۴) اپنی پسند کے میدان کا انتخاب	293
(۵) صف بندی کا اہتمام	295
(۶) دشمن کو مرعوب کرنے کی حکمت عملی	296
(۷) پیش قدمی	297
(۸) وقت کا خیال رکھنا	297
(۹) پہل کاری	298
(۱۰) لچکدار حکمت عملی	298
(۱۱) ایک وقت میں ایک دشمن سے لڑائی	299
(۱۲) شکست خوردہ دشمن کا تعاقب	299
(۱۳) اقتصادی ناکہ بندی	299
(۱۴) گوریلا کاروائی	300
ایک دلچسپ صورت حال	301
صحابہ کرامؓ کی عسکری تربیت	303
جہادی قوت حاصل کرنے کی دلیل	304
حاصل کلام	304
① صبر میری چادر ہے	305
صبر کا مفہوم	305
صحیح معنوں میں صابر لوگ	306
مشکل حالات آنے کی وجہ	306

عنوان	صفحہ نمبر
زحمت کی شکل میں رحمت	307
صبر کرنے کا ایک نفسیاتی کلیہ	308
بلا از دستِ دوست عطا است	310
صبر کی تین اقسام	314
(۱) طاعت الٰہی پر صبر	314
(۲) ترک معصیت پر صبر	315
(۳) امتحان الٰہی پر صبر	316
صبر.....قرآنِ مجید کی روشنی میں	317
صبر کرنے کا حکم	317
صبر کرنے پر حیرت انگیز انعامات	318
صبر کی تین صفات	323
انبیائے کرام کا صبر	323
اکابرین کا صبر	325
سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ کا صبر	326
امام احمد بن حنبلؒ کا صبر	328
حضرت شیخ الہندؒ کا صبر	329
⑮ رضا میری غنیمت ہے	331
بندہ مومن کی زندگی کا نصب العین	331
ذاتِ الٰہی، ذکرِ الٰہی اور رضائے الٰہی کی عظمت	332
رضا.....مشائخ طریقت کی نظر میں	332
امورِ ثلاثہ	334
(۱) ربوبیت پر راضی ہونا	334

عنوان	صفحہ نمبر
مخلوقاتِ عالم اور حمدِ الٰہی	335
یوم الست میں رب کا ذکر	337
قرآن مجید میں رب کا ذکر	338
ادعیہ قرآنی میں رب کا ذکر	339
ربنا سے دعا مانگنے کا راز	339
مرنے کے بعد اللہ کی ربوبیت کا تذکرہ	340
عبادت، محبت اور بیم و رجا کا محور	342
(۲) رسالت و نبوت پر راضی ہونا	342
(۳).....دینِ اسلام پر راضی ہونا	344
دین اسلام میں امتیازی خوبیاں	344
رضا کی علامات	347
مخلوق کو راضی کرنے کی فکر	348
نکاح کے بغیر رخصتی	350
ایک دلچسپ حکایت	351
بچے کو راضی کرنا مشکل ہے	352
امیر شریعتؒ کا ایک دلچسپ ادا، فکر انگیز واقعہ	352
ایک مختصر اور جامع نصیحت	353
تین آدمیوں کی نجات کا واقعہ	354
حضرت خالد بن ولیدؓ اور رضائے الٰہی	354
ایک مجاہد صحابیؓ کا حیران کن واقعہ	355

عنوان	صفحہ نمبر
ایک عارفانہ نکتہ	355
ایک حدیث قدسی	356
رضائے الٰہی کا اعلان	357
اللہ کی رضا مانگا کریں	359
(۱۱) عاجزی میرا فخر ہے	361
عاجزی کا مطلب	361
ایک جامع الآداب عبادت	361
تکبر کی شناعت	362
تواضع.....رفعت شان کا سبب	363
پیر فضل علی قریشیؒ کی تواضع	363
تواضع پیدا کرنے کا انوکھا انداز	364
تصنع سے بچنے کی فکر	365
بڑا بننے کا آسان طریقہ	366
استاذ اور شاگرد کی قابلِ رشک عاجزی	366
مولانا عبدالمالک صدیقیؒ کی تواضع	368
خلیفہء وقت کی تواضع	369
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی کسر نفسی	370
امام اعظم ابوحنیفہؒ کی عاجزی	370
مولانا حسین علیؒ کی عاجزی	371
حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی گوشہ نشینی	372
تواضع کی نشانیاں	373

عنوان	صفحہ نمبر
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ایک سبق آموز واقعہ	375
سید الانبیاء ﷺ کی عجز بھری دعائیں	376
لوگوں سے تعریف کی توقع نہ رکھیں	378
مولانا سعید احمد گوہانویؒ کا واقعہ	380
قاری محمد طیبؒ کی عاجزی	381
عاجزی کے کلمات کی فوری قبولیت	382
توحید باری تعالیٰ میں اعلیٰ ترین کلام	382
(۱۲) زہد میرا پیشہ ہے	385
زہد کا لغوی واصطلاحی معنی	385
حرفہ کا مطلب	386
دو سے نظر ہٹاؤ، ایک پہ جماؤ	386
زہدِ شریعت، زہد طریقت اور زہد حقیقت	387
انسان اتنا جری کیوں	388
محتاجی کو کم کرنے کا نسخہ	388
جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ کیوں؟	389
کاشتکاروں اور زاہدوں کا مقام	390
ترکِ لذات دنیا کا مطلب	391
موانع زہد	391
خالق اور مخلوق کا محبوب بننے کا طریقہ	392
فیل ہونے پر اللہ کا شکر	393
نور ایمان سے منور دل	394

عنوان	صفحہ نمبر
شرح صدر کی تین علامتیں	395
زاہد اور مرغابی میں مماثلت	396
زاہدوں کی موت کے مناظر	396
زاہد کے تین انعامات	399
راحتِ تن اور راحتِ من	399
زاہد کی دو رکعت کا مقام	399
زاہد کی مثال	400
زہد کے انداز	400
ایک سبق آموز جواب	401
عجیب اشعار	402
(۱۳) یقین میری غذا ہے	403
جسمانی اور روحانی غذا	403
یقین کسے کہتے ہیں؟	403
یقین ملنے کے دو ذرائع	404
(۱) مشاہدے کے ذریعے یقین	404
(۲) خبر کے ذریعے یقین	406
یقین کامل کے واقعات	409
رزق ملنے کا یقین	411
زکوۃ سے مال محفوظ ہونے کا یقین	412
حرام مال سے اولاد کے نافرمان ہونے کا یقین	413
سود سے مال ناپاک ہونے کا یقین	414
موت کا یقین	414

عنوان	صفحہ نمبر
عزت اور ذلت ملنے کا یقین	415
یقین کے درجات	416
اولیائے کاملین کا یقین	418
ایک بند پتھر..... کیڑے کا گھر	418
کھانے والے کا سفر رزق کی طرف	420
رزق کا سفر کھانے والے کی طرف	421
جوتے کھا کر رزق کھانے والا	422
اللہ پر یقین کرنے کا انعام	424
مولانا قاسم نانوتویؒ کا اللہ پر یقین	425
ام موسیٰ علیہا السلام کا اللہ پر یقین	426
شک سے یقین کا خاتمہ	431
(۱۴) صدق میرا سفارشی ہے	433
صدق اور شفیع کا مطلب	433
جھوٹ کی شناعت	434
سچ بولنا اور سچائی کا معاملہ کرنا	434
نجات دلانے والی چیز	435
ایک شہزادے کے دل پر سچائی کا اثر	436
صدق کی علامات	437
(۱).....جھوٹ سے پرہیز	437
(۲).....دنیا پر فریفتہ نہ ہو	438
(۳).....نفس کی پوجا نہ کرے	438
(۴).....خدا طلبی کی نیت ہو	438
(۵).....ظاہر و باطن ایک ہو جائیں	439

عنوان	صفحہ نمبر
ایک عجیب واقعہ	439
سچ قبولیت دعا کا سبب	440
سچ بولنے کا ایک اور فائدہ	440
جھوٹ کے خوبصورت نام	441
سچ بولنے کی برکات	441
قبولیت توبہ کی نوید	442
ڈاکو تائب ہوگئے	446
پیسے کھرے مل گئے	448
ہندو مسلمان ہوگئے	449
وکیل جج بن گیا	450
⑮ طاعت میری عزت ہے	455
طاعت اور حسب کا مطلب	455
عزت ماننے میں ہے	455
اللہ کی نظر میں خوبصورت بننے کا طریقہ	457
حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور اطاعت نبوی	458
بھائی ظہیر احمد صاحبؒ اور اطاعت نبوی	458
قبولیت میں کمی آنے کی وجہ	459
اطاعت نبوی ﷺ کی حیرت انگیز مثال	460
ہر حال میں مان کر چلیے	466

عنوان	صفحہ نمبر
جانوروں کا مطیع ہونا	467
''نظر بر قدم'' کا مطلب	469
اطاعت کی معراج	469
⑯ جہاد میری خصلت ہے	471
جہاد اور خُلق کا مطلب	471
جہاد فی سبیل اللہ کا حکم	471
جہاد بالمال	472
جہاد بالنفس	472
تزکیہ نفس	472
جہاد بالعلم	473
جہاد بالسیف	474
دین اسلام کی خوبیاں	474
(۱) دین فطرت	474
(۲) دینِ اخوت	475
(۳) دینِ مساوات	475
(۴) دین انصاف	476
جبر و اکراہ سے مبرا دین	477
کفار کے ساتھ حسن سلوک کا حکم	477
دینِ اسلام کی وسعت	478
کفار کا مطمعِ نظر	480
ایک قانونِ فطرت	481
قتل کی چار صورتیں	482
(۱) جب کفار حملہ کردیں	482

عنوان	صفحہ نمبر
(۲) جب کفار فتنہ کا باعث بنیں	483
(۳) جب کفار ظلم کریں	484
(۴) جب کفار معاہدوں کی خلاف ورزی کریں	484
جہاد کیلئے ہدایات مخصوصہ	485
قتال کو بوجھ نہ سمجھو	485
کفار کو سزا دینے کا خدائی نظام	486
مسلمانوں کو کمزور کرنے کی سازشیں	486
ائمۃ الکفر کو مارنے کا حکم	489
جہاد میں کامیابی کے سنہری اصول	490
ثابت قدمی اور ذکرِ کثیر	490
اتحاد و اتفاق کی ضرورت	490
مل کر قتال کرنے کی تلقین	491
قتال کرنے کا مقصد	491
قصورِ ضعیف	492
جہاد کے لئے قوت جمع کرنے کا حکم	492
میزائل کی شرعی حیثیت	493
تیر کے سائے میں رزق کی تلاش	494
رباط الخیل سے مراد	495
جنگ ایک دھوکہ ہے	497
جہاد قیامت تک جاری رہے گا	498
حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے جہاد کا تذکرہ	498
نبی رحمت ﷺ کو جہاد کا حکم	499
عہد نبوی اور دور حاضر کے کفار میں عجیب مماثلت	500
ایک غیر خونی انقلاب	502
دین کی سربلندی کے لئے قرآن مجید اور لوہے کی افادیت	503
شہید کے لیے چھ انعامات	505
شہیدانِ آخرت	506
شہید کا مقام	507
ایک بوسے کی طاقت	509
ادنیٰ اعلیٰ پہ قربان	511
چند علمی نکتے	512
کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟	514
کیا مسلمان بنیاد پرست ہوتے ہیں؟	515
کیا مسلمان دہشت گرد ہوتے ہیں؟	516
جہاد کے لئے نکلنا کب ضروری ہے؟	516
کیا اسلام انسانوں کو غلام اور باندی بنانے کا سبق دیتا ہے؟	518
جنگی قیدیوں سے سلوک کی تین صورتیں	519
(۱) قتل کر دینا	519
(۲) آزاد کر دینا	519
(۳) جنگی قیدیوں کی اصلاح کرنا	520

عنوان	صفحہ نمبر
غلاموں کی عظمت	521
غلام فقہائے اسلام	521
غلام.....موالیءِ اسلام	521
غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم	522
غلاموں کے سر پر امامت اور بادشاہت کا تاج	523
سرتاج الانبیاء ﷺ کے غلام کا مقام	524
سلامتی اور اصلاح کا دین	524
۱۷ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے	527
افضل ترین عبادت	527
نماز کی مرکزی حیثیت	528
نماز اور مراحلِ زندگی	529
نماز اور ارکان اسلام کی جامع عبادت	529
نماز کے متعلقات کا حسن	531
تعیین قبلہ میں راز	533
نماز کے اثرات	534
نماز میں پوشیدہ ثمرات	536
نماز اور راحت المسلمین	537
نماز اور اجتماعیت	537
نماز اور امانت داری	539
نماز اور دفاع	540
نماز اور حق گوئی	541
نماز اور صفائی	541

عنوان	صفحہ نمبر
نماز اور ماحول کی پاکیزگی	541
نماز اور ستر پوشی	542
آخرت میں سب سے پہلا سوال	543
مومن کی معراج	543
نماز اور خوشگوار ازدواجی زندگی	543
نماز اور حفاظت نظر	544
نماز اور پابندی وقت	545
نماز اور صحبتِ صلحاء	546
نماز اور حقوق العباد	546
نماز اور مساوات	547
نماز اور صلح جوئی	548
نماز اور شکر	548
خاتمہ بالخیر کی نوید	550
نمازیں قضا کرنے کا وبال	551
نماز کی حضوری کیسے؟	552
نماز اور حقائق ثلاثہ	554
(۱) حقیقت قرآن	554
(۲) حقیقت کعبہ	554
(۳) حقیقت نماز	555
اہلِ عشق کی نماز	555
مقامِ احسان کی نماز	558
دخولِ جہنم کا ایک بڑا سبب	559

پیش لفظ

یہ فقیر اپنے ادارے معہد الفقیر الاسلامی جھنگ میں وقتاً فوقتاً طلبا کے سامنے مواعظ و بیانات کی صورت میں کچھ نہ کچھ وعظ و نصیحت کرتا رہتا ہے تاکہ طلبا میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا رنگ بھی اجاگر ہوتا رہے۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

[اور نصیحت کرتے رہو بے شک نصیحت مؤمنین کو فائدہ دیتی ہے]

مقصد یہی ہوتا ہے کہ طلبہ میں علم کے ساتھ ساتھ عمل اور اخلاص کا جذبہ بھی پیدا ہو جائے۔ اسی سلسلہ میں گزشتہ سے پیوستہ سال ایک حدیث پر بیان شروع کیا مگر اس کی تفصیلات کو کھولنا شروع کیا تو بیانات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جو کئی ہفتوں تک چلتا رہا۔ جو کچھ بیان کیا قرآن و حدیث اور اپنے اکابر کے اقوال و ملفوظات کی روشنی میں ہی بیان کیا لیکن توفیقِ الٰہی شامل حال ہوئی اور اللہ نے کچھ ایسے مفاہیم و مطالب دل میں ڈالے کہ عصر حاضر کے اعتبار سے طلباء اور اساتذہ کے لیے بہت ہی فائدہ مند ثابت ہوئے۔

اس حدیث مبارک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کی سنت کیا ہے؟ .....اس سوال کے جواب میں اللہ کے محبوب ﷺ نے علوم و معارف کے ایسے سترہ موتی عطا فرمائے جو دنیا بھر کی شعبہ ہائے زندگی کے علوم و فنون کو حاوی ہیں۔ چنانچہ ان میں .....

..... جہاں راہِ تصوف کے راہی کے لیے نشان منزل موجود ہے وہاں موجودہ سائنسی ترقی کے متوالوں کے لیے گوہرِ مقصود بھی پنہاں ہے۔

..... جہاں عقل کی جولانیوں کو منظر عام پر لانے کا نقطہ آغاز ملتا ہے وہاں عقل سے پرے عشق کے پروں سے پرواز کر کے نار نمرود میں کود پڑنے کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

..... جہاں اخلاق کی تلوار کے ذریعے مد مقابل زیر قدم آنے پر مجبور ہوتا دکھائی دیتا ہے، وہاں جہاد جیسے مقدس فریضے کے ذریعے ائمۃ الکفر کو تہہ تیغ کرنے کی جرأت بھی ملتی ہے۔

..... جہاں تزکیہ واحسان، مدارس ومساجد اور عسکری وجہادی شعبوں سے منسلک افراد کو رہنمائی ملتی ہے وہاں سائنسی علوم وفنون اور جدید ترین ٹیکنالوجی سے وابستہ افراد کو حوصلہ افزائی ملتی ہے۔

..... جہاں خزانہ نبوی ''اعتماد'' کی اہمیت وقوت کا اندازہ ہوتا ہے وہاں دنیا میں غالب ہونے کے لیے علم کی ضرورت وافادیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

..... جہاں علم وعمل میں اخلاص کا رنگ بھرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، وہاں صدق و یقین اور صبر کی دولت سے مالا مال ہو کر ایمان کی حلاوت چکھنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

الغرض کہ عجیب وغریب معارف ہیں جو اس حدیث شریف میں پنہاں ہیں، اللہ نے جو کچھ توفیق دی بیان ہوئے۔ ان بیانات کی افادیت کے پیش نظر بعض طلباء نے ان کی ریکارڈنگ، ضبط تحریر اور ترتیب کا اہتمام کیا پھر مکتبۃ الفقیر نے اسے طبع کرنے اور شائع کرنے کا انتظام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنی رضا اپنی لقا اور اپنا مشاہدہ عطا فرمائے۔ امید ہے کہ یہ کتاب علماء طلباء کے علاوہ عوام الناس کے لیے بھی مفید ثابت ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے (آمین ثم آمین)

دعا گو ودعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کان اللہ لہ عوضا عن کل شیء

عرض مرتب

عاجز کی یہ خوش نصیبی ہے کہ محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کے ادارے معہد الفقیر الاسلامی کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت والا کبھی کبھی طلبہ کی ہدایت ورہنمائی کیلیے خصوصی مجالس اور دروس کا اہتمام فرماتے ہیں جن کا اس عاجز کو براہ راست سماعت کا موقع ملتا ہے۔ حضرت والا کا بات کو سمجھانے کا انداز اس قدر مدلل، مؤثر اور دلنشیں ہوتا ہے کہ باتیں دل میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ ایک دفعہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے طلبا کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان فرمائی۔ پھر جو اس کی تشریح اور تفصیل بیان کرنی شروع کی تو سترہ مستقل بیانات پر محیط ہوگئی۔ چونکہ حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ بحرِ معرفت کے ایک شناور بھی ہیں اور عصری علوم وفنون میں مہارتِ تامہ بھی رکھتے ہیں اس لیے آپ کی زبان فیض ترجمان سے اس حدیث پاک کی تشریح سے علوم دینیہ اور عصری علوم وفنون پر مبنی دلچسپ معلومات کا ایک حسین گلدستہ تیار ہوگیا جس کی افادیت کا ادراک پڑھنے سے ہی ہوسکتا ہے۔

جیسے ہی حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے اس حدیث مبارکہ کے معارف بیان کرنے کا سلسلہ شروع کیا، عاجز نے اسی دن سے ان خطبات کی برکات سمیٹنے کے لیے اپنے دامن کو پھیلا دیا اور انہیں قرطاس ابیض پر منتقل کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ روزانہ حدیث پاک کا ایک جزو اور

اس کی سیر حاصل تشریح بیان فرماتے رہے۔ بالآخر 23 اپریل 2006ء کو شروع ہونے والے اس مبارک سلسلہ کے سترہ اجزائے ترکیبی کی تشریح مکمل ہوگئی۔ ساتھ ہی عاجز نے ان بیانات کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا کام جاری رکھا جو اللہ کے فضل وکرم سے پایہء تکمیل کو پہنچ گیا۔ پھر عاجز نے وہ تمام خطبات حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں نظر ثانی کے لیے پیش کیے حضرت اقدس دامت برکاتہم نے کتاب کی ضروری تصحیح وترمیم فرمائی اور اس مجموعہ کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو دنیا بھر کے انسانوں کے لیے اکتساب فیض کا ذریعہ بنائے اور حضرت اقدس دامت برکاتہم کو ہماری طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کیونکہ انہوں نے اس نام نہاد ''روشن خیالی'' اور بدحالی کے پرآشوب دور میں انسانیت کی درست سمت میں رہنمائی فرمائی ہے۔ عاجز محترم المقام جناب محمد یونس صاحب، جناب شاہنواز صاحب (مرحوم) حضرت مولانا فیصل مرزا صاحب، ڈاکٹر شاہد محمود صاحب اور جناب حاجی محمد صدیق صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکرگزار ہے کہ ان کے تعاون سے یہ کتاب تکمیل کے مراحل طے کرسکی اللہ ان کو اجر جزیل عطا فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

فقیر محمد حنیف عفی عنہ
(ایم۔اے، بی ایڈ)
موضع باغ، تحصیل وضلع جھنگ

معرفت میرا راس المال ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

مَااٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج (الحشر:۷)

وَعَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ

عَنْ سُنَّتِهٖ ، فقال : اَلْمَعْرِفَةُ رَاْسُ مَالِىْ

اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَام

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

ایک معرفت بھری حدیث:

قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب ''اَلشِّفَاء فِیْ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰی'' میں ایک حدیث مبارک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکارمِ اخلاق اور محاسن وعادات کا تذکرہ کرنے کے لئے نقل کی ہے۔ یہ قاضی عیاضؒ بہت بڑے محدث ہیں۔ انہوں نے مسلم شریف کی ''اکمال'' نامی شرح بھی لکھی اور ان کی حدیث پاک کی کتاب ''مشارق الانوار'' بھی بڑی معروف ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

وَ عَنْ عَلِی ؓ قَال، سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ سُنَّتِهٖ وَ قَال:

اَلْمَعْرِفَةُ رَاْسُ مَالِیْ وَ الْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ وَ الْحُبُّ اَسَاسِیْ وَ

الشَّوْقُ مَرْكَبِیْ وَ ذِكْرُ اللّٰهِ اَنِیْسِیْ وَ الثِّقَةُ كَنْزِیْ وَ الْحُزْنُ

رَفِیْقِیْ وَ الْعِلْمُ سَلَاحِیْ وَ الصَّبْرُ رِدَائِیْ وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ وَ الْعِجْزُ فَخْرِیْ وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ وَ الْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ وَ الصِّدْقُ شَفِیْعِیْ وَ الطَّاعَةُ حَسْبِیْ وَالْجِھَادُ خُلْقِیْ وَ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ

اس حدیث پاک کو اور بھی بہت سے علماء نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ دمشق کے معروف استاد ابن قیمؒ نے ''مدارج السالکین'' میں بھی اسے لکھا اور شیخ الاسلام ہرویؒ نے بھی اپنی کتاب ''الساترین'' میں اس کی شرح کی ہے۔

اس حدیث پاک میں عجیب وغریب مضامین ہیں جن کا تعلق معرفت اور اخلاق وتربیت کے ساتھ زیادہ ہے۔ چنانچہ جی چاہا کہ مختلف مجالس میں اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے آپ کے سامنے کھولا جائے تا کہ اس کے مضامین سے آپ بھی فائدہ پائیں۔

ہیرے..... تسبیح کی شکل میں:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس حدیث پاک کے راوی ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جن کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔''

تصوف وسلوک کے چار معروف سلسلوں میں سے تین سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آگے چلتے ہیں۔ علم ومعرفت میں اللہ رب العزت نے ان کو بہت بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت ہی خوبصورت سوال پوچھا۔ عرض کیا، اے اللہ رب العزت کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی سنت کیا ہے؟

ایک لفظ ہے حدیث اور ایک لفظ ہے سنت۔ لغوی طور پر حدیث بات کو کہتے ہیں اور سنت عادت اور طریقے کو کہتے ہیں۔ تو سیدنا علی ص نے پوچھا:

اے اللہ رب العزت کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا طریقہ کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند باتیں بتائیں۔ یوں لگتا ہے کہ ہیروں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تسبیح کی شکل میں پرو دیا ہے۔ ان میں سے پہلی بات یہ فرمائی۔

اَلْمَعْرِفَةُ رَاْسُ مَالِیْ

[معرفت میرا راس المال ہے]

''راس المال'' اصل سرمایہ کو کہتے ہیں۔ جیسے تاجر آدمی جب تجارت شروع کرتا ہے تو جو اس کا اصل زر ہوتا ہے اور اس سے وہ کاروبار کر کے منافع کماتا ہے ،اس بنیادی مال کو راس المال کہتے ہیں۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ معرفت میرا راس المال ہے اور یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں میں سے ہے۔

ہر مسلمان کے دل کی تمنا:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے کو اپنانا ہر مسلمان کے دل کی تمنا ہوتی ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا..... عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ.....تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو اپناؤ.....تو سنت پر عمل کرنا کوئی اختیاری چیز نہیں ہے بلکہ لازمی چیز ہے۔ اس پر انسان کی نیک بختی اور بدبختی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ سعادت اور شقاوت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جو آدمی سنت کو اپنے سینے سے لگا لیتا ہے وہ اللہ رب العزت کے نزدیک سعید بن جاتا ہے۔ اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْد

(جس نے میری سنت کو لازم پکڑ لیا ایسے وقت میں، جب سنت کو چھوڑا جا رہا ہو تو ایک سنت کو لازم پکڑنے پر اس کو سو شہیدوں کا ثواب عطا کیا جائے گا)

آج کا وقت قرب قیامت کا وقت ہے۔ چنانچہ اس وقت یہی حال ہے کہ لوگ سنت کا مذاق اڑاتے ہیں اور سنت پر عمل کرنا بوجھ سمجھتے ہیں۔ آج نوجوانوں کیلئے سنت

پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل ہے جیسے ہتھیلی کے اوپر انگارہ رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اور بعض جگہوں پر اگر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سنت کو اپناتی ہیں تو ان کے سب سے بڑے مخالف ان کے والدین بن جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں سنت کو گلے سے لگا لینا بڑی سعادت کی بات ہے۔ اور جو سنت کے راستے کو چھوڑتا ہے وہ گویا جہنم کی طرف اپنی راہ ہموار کر رہا ہے۔ اسی لیے فرمایا،

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

[پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے ہی نہیں]

یعنی ایسے بندے کے ساتھ میرا کوئی تعلق واسطہ ہی نہیں جو میری سنت کو پس پشت ڈال دے۔ تو سنت سے اعراض کرنے پر اتنی بڑی وعید آئی ہے۔ اس لئے مومن ڈھونڈ ڈھونڈ کر سنتوں پر عمل کرتا ہے۔ یہ سنتیں فقط کھانے پینے کی حد تک نہیں ہیں بلکہ

.....معاملات میں سنت

.....معاشرت میں سنت

.....عادات میں سنت اور

.....رہن سہن میں سنت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

بہت سے لوگ یہ سوال پوچھتے ہیں کہ خواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا کیا طریقہ ہے؟ تو ہم نے مشائخ سے جو سیکھا اس میں سے پکی اور ٹھوس بات یہ تھی کہ جو بندہ اپنے قول میں، فعل میں، رفتار میں، گفتار میں، کردار میں، سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اپنے آپ کو سنت کے مطابق ڈھال لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے حالتِ بیداری میں اپنے محبوب ﷺ کا دیدار عطا فرما دیتے ہیں۔

تعارف کے تین انداز:

معرفت کیا ہوتی ہے؟ .....لغت میں معرفت ''شناخت'' کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ

تعارف سے نکلا ہے۔تعارف کے کل تین انداز ہیں۔

(۱).....لوگوں سے تعارف:

ایک ہوتا ہے لوگوں سے تعارف۔اللہ تعالیٰ نے اسی لیے تو انسانوں کے قبیلے اور ذاتیں بنائیں۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا (الحجرات: ۱۳)

[اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور ذاتیں اس لئے بنائیں کہ تمہارا آپس میں تعارف ہو سکے]

تو گویا اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعارف ہو۔اس لئے جب شروع میں کسی سے ملاقات ہو تو تعارف کرتے ہوئے جھکنا نہیں چاہیے۔تعارف کروانا ایک اچھی صفت ہے۔بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اچھے بھلے پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور ان کو اپنے تعارف کے دو بول بولنے نہیں آتے۔بس مختصر الفاظ میں وہ بنیادی چیز بتا دیا کریں جس سے پتہ چل سکے کہ آپ کون ہیں۔ورنہ آج تو نورِ باطن کی اتنی کمی ہے کہ مخاطب کو تو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ آدمی سبزی بیچنے والا ہے یا حدیث پڑھانے والا ہے۔بہر حال مناسب الفاظ میں اپنا تعارف کروا دینا چاہیے،البتہ اپنے منہ میاں مٹھو بھی نہیں بننا چاہیے۔

ہم نے اپنے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جب بھی ٹیلیفون آتا تو جواب میں وعلیکم السلام کے بعد فرماتے کہ میں پیر غلام حبیب بول رہا ہوں۔جب پہلی مرتبہ ایسا ہوا تو انہوں نے اس وقت بتلایا کہ اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں غلام حبیب بول رہا ہوں تو اس نام کے تو دنیا میں سینکڑوں انسان ہیں،لہٰذا ایک لفظ ساتھ لگانے سے اگلے آدمی کو پتہ چل جاتا ہے کہ میں کون ہوں۔

(۲).....اپنی ذات کا تعارف:

تعارف کا دوسرا انداز یہ ہے کہ اپنی ذات کی پہچان ہو کہ میں کون ہوں۔ آج بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہیں اپنی پہچان حاصل ہے۔ مثال کے طور پر

''میں انسان ہوں، اللہ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے حصول کے لئے اور عبادت کے لئے مجھے دنیا میں پیدا فرمایا ہے۔''

دوسرے لفظوں میں یہ کہ بندے کو اپنی ذات کا حدود اربعہ معلوم ہو کہ میں کون ہوں۔ انسان ہونا بڑی شرافت کی بات ہے۔ اس لئے کہ جب انسان احکام خداوندی پر عمل کر لیتا ہے تو یہ اتنا اوپر اڑتا ہے کہ فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ اور جب اپنی پہچان نہ ہو تو انسان حیوانوں کی طرح زندگی گزارتا ہے۔

اپنی پہچان ہونا، یہ ابتدائے سلوک ہے۔ جب اپنی پہچان ہو گی تو انسان اپنی اصلاح کے لئے فکر مند بھی ہو گا۔ اپنے عیب کو دیکھ کر اپنی اصلاح کی کوشش کرنا، یہ ابتدائے سلوک ہے۔ بلکہ اولادِ آدم کے لئے سب سے پہلا سبق بھی یہی ہے۔ .....ذرا توجہ فرمایئے..... جب سیدنا آدمؑ نے جنت میں گندم کا دانہ کھایا تو قرآن مجید میں ہے کہ انہوں نے جو جنت کی پوشاک پہنی ہوئی تھی وہ اتر گئی۔ جب پوشاک اتر گئی اور انہوں نے اپنے جسم کو بے لباس دیکھا تو انہیں فکر لاحق ہوئی کہ میں اپنے آپ کو چھپاؤں۔ چنانچہ انہوں نے درخت کے پتوں کے ذریعے اپنے ستر کو چھپایا۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایک والد کی طرف سے اپنی اولاد کو یہ پہلا سبق ہے کہ بچو! اگر تم اپنے آپ میں کوئی عیب دیکھو تو فوراً اس کی اصلاح کی کوشش کرو۔ اور ابتدائے سلوک بھی یہی ہے کہ جب بندہ اپنے اندر کوئی عیب اور کوتاہی دیکھے تو اس کو دور کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔ یہ نیک بختی کی علامت ہے۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ

اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ لِنَفْسِہٖ

''نیک بخت وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ سے نصیحت حاصل کر لے۔''

اور جو دوسروں کو دیکھے کہ فلاں نے یہ غلطی کی ہے تو وہ فوراً اپنی اصلاح کی کوشش کرے۔ اپنی اصلاح کی کوشش کرنا، یہ تصوف کی بنیاد ہے اور اپنے عیوب کو دیکھنے کے باوجود بے فکر ہو جانا، یہ انسان کی بدبختی کی دلیل ہے۔ ذرا غور کریں کہ آج ہم اپنے اندر کتنے عیوب پاتے ہیں اور ہمیں ان کی اصلاح کی کتنی فکر ہے۔ حالت یہ ہے کہ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے اور خواب میں کسی بزرگ کو دیکھ کر بڑے خوش ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے ہاں میرا بڑا مقام ہے۔ بھئی! اگر فرض نماز کی توفیق بھی نہیں مل رہی تو پھر اللہ کے ہاں کیا مقام ہوگا۔ کیا معلوم کہ جس بزرگ کی خواب میں شکل دیکھی وہ بزرگ تھا یا شیطان۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ خواب میں اس شخصیت کو دیکھ کر اپنے معتقد ہو جاتے ہیں کہ ہماری روحانی حالت بہت اچھی ہے۔ کہاں اچھی ہے؟ اگر اچھی ہوتی تو شریعت پر استقامت نصیب ہو جاتی۔ جب انسان کو اپنی حقیقت کا پتہ چل جائے تو پھر اس کے لئے اللہ کی طرف قدم بڑھانا آسان ہو جاتا ہے۔

بچوں کی ایک کہانی ہے کہ ایک شیر مر گیا۔ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ وہ بچہ عام جانوروں کے ساتھ زندگی گزارنے لگا تو اس کی حالت بھی عام جانوروں جیسی ہو گئی۔ گدھے اور بکری وغیرہ کی طرح وہ شیر بھی رہنے لگا۔ اس شیر کو ایک بندر نے پہچان لیا کہ یہ تو بادشاہ کا بیٹا ہے۔ چنانچہ اس نے اسے سمجھایا کہ تم تو جنگل کے بادشاہ ہو اور تم کہاں زندگی گزارتے پھر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں بادشاہ نہیں ہوں، میں بس ادھر اپنے دوستوں کے ساتھ ٹھیک ہوں۔ وہ بندر اسے لے کر ایک دریا پر گیا اور اسے کہا کہ نیچے پانی کی طرف جھانک کر دیکھو۔ جب اس نے پانی میں جھانک کر دیکھا اور اسے اپنی شکل نظر آئی تو اسے اپنا باپ یاد آ گیا۔ اس نے چھوٹی عمر میں اپنے باپ کو دیکھا تھا اور اب جوان ہو چکا تھا۔ اب اس کا قد کاٹھ اور وضع قطع بھرپور شیر کی طرح تھا۔ جب اپنی شکل دیکھ کر اسے اپنا باپ یاد آیا تو اس نے شیر والی آواز نکالی۔

اب اسے احساس ہونے لگا کہ میں کوئی عام جانور نہیں ہوں بلکہ جانوروں کا بادشاہ ہوں۔ چنانچہ اب اس کے اندر ایک قوت آ گئی اور اس کو دوسروں کے ساتھ لڑنا اور حملہ کرنا بھی آ گیا۔ لہٰذا جب وہ لوٹ کر واپس آیا تو سب جانوروں نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

مختصر طور پر معلوم یہ ہوا کہ جب تک اس کو اپنی حقیقت کا پتہ نہیں تھا تو وہ عام جانوروں کے ساتھ زندگی گزارتا پھر رہا تھا۔ وہ گدھے جیسی زندگی گزار رہا تھا اور جب اسے اپنی اصلیت کا پتہ چل گیا تو پھر اس نے بادشاہ بن کر زندگی گزارنا شروع کر دی۔ مومن کا بھی یہی حال ہے۔ جب تک اس کو اپنی حقیقت کا پتہ نہیں ہوتا اس وقت تک یہ جانوروں کی طرح زندگی گزار رہا ہوتا ہے ..... ادھر منہ مارا..... اُدھر آنکھ لڑائی..... اِدھر ہاتھ اُٹھایا..... اُدھر پاؤں بڑھایا۔ یہ اللہ کے بندوں کے لئے وبال جان بن کر رہتا ہے۔ اور جب اسے اپنی اوقات کا پتہ چل جاتا ہے کہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھے خلافتِ ارضی عطا کی ہے اور میں دنیا میں بھیجا ہی اس لئے گیا ہوں کہ اللہ کی معرفت حاصل کروں، تو پھر یہ اشرف المخلوقات بن کر زندگی گزارتا ہے۔

(۳).....اللہ تعالیٰ کا تعارف:

تعارف کا تیسرا انداز اللہ رب العزت کا تعارف یعنی اس کی معرفت ہے۔ یہ انتہائے سلوک ہے۔ ابتدائے سلوک بھی یہی ہے اور انتہائے سلوک بھی یہی ہے۔ اسی لئے ہمارے مشائخ نے کہا:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

[جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا]

یعنی جس پر اپنی بندگی کھل گئی اس پر اللہ کی عظمت کھل گئی کہ وہ کتنا غنی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ جب بندے پر اپنی محتاجی کھلتی ہے تو پھر اس پر اللہ کا

غنی ہونا کھل جاتا ہے۔ جب بندے پر اپنی عاجزی کھلتی ہے تو بندے پر اللہ کی کبریائی کھل جاتی ہے کہ وہ کتنا عظیم ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی شناخت ہے۔

ایک دستور کی بات:

ایک دستور کی بات یاد رکھیں کہ بندے کو جب کسی چیز کی پہچان ہو تو وہ اس کی قدر کرتا ہے اور جب پہچان نہ ہو تو پھر اس کی بے قدری کرتا ہے۔ چند مثالوں پر غور کیجیے.....

پہچان نہ ہونے پر بے قدری کی مثالیں:

(۱).....ایک نوجوان کو اللہ رب العزت نے بہت اچھا کاروبار دیا۔ اس نے ایک کوٹھی بنانے کا ارادہ کیا۔ اسی دوران اس کے پاس ایک بوڑھا آیا اور کہنے لگا، میں بہت ہی بے سہارا ہوں، میرا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے، نہ گھر ہے نہ در ہے، لہٰذا آپ مجھے یہاں سر چھپانے کی جگہ دے دیں۔ میں چوکیدار بن کر آپ کے گھر کی حفاظت کروں گا۔ اس نوجوان نے بوڑھے کو چوکیدار کی حیثیت سے رکھ لیا۔

اب جب کوٹھی بننے لگی تو سامان بھی زیادہ آنے لگا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ اس سے کبھی کسی چیز میں کوتاہی ہو جاتی اور کبھی کوئی کام یاد نہ رہتا۔ نوجوان کی طبیعت ذرا تیز تھی، اس کو اس بوڑھے پر غصہ آتا۔ چند مرتبہ تو اس نے ذرا سختی سے سمجھایا لیکن بعد میں اس نے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ ایک دن اس بوڑھے سے کوئی ایسی بھول ہوئی کہ اس کی وجہ سے وہ نوجوان اس سے اتنا ناراض ہوا کہ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ ساتھ ہی نوجوان نے اس کی گٹھڑی اٹھا کر غصے سے دور پھینک دی اور کہا، دفع ہو جا یہاں سے۔ جب اس طرح ذلت کے ساتھ معاملہ ہوا تو بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگا، اچھا بچہ! میں اب چلا جاتا

ہوں، ویسے میں پہلے ایسا تو نہیں تھا جس حالت میں اللہ نے مجھے اب پہنچا دیا۔

جب نوجوان نے یہ بات سنی تو اس نے بوڑھے سے پوچھا کہ تمہاری حالت پہلے کیا تھی؟ اس نے بتایا کہ جب ملک تقسیم ہوا تو میں وہاں سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ میں پیچھے سے بڑے خاندان کا بندہ تھا مگر میں اپنے قافلے سے بچھڑ گیا اور میں اکیلا اسی طرح در بدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا اور بوڑھا ہو گیا۔ جب اس نے اس سے کچھ اور پوچھا تو بوڑھے نے اپنا نام بتایا۔ اس وقت نوجوان کو پتہ چلا کہ یہ تو میرا وہ ماموں ہے جس کی یاد میں میری ماں سارا دن روتی رہتی تھی اور باتیں سناتی تھی کہ میرا جوان بھائی مجھ سے بچھڑ گیا، اب پتہ نہیں وہ کہاں ہوگا، کیسے ہوگا۔ جب اسے تسلی ہوگئی کہ یہ میرا حقیقی ماموں ہے اور اس کی یاد میں میری والدہ روتی روتی دنیا سے چلی گئی تھی تو اب یہ اس سے کہنے لگا، ماموں! یہ تو آپ کا اپنا گھر ہے، آئیں اور یہیں زندگی گزاریں۔ چنانچہ اب پاؤں پکڑ کر معافی مانگنے لگا..... یہی آدمی تھوڑی دیر پہلے اسے کہہ رہا تھا کہ میں تیری شکل نہیں دیکھنا چاہتا، دفع ہو جا یہاں سے۔ اس وقت اسے پہچان نہیں تھی کہ یہ کون ہے۔ مگر جب پہچان ہوگئی تو اب اسی کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ رہا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ جب بندے کو پہچان نہیں ہوتی تو بے قدری کرتا ہے اور قدر تب آتی ہے جب پہچان ہوتی ہے..... یہی بات اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے کہ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی پہچان نہیں ہوتی تو وہ اپنے رب کی بے قدری کرتا ہے۔ اتنی بے قدری کرتا ہے کہ اللہ رب العزت کو قرآن پاک میں فرمانا پڑا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْد. (العٰدیٰت :٦)

[بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے]

اور ایک اور مقام پر فرمایا:

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الزمر: ٦٧)

[انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی]

چونکہ ہم اللہ رب العزت کی عظمتوں کو نہیں پہچانتے اس لئے ہم بے قدرے بن جاتے ہیں۔

(۲).....ایک ڈاکٹر صاحب تھے۔ وہ دماغی آپریشن کے بڑے ماہر سرجن تھے۔ جب ان کے پاس کوئی مریض آتا تو وہ بھاری فیس لیتے تھے۔ ایک دن وہ ہسپتال میں بیٹھے تھے کہ ایک مریض کو لایا گیا۔ لوگوں نے ان کو اطلاع دی کہ ایک نوجوان بڑی نازک حالت میں ہے، لہٰذا آپ اس کا آپریشن کرنے کے لئے آجائیں۔ انھوں نے کہا کہ پہلے اس کی فیس جمع کرواؤ۔ لوگوں نے کہا کہ اس کا تو کوئی بھی قریب نہیں ہے، سڑک پر ایکسیڈنٹ ہوا ہے، اٹھا کر لائے ہیں، لہٰذا بعد میں فیس کے بارے میں دیکھیں گے۔ وہ کہنے لگے، پہلے فیس جمع کرواؤ، پھر آؤں گا۔ وہ بتاتے بھی رہے کہ اس کی حالت غیر ہو رہی ہے لیکن اس ڈاکٹر نے انکار کر دیا۔ جب آدھا گھنٹہ گزر گیا تو اس ڈاکٹر کے گھر سے فون آیا۔ بیوی نے کہا، مجھے اطلاع ملی ہے کہ ہمارے اکلوتے بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، پتہ کرو وہ کہاں ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب نے ڈھونڈنے کے لئے فون کیا تو پتہ چلا کہ وہی نوجوان سگا بیٹا تھا۔ اب جب آپریشن کے لئے گئے تو پہنچنے سے پہلے دم توڑ چکا تھا..... جب پہچان نہیں تھی تو اپنے بیٹے کی ناقدری ہوئی اور جب پہچان ہوئی تو پھر روتے تھے کہ میں ساری زندگی کی کمائی لگا دیتا اور کاش کہ میں اپنے بیٹے کے پاس آجاتا۔

پہچان ہونے پر قدردانی کی مثالیں:

(۱)..... ہارون الرشید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ بھیس بدل کر شکار کھیلنے کے لئے نکلا۔ اتفاق سے وہ اپنے قافلے سے بچھڑ گیا۔ تھکا ہوا تھا اور اسے پیاس بھی لگی ہوئی تھی۔ کہیں اسے ایک چھوٹی سی جھونپڑی نظر آئی۔ وہ وہاں گیا اور کہنے لگا، جی مجھے پینے کے لئے پانی دے دیں۔ اس گھر میں ایک نوجوان لڑکی تھی۔ اس نے

اس کے چہرے مہرے سے اندازہ لگایا کہ یہ وقت کا بادشاہ ہے۔ جب بادشاہ نے پانی مانگا تو اس لڑکی نے درخت سے انار توڑا اور اس کا جوس نچوڑا اور بادشاہ کو دینے سے پہلے اس نے وہ شربت (جوس) کپڑے سے چھان لیا تا کہ کوئی تنکا یا پتہ نہ چلا جائے۔ اب بادشاہ یہ سب غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے جوس بادشاہ کو پیش کیا تو اس نے پوچھا کہ تم نے یہ جوس چھان کر کیوں دیا۔ وہ کہنے لگی، اے امیر المومنین! میں نے ایسا اس لئے کیا تا کہ کوئی تنکا وغیرہ آپ کے منہ میں نہ چلا جائے۔ بادشاہ یہ جواب سن کر بڑا حیران ہوا کہ اس نے بغیر بتائے سمجھ لیا کہ میں بادشاہ ہوں۔ وہ اس بات پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے گھر آ کر اس لڑکی کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا اور اس لڑکی کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیا .....اب اس لڑکی نے بادشاہ کو پہچان لیا اور اس کی قدر کی جس کے نتیجے میں اس نے فائدہ اٹھایا۔

(۲)..... مجھے ایک ملک میں جانے کا موقع ملا۔ وہاں ایک صاحب نے ایک عجیب بات بتائی۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارے گھروں کے قریب ایک علاقہ ہے، وہاں پر ہیرے زمین کے اوپر پڑے ہوتے ہیں۔ اب حکومت نے اس علاقے میں جانے پر پابندی لگا دی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم لوگ اس علاقے میں آتے جاتے تھے اور کئی مرتبہ ہم چمکتے ہوئے پتھر دیکھتے بھی تھے مگر ہم سمجھتے تھے کہ یہ ریت کے ذرات ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم مرغابی کا شکار کرتے تھے اور ان مرغابیوں کے معدے سے یہ چمکدار پتھر نکلتے تھے۔ ہم ان پتھروں کو اپنے ڈرائنگ روم کے پیالے میں ویسے ہی رکھ دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا اور کسی کو بھی پتہ نہ چلا کہ یہ کیا چیز ہے۔

وہ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ بیرون ملک سے ایک مہمان ہمارے گھر آیا۔ وہ ہیرے کی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ جب اس نے ان پتھروں کو ایک نظر دیکھا تو کہنے لگا، یہ کیا، تم نے یہ یہاں پیالے میں ڈال کر رکھے ہوئے ہیں۔ ہم نے کہا کہ یہ ہماری

مرغابیوں کے معدے سے نکلتے ہیں۔ اس نے کہا، خدا کے بندے! اس کے اندر ہیرا ہے۔ جب ہمیں پتہ چلا تو پھر بات آگے بڑھی، حکومت کو بھی پتہ چل گیا۔ پھر حکومت نے اس علاقے میں جانے پر پابندی لگا دی۔ معلوم ہوا کہ دنیا کا آدھے سے زیادہ ہیرا اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو عطا کیا ہوا ہے اور پورا ملک اس ہیرے کی آمدنی پر زندگی گزار رہا ہے۔..... تو جب پہچان نہیں تھی تو ان پتھروں کو پیالے کے اندر ڈال کر رکھا ہوا تھا اور جب پہچانا تو پھر قدر ہو گئی۔

(۳)..... سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک بہت عظیم عمل یہ ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس وقت پہچانا جب ابھی لوگ نہیں پہچانتے تھے۔ اسی لئے وہ بازی لے گئے۔ اسی لئے ان کو مقامِ صدیقیت مل گیا کہ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس وقت ایمان لا کر تصدیق کر دی جب کہ لوگ ان کی تکذیب کر رہے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ پہچاننے کے بعد انسان قدر کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی پہچان ہمیں نصیب ہو جائے تو ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی آ جائے گی اور اس کے حکموں کے مطابق اپنی زندگی گزارنا بھی ہمارے لیے آسان ہو جائے گا۔

عارف کی پہچان:

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا، حضرت! عارف (جس بندے کو اللہ کی معرفت حاصل ہو) کون ہوتا ہے؟..... انہوں نے فرمایا کہ عارف وہ ہوتا ہے جو اللہ رب العزت کی عظمتوں کو پہچانے اور ہر حال میں اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے۔ انہوں نے پوچھا، ہر حال سے کیا مراد ہے؟ فرمایا، انسان کے اوپر مختلف حالات آتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ابتلائے ربانی ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصیبت آ جائے تو پھر انسان صبر کرے اور اگر نعمائے ربانی ہو تو اس پر انسان اللہ رب العزت کا شکر ادا کرے۔ اسی طرح اگر انسان اللہ رب العزت کی طرف سے

باطن کی نعمتیں پائے تو وہ خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختی کا معاملہ ہو تو پھر سراپا عجز و نیاز بن جائے۔

کسی نے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، حضرت! عارف کون ہوتا ہے؟ .....انہوں نے فرمایا کہ عارف وہ ہوتا ہے جو اپنی مختلف کیفیات میں اللہ رب العزت کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے۔ اس نے کہا، جی! آپ ذرا تفصیل سے بتائیں۔ فرمایا، اگر اس پر بندگی کا غلبہ ہو تو وہ اپنی زبان سے بڑائی کا کوئی بول نہیں بولے گا۔ یعنی وہ اپنے اندر خیر کو دیکھتا ہے، اچھی صفات کو دیکھتا ہے اور اچھے اخلاق کو دیکھتا ہے مگر زبان سے کوئی بڑا بول نہیں بولتا۔ اگر اس پر محبت کا جذبہ غالب ہو تو وہ اپنے محبوب سے کوئی شکوہ نہیں کرتا۔ اور اگر اس کو کامل معرفت نصیب ہو جائے تو اس کا مخلوق کے ساتھ قلبی تعلق نہیں رہتا۔ چنانچہ عارفین کی ایک خاص پہچان یہ ہے کہ ان کو مخلوق سے قلبی انقطاع حاصل ہو جاتا ہے۔

اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ

[ان کا اس دھوکے کے گھر سے دل کٹ جاتا ہے]

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا، حضرت! عارف کی کیا نشانی ہے؟ .....انہوں نے فرمایا کہ اس کی زندگی میں تقویٰ غالب ہوتا ہے۔ اس کے ظاہر اور باطن میں یک رنگی ہوتی ہے اور نعمتوں کی موجودگی میں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے ڈرتا ہے۔ یعنی اس کے پاس نعمتوں کی وجہ سے نافرمانی کے مواقع موجود ہوتے ہیں لیکن وہ نافرمانی نہیں کرتا۔

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَعْرِفَةُ رَاْسُ مَالِی (معرفت میرا اصل سرمایہ ہے)

یعنی اپنی پہچان آجائے اور اللہ رب العزت کی پہچان آجائے، یہی پورے دین کا اصل سرمایہ ہے۔ اس لئے ہم میں سے ہر بندے کو معرفت حاصل کرنے کی کوشش

کرنی چاہیے۔

علم ومعرفت میں ایک لطیف فرق

ایک لفظ ہے علم اور ایک لفظ ہے معرفت۔ یہ دونوں ملتے جلتے الفاظ ہیں اور عام گفتگو میں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ مگر ان دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے جس کو علماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عوام الناس کے نزدیک معرفت علم سے برتر ہوتی ہے مگر اہل علم کے نزدیک علم معرفت سے برتر ہے۔

معرفت شے کی شناخت کو کہتے ہیں اور علم کا مطلب ہے اس شے کی صفات کا پتہ چل جانا۔ مثال کے طور پر چند مشینیں پڑی ہوں اور آپ کو ان میں سے ایک مشین کے بارے میں پتہ چل جائے کہ یہ ریفریجریٹر ہے تو یہ اس کی معرفت ہوگی۔ اور اگر یہ پتہ چل جائے کہ ریفریجریٹر چلتا کیسے ہے اور اس کا سسٹم کیا ہے، تو اس کو علم کہیں گے۔ یعنی معرفت ذات کی شناخت اور علم اس کی اندرونی صفات کی شناخت کو کہتے ہیں۔ اس لئے علم معرفت سے برتر ہے۔

بعض محققین نے اس کی ایک عجیب دلیل دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں معرفت کا لفظ بہت جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔ مگر سب جگہوں پر انسانوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر.....

☆ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (المائدہ: ۸۳)

[اور جب سنتے ہیں اس کو جو اترا رسول پر تو دیکھے تو ان کی آنکھوں کو کہ ابلتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے انہوں نے پہچان لیا حق بات کو]

تو یہ انسانوں کا فعل ہے کہ ان کو حق کی پہچان ہوئی اور اس وجہ سے ان کی آنکھوں

سے آنسو آ گئے۔

☆ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ (یونس: ۴۵)

[اور جس دن وہ جمع کرے گا انہیں تو ایسا محسوس کریں گے گویا کہ نہیں رہے تھے دنیا میں مگر ایک گھڑی]

یہاں بھی معرفت کا لفظ آپس کی پہچان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

☆ ایک اور مقام پر فرمایا:

وَ جَاءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ (یوسف: ۵۸)

[اور یوسف کے بھائی آئے پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو اس نے پہچان لیا، ان کو]

اب یہاں بھی معرفت کا لفظ انسانوں کی ایک دوسرے سے پہچان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

☆ پھر ایک اور جگہ پر اللہ رب العزت نے یوں ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرۃ: ۱۴۶)

[جن کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو]

ان تمام مقامات پر معرفت کا لفظ استعمال ہوا، یہاں فعل کا فاعل انسان ٹھہرا۔

علم کا لفظ بھی قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن وہاں علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر.....

☆ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ھود: ۱۴)

[پس جان لو کہ بے شک (قرآن) اللہ کے علم سے نازل ہوا]

یہاں علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو رہی ہے۔

☆ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ (النساء: ۱۶۶)

[(اللہ نے) اسے نازل کیا اپنے علم سے]

پتہ چلا کہ اصل علم تو اللہ کے پاس ہے.....

وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٍ ○ (یوسف: ۷۶)

.....وہ علیم ہے، سب علم والوں سے اوپر علم والا.....

☆ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا:

قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۴)

[کہہ دیجئے اے رب میرے علم میں اضافہ فرما]

یہاں علم کی نسبت رب العالمین کی طرف ہے اور وہاں معرفت کی نسبت انسان کی طرف ہے۔ اس لئے محققین نے یہ لکھا ہے کہ اس نسبت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے علم کو معرفت سے بلند رتبہ اور درجہ عطا فرمایا ہے۔

معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے

ایک نکتہ یاد رکھیں کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اس بندے کو خشیت نصیب ہو جاتی ہے۔ ایک مثال پر غور کریں کہ ایک شیر بیٹھا ہوا ہے، وہ دیکھ بھی نہیں رہا، آواز بھی نہیں نکال رہا، حملہ بھی نہیں کر رہا، لیکن صرف اتنا پتہ چل جائے کہ یہ شیر ہے تو بندے پر ایک خوف سا طاری ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ شیر کی حقیقت کو سمجھتا ہے کہ اگر اس نے میری طرف توجہ کی تو یہ میرا اتنا نقصان کر دے گا کہ میری زندگی چلی جائے گی۔ اس لئے شیر کو دیکھ کر اس کا دل ڈر رہا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا

کہ جب کسی چیز کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے تو انسان کے دل میں خوف سا آ جاتا ہے۔ اسی طرح جس کو اللہ رب العزت کی معرفت نصیب ہوتی ہے وہ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت، کبریائی اور اس کی شانِ بے نیازی کو سمجھتا ہے تو بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت آ جاتی ہے اور وہ ڈر جاتا ہے۔ اسی لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَنَا اَعْرِفُکُمْ بِاللّٰہِ وَ اَشَدُّ کُمْ لَہٗ خَشْیَہ

[میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ کی معرفت پانے والا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں]

اس حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ آ جاتی ہے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت بھی زیادہ آ جاتی ہے۔ یہی وہ خشیت ہے جو انسان کو گناہوں سے بچا دیتی ہے اور نیکی کے راستے پر لگا دیتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک دلپذیر ملفوظ

اگر ہمیں یہ احساس ہو جائے کہ اللہ رب العزت کتنے عظیم پروردگار ہیں، وہ اپنے بندوں پر کتنے مہربان ہیں اور ہم اس کے بندے ہیں تو یقین کریں کہ ہماری پوری زندگی کی خوشی کے لئے یہی نسبت کافی ہے۔ سیدنا علیؓ ایک ایسی پیاری بات کہا کرتے تھے کہ پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ

''اے اللہ! میرے لئے یہی عزت کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے اور میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔'' سبحان اللہ!!!

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات کی معرفت عطا فرما دے اور اپنی ایسی خشیت عطا فرما دے کہ جس کی وجہ سے ہم گناہوں سے بچ کر نیکوکاری والی زندگی گزاریں۔ (آمین ثم آمین)

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین.

عقل میرے دین کی بنیاد ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

ما اتكم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا (الحشر:۷)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعَقْلُ اَصْلُ دِيْنِىْ .

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں ۔ کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ آپ کی سنت مبارکہ کیا ہے ۔ اس کے جواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند باتیں بتائیں جو بہت عجیب وغریب مضامین پر مشتمل ہیں ۔ ان میں سے ایک بات جمعہ کے بیان میں تفصیل سے بتائی جا چکی ہے کہ ''معرفت میرا اصل سرمایہ ہے'' ۔ اور دوسری بات یہ فرمائی کہ

اَلْعَقْلُ اَصْلُ دِيْنِىْ

[اور عقل میرے دین کی جڑ ہے]

یہود ونصاریٰ کا عقیدہ:

یہود ونصاریٰ نے یہ عقیدہ بنالیا کہ عقل کو دین کے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں کہ جو دین کی باتیں ہیں وہ عقل میں آ ہی نہیں سکتیں ۔ اس لئے انہوں نے دینی زندگی کو اور

اپنی ذاتی زندگی کو الگ الگ کر دیا۔ جب وہ گرجے میں جا کر اپنی عبادات کرتے ہیں۔تو وہ کہتے ہیں کہ بس جیسے ہمیں حکم ملا ہے کرتے جاؤ اور جب گھر آتے ہیں تو اس دین کا گھر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔اس لئے ان کی روزمرہ کی زندگی میں ان کے دین کا کوئی دخل نہیں ہے۔حتیٰ کہ جب وہ تثلیث کا عقیدہ پڑھاتے ہیں کہ۔ ان اللہ ثالث ثلاثہ..... تو اپنے شاگردوں کو کہتے ہیں کہ تمہیں یہ بات سمجھ نہ بھی آئے تو اس کو کڑوا گھونٹ سمجھ کر پی لو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے اور ساری انسانیت کے گناہوں کی طرف سے وہ قربانی دے کر چلے گئے۔تو نصاریٰ نے کہا کہ عقل کو دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اسلام کی تعلیم:

مگر دین اسلام نے آ کر یہ بات کھولی کہ عقل ایک نور ہے جس کے ذریعے انسان کو زندگی کے راستے پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔چنانچہ دین اسلام نے یہ سمجھایا کہ عقل کے ذریعے سے انسان دین کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔تو یہ کہنا کہ جی عقل کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں یہ تو بے وقوفی کی بات ہے۔یہ کہنا کہ جی آنکھ بند کر لو۔ نہیں ایسی بات نہیں ہے۔

تین نعمتیں:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تین نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

(۱) قلب

ایک قلب ہے۔یہ جذبات کا مقام ہے، جذبات کا مرکز ہے۔جتنے بھی جذبات ہوتے ہیں ان کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔محبت کا جذبہ.....نفرت کا جذبہ..... بہادری کا جذبہ..... بزدلی کا جذبہ..... سخاوت کا جذبہ..... یا کنجوسی کا جذبہ۔ان تمام جذبات

کا تعلق انسان کے دل کے ساتھ ہے۔

(۲) نفس

اور دوسری نعمت دی انسان کو نفس والی، یہ نفس خواہشات کا سرچشمہ ہے۔ جتنی بھی خواہشات انسان کے اندر ہوتی ہیں۔ وہ نفس سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ خواہشات اچھی بھی ہوسکتی ہیں بری بھی۔ مثلاً میں اللہ کا ولی بن جاؤں۔ یہ اچھی خواہش ہے۔ ساری دنیا مجھے پہچانے۔ ''میں'' آنے کی وجہ سے یہ اک بری خواہش ہے۔ تو خواہشات اچھی ہوں یا بری مگر ان کا تعلق انسان کے نفس کے ساتھ ہے۔

(۳) عقل

اور تیسری نعمت ہے جو انسان کو ملی وہ عقل ہے۔ عقل یہ خیالات کا مقام ہے۔ جتنے بھی خیالات انسان کے جسم میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ عقل میں پیدا ہوتے ہیں۔ عقل اس کا سرچشمہ اور بنیاد ہے۔ سوچ اچھی بھی ہوتی ہے اور سوچ بری بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ عقل کا کام ہے خیال کے تانے بانے بننا۔ ایک خیال عقل کو دے دو۔ یہ اس پر پوری عمارت کو کھڑا کر دے گا۔ بس ایک خیال ذہن میں آنے کی بات ہے۔ اور پوری کہانی بندہ خود سوچ لیا کرتا ہے۔ یہ عقل کا کرشمہ ہے۔

عقل کی حقیقت:

یہ تینوں نعمتیں ہیں مگر آج ہم جس نعمت پر بات کریں گے وہ عقل ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلُ

[اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا]

ایک روایت میں آتا ہے کہ فرشتوں نے ایک دفعہ پوچھا' اے اللہ! یہ عرش ا

بڑا ہے، اتنا وزنی ہے تو کیا اس عرش سے بھی کوئی چیز وزنی ہو سکتی ہے؟ فرمایا' ہاں عقل عرش سے بھی زیادہ وزنی ہے۔ یہ عقل اللہ تعالیٰ کی عجیب نعمت ہے۔

اس لئے دین اسلام نے آ کر کہا کہ۔

كَذَالِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ . (الروم:۲۸)

[اس طرح ہم کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اپنی نشانیاں عقل والوں کیلئے]

یہ نشانیاں ہیں آیات ہیں جن کو ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل والے ہیں اور ایک جگہ فرمایا۔

وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ (العنکبوت:۴۳)

اور اس کی عقل سمجھ وہی رکھتے ہیں جو عالم ہوتے ہیں۔ یعنی علم اور عقل یہ لازم وملزوم ہیں۔ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی لئے ایک جگہ فرمایا۔

وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (العنکبوت:۳۵)

[اور ہم نے عقل والوں کے لیے اس میں کھلی نشانیاں چھوڑ دیں]

قرآن پاک میں عقل استعمال کرنے کی دعوت:

چنانچہ دین اسلام نے بندے کو آنکھ کھولنے اور اللہ کی قدرتوں کو دیکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (ق: ۶)

[کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان پر نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اسے کیسے بنایا اور کیسے سجایا کہ اس میں کہیں شگاف تک نہیں]

دیکھو! قرآن دعوت دے رہا ہے کہ کیوں تم آنکھیں کھول کر آسمان کو نہیں دیکھتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے جو تمہیں سامنے نظر آئے گا۔

اور ایک جگہ فرمایا۔ ''اولا یرون'' وہ کیا یہ دیکھتے نہیں۔ ایک جگہ فرمایا ''الم تر'' کیا تم نے نہیں دیکھا۔

تو ان سب چیزوں سے کیا معلوم ہوا کہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ تم آنکھ کھول کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھو۔ تو شریعت نے آنکھیں بند کرنے کا حکم نہیں دیا۔ آنکھیں کھول کر اردگرد جو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ان کو دیکھنے کا حکم دیا۔ چونکہ جب صاحبِ عقل انسان ان نشانیوں کو دیکھے گا تو اس پر اللہ رب العزت کی عظمت کھل جائے گی کہ وہ کتنی عظیم ذات ہے جس نے ایسا نظام بنا دیا اور اس کائنات کو پیدا کر دیا۔

عقل کی لغوی تحقیق:

عقل کا لفظ عقال سے بنا ہے۔ عقال اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کو باندھا جاتا ہے۔ تو عقل کو عقل کہتے ہی اس لئے ہیں کہ یہ بندے کے باندھنے کی رسی ہے۔ نفس تو چاہتا ہے کہ میں ہر جگہ منہ ماروں اور ہر گناہ میں پڑ جاؤں لیکن عقل رسی کی طرح اس بندے کو باندھ کے رکھتی ہے کہ یہ تیرے لئے جائز ہے اور یہ تیرے لئے جائز نہیں۔ اس لئے عقلِ سلیم علم حاصل ہونے کا منبع ہے۔ جس طرح درخت کے لئے پھل ہوتا ہے اسی طرح انسان کے لئے عقل ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے۔ کہ ہر چیز کا تکیہ ہوتا ہے اور انسان کا تکیہ اس کی عقل ہے۔ تو عقل وہ نعمت ہے جس کے ذریعے سے انسان زندگی گزارنے والے راستے کی پہچان رکھتا ہے۔ اور اپنے اللہ کے قریب سے قریب تر ہو سکتا ہے۔

عقلمندوں کی حاضر جوابی کے حیرت انگیز واقعات

جو عقل مند آدمی ہوتا ہے اس کی سوچ وہاں پہنچتی ہے جہاں عام بندے کی نہیں پہنچتی۔ عقل مند آدمی کی بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس بندے کی بات میں کتنی گہرائی ہے۔

☆.....حضرت علیؓ کے پاس ایک آدمی آیا۔ کہنے لگا

حضرت! ما ذا النکاح؟ یہ نکاح کیا چیز ہے؟۔

تو حضرت نے فرمایا کہ سرور شهر [ایک مہینے کی مزے کی زندگی]

اس نے کہا۔ ثم ماذا [پھر کیا؟]

فرمایا لزوم مهر [مہر لازم ہو جاتا ہے]

اس نے کہا۔ ثم ما ذا؟ [پھر کیا؟]

فرمایا هموم دهر [ساری عمر کے غم]

اس نے کہا ثم ماذا؟ [پھر کیا؟]

فرمایا کسور ظهر [کمر دوہری ہو جاتی ہے]

اس نے کہا ثم ماذا؟ [پھر کیا؟]

فرمایا دخول قبر [انسان قبر میں چلا جاتا ہے]

☆.....ذہین اور عقل مند آدمی عام گفتگو میں بھی ایسی باتیں کر جاتا ہے کہ دوسرا حیران ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر گزرا ہے ''انوری''۔ اس کو بادشاہِ وقت نے کسی بات پر خوش ہو کر گھوڑا دیا۔ وہ گھوڑا گھر لے آیا اور اللہ کی شان کہ گھوڑا رات کو مر گیا۔ اب اگلے دن انوری جب بادشاہ کے دربار میں گیا تو بادشاہ نے پوچھا کہ بھئی گھوڑے کا حال سناؤ۔ کہ اب اگر یہ ویسے ہی کہہ دیتا کہ گھوڑا مر گیا تو ممکن ہے بادشاہ کو بات بری لگتی اور

غصہ آتا کہ تم نے اس کا خیال نہیں رکھا تو انوری نے شعر میں یوں جواب دیا۔

؎ شاہ اسپ با انوری بخشید
بادِ سرسر بگردِ او نہ رسید

کہ بادشاہ نے انوری کو ایسا گھوڑا دیا کہ تیز ہوا بھی اس کے گرد کو نہیں پہنچتی۔

؎ ایں چنیں بود تیز در رفتار
در شباشب با آخرت برسید

وہ گھوڑا رفتار میں اتنا تیز نکلا کہ ایک ہی رات میں آخرت میں پہنچ گیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اس کو دوسرا گھوڑا انعام میں دے دیا۔ تو عقل مند آدمی جو ہوتا ہے اس کی بات سے ہی اس کی ذہانت کا پتہ چل جاتا ہے۔

☆.....عربی پڑھنے والے طلباء ماشاء اللہ بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ آج کل ایک عام تاثر بن گیا ہے کہ جی عربی پڑھنے والے طلباء تو وہ ہوتے ہیں کہ جو اور کچھ کر نہیں سکتے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ یہ تعصب بہت پہلے کا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ اپنے مدرسے میں تھے۔ دہلی میں جامعہ امینیہ مدرسہ تھا' یہ وہاں پر تھے، ایک انگریز مدرسے میں آیا۔ وہ آکر حضرت سے کہنے لگا۔ آپ مدرسے میں بچوں کو کیا پڑھاتے ہیں؟ اور آپ کے بچے کیا بن کے نکلتے ہیں؟ آپ ان کو انگریزی پڑھائیں، سائنس پڑھائیں تاکہ ان کی عقل کھلے، ذہن کھلے۔ دیکھو! ہم اپنے بچے کو انگریزی پڑھاتے ہیں اسی لیے تو میرے بچے کی عقل بہت تیز ہے۔ جب اس نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا کہ میرے بیٹے کی عقل بہت تیز ہے۔ حضرت نے اس انگریز کے بیٹے کو بلایا۔ قریب وضو کرنے کا تالاب تھا۔ حضرت نے اس بچے سے پوچھا، اچھا بھئی بتاؤ کہ اس تالاب کے اندر کتنے پیالے پانی ہے۔ اب وہ انگریز کا بچہ حضرت کا منہ دیکھنے لگ گیا۔ وہ کیا بتائے کہ تالاب میں کتنے پیالے پانی ہے؟ پھر حضرت نے اپنے ایک طالب علم کو بلالیا اور اس سے

پوچھا کہ بتاؤ اس تالاب میں کتنے پیالے پانی ہے؟ اس نے کہا حضرت! اگر تو پیالہ اتنا ہو جتنا یہ تالاب ہے تو ایک پیالہ پانی ہوگا اور اس سے آدھا ہو تو دو پیالے پانی۔

☆.....اک انگریز دہریہ تھا اور ایک آنکھ سے کانا تھا۔ ایک مرتبہ کسی عالم سے ملا اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر بحث کرنے لگ گیا۔ کہنے لگا اللہ تعالیٰ موجود نہیں۔ وہ عالم کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ تو کہنے لگا' نہیں نہیں مجھے تو میرے والدین نے پیدا کیا۔ تو جب انگریز نے کہا کہ مجھے تو میرے والدین نے پیدا کیا۔ تو وہ عالم ہنس پڑے۔ یہ پوچھتا ہے کہ آپ ہنسے کیوں ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ اب مجھے بات سمجھ میں آئی کہ میرے اللہ نے تجھے کانا کیوں پیدا کیا؟ اس نے کہا کیوں؟ کہنے لگے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سوچا کہ ایک آنکھ میں نے بنائی دوسری آنکھ اپنے ماں باپ سے بنوا لے پھر بات چیت میں بھی سوال کا ایسا جواب دیتے ہیں کہ دوسرے کو لاجواب کر دیتے ہیں۔

☆.....اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک انگریز آیا اور آکر مدرسے کے استاد سے کہنے لگا یہ عربی پڑھنے والے یہ سارے طلباء سر کیوں منڈواتے ہیں؟ وہ بھی سمجھ دار تھے، کہنے لگے، اچھا یہ بتائیں' یہ انگریزی پڑھنے والے سارے کے سارے داڑھی کیوں منڈواتے ہیں؟ اب اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

☆.....ایک مسلمان عالم تھے مگر نابینا تھے۔ انگریز ان سے سوالات پوچھنے آیا۔ اب وہ ہر سوال میں یہ کہتے کہ بھئی اس میں بھی حکمت ہے.....اس میں بھی حکمت ہے.....اس میں بھی حکمت ہے۔ تو انگریز کو بڑا غصہ آیا، اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ! تم جو اندھے ہو تو تمہارے اندھا پیدا ہونے میں کیا حکمت ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ میرے اندھے پیدا ہونے میں یہ حکمت ہے کہ تیرے جیسے بندے کی شکل نہ دیکھ سکوں۔

☆.....ایک مشہور واقعہ ہے کہ پہلے زمانے میں جب یہاں انگریزوں کی حکومت ہوا

کرتی تھی تو ہمارا ایک دیسی بندہ کسی انگریز کا نوکر تھا۔ ایک دفعہ کسی بات پر صاحب غصے میں آ گیا اور غصے ہو کر کہنے لگا کہ جاؤ جہنم میں۔ وہ بے چارہ نوکر تھا وہ باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر واپس آ گیا۔ آنا ہی تھا۔ انگریز نے پھر ناراضگی سے پوچھا ''تجھے میں نے کیا کہا تھا''۔ اس نے کہا جی آپ نے کہا تھا کہ ''جاؤ جہنم میں''۔ تو پھر گئے کیوں نہیں؟ کہنے لگا' جی میں باہر تو نکلا تھا جانے کیلئے لیکن وہاں سب انگریزوں نے قبضہ کیا ہوا ہے، مجھے تو کوئی جانے ہی نہیں دیتا۔

☆.....سلطان عبدالحمید ترکی کے بادشاہ گزرے ہیں۔ بہت نیک آدمی تھے۔ اللہ کی شان کہ ترکی چاروں طرف سے یورپ میں گھرا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ جرمنی کا بادشاہ اس سے ناراض ہوا تو ناراضگی میں اس نے خط لکھا، اس نے کہا کہ تم ہمارے درمیان اس طرح گھرے ہوئے ہو جس طرح دانتوں کی مضبوط دیوار کے اندر زبان گھری ہوتی ہے۔ یعنی اس کو دھمکی دی۔ تو سلطان حمید نے جواب بھجوایا کہ جناب دانت ہمیشہ گر جایا کرتے ہیں زبان کو کچھ نہیں ہوا کرتا۔ بندہ غور کرے تو ہوتا تو ایسے ہی ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ زبان کو کچھ نہیں ہوتا اور دانت تو پھر ٹوٹ ہی جاتے ہیں۔

☆.....ایک عالم تھے۔ ان کو ایک انگریز کہنے لگا۔ آؤ ہم تم متفقہ باتوں پر غور کر لیں۔ اس نے کہا' کیا۔ کہنے لگا کہ میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہوں تم بھی عیسیٰ علیہ السلام کو مان لو۔ عیسائی بن جاؤ بس ہم تم متفق ہو جائیں گے۔ اب یہ بات اس نے کتنی عجیب کی لیکن وہ طالب علم ذرا سمجھ دار تھا۔ کہنے لگا کہ متفق اس کو نہیں کہتے کہ تم عیسائی ہو اور میں بھی تمہارے ساتھ ہو جاؤں تو ہم دو متفق ہوئے۔ تو دو کی جگہ تین متفق کیوں نہ ہوں؟ اس نے کہا تین کیسے؟ اس نے کہا دیکھو!! میں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں۔ تمہارے نبی علیہ السلام نے بھی ان کو مانا ''من بعد اسمه احمد'' اب تم بھی اگر مسلمان ہو جاؤ۔ تو ہم تینوں ایک بات پر متفق ہو جائیں گے۔ تو دو کی بجائے تین متفق ہو جائیں گے۔

☆.....ایک انگریزی دان نے کسی عربی طالب علم سے پوچھا کہ بتاؤ عرش پر ستارے کتنے ہیں؟ تو طالب علم نے کہا کہ مجھے تو نہیں پتہ۔ کہنے لگا کیا خاک پڑھتے ہو، تمہیں عرش کے ستاروں کا نہیں پتہ۔ اس نے کہا کہ جی اچھا آپ بتائیں کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں، کہتا ہے مجھے بھی نہیں پتہ۔ اس نے کہا کہ تمہیں فرش کا پتہ نہیں تم عرش کی باتیں کرتے ہو۔ اس عقل کو استعمال کرنے سے انسان اپنے علم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

طالبعلمانہ نکات:

اس لئے جو طالب علم عقل مند ہوگا وہ اپنے سبق کو اچھی طرح یاد کرے گا۔ اس کا سبق اسے بھولے گا نہیں۔ ایک دفعہ وہ دہرائے گا تکرار کرلے گا۔ جیسے النقش کالحجر ہوتا ہے اسی طرح اس کے دماغ پر وہ بات نقش ہو جائے گی۔

☆.....ایک چھوٹی سی بات بتاتا ہوں کہ تفسیر ہے جلالین شریف۔ دو بزرگوں نے اسے لکھا۔ ایک جلال الدین سیوطیؒ اور ایک جلال الدین محلیؒ ایک نے بھی پندرہ پارے لکھے اور دوسرے نے بھی پندرہ پارے۔ تو طلباء اکثر بھول جاتے ہیں کہ محلی نے کون سے لکھے اور سیوطی نے کون سے لکھے۔ اب اس کو یاد رکھنا مشکل کام نظر آتا ہے، بھول ہو جاتی ہے۔ اس کا ایک آسان سا نکتہ بتاتا ہوں۔ سیوطی کی سین اور محلی کی میم۔ حروف ابجد کے اعتبار سے سین اور میم میں سے سین پہلے آتی ہے میم بعد میں آتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سیوطی نے پہلے پندرہ پارے لکھے اور محلی نے بعد والے، یعنی سورۃ کہف سے لیکر آخر تک لکھے۔ اسی کو تو عقل کہتے ہیں کہ ایک نکتہ ایسا نکال لیا کہ اس کے بعد آپ کو پوری زندگی یہ بات بھول نہیں سکتی۔

☆.....چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام جب معراج پر تشریف لے گئے تو ہر آسمان پر کسی نہ کسی نبی علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ اب سات آسمانوں پر کن

کن سے ملاقات ہوئی یہ سات نام یاد رکھنے بہت مشکل ہیں۔ جب بھی یاد کریں بھول جاتے ہیں۔ کیسے یاد کریں؟ اب ایک نکتہ سن لیجئے کہ ان تمام انبیاء کے جو نام ہیں۔ ان کا پہلا پہلا حرف لے کر ایک لفظ بنالیا۔ ''اعیاھما''۔ اب اس لفظ کو ذہن میں رکھ لیں ''اعیاھما''۔ تو پہلے 'ا' سے آدم علیہ السلام۔ پھر 'ع' سے عیسیٰ علیہ السلام۔ پھر 'ی' سے یحییٰ علیہ السلام۔ پھر 'ا' سے ادریس علیہ السلام پھر 'ہ' سے ہارون علیہ السلام۔ پھر میم سے موسیٰ علیہ السلام اور آخری الف سے ابراہیم علیہ السلام۔ اب ایک لفظ سے آپ کو سات نام ایک مرتبہ یاد ہو گئے۔ یہ عقل ہوتی ہے۔ تو جو اچھے طالب علم ہوتے ہیں وہ اپنے اسباق کے جو نکات ہوتے ہیں ان کے ایسے لفظ بنا لیتے ہیں، اشارے بنا لیتے ہیں کہ پورے کا پورا سبق ایک دو لفظوں میں سمٹ کر آجاتا ہے۔

سعداللہ خاں کی ذہانت:

شاہجہاں کے بیٹوں کو پڑھانے کے لئے ایک استاد آتا تھا۔ اس کا نام سعداللہ خان تھا اور وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، بچوں کو اچھا پڑھاتا تھا، بچے بڑے خوش ہوتے تھے۔ چنانچہ بچوں نے اپنے والد کے سامنے اس کا تذکرہ کیا کہ ہمارا جو ٹیوشن پڑھانے والا ہے وہ بڑا ذہین اور اچھا ہے۔ بادشاہ نے اس کا امتحان لینے کے لئے اس کو لائبریری کا انچارج بنا دیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب جا کر دیکھا تو لائبریری بہت صاف ہے۔ ہر کتاب کے اوپر ریشمی غلاف چڑھا ہوا ہے اور بہت ہی عجیب منظر ہے۔ اس نے کہا کہ سعداللہ یہ تم نے کیسے کیا۔ کوئی خرچہ بھی نہیں مانگا اور کتابیں بھی محفوظ ہو گئیں۔ اس نے کہا جناب! آپ کو جو لوگ درخواستیں پیش کرتے ہیں۔ وہ ریشمی غلافوں میں لپیٹ لپیٹ کر پیش کرتے ہیں۔ یہاں ان غلافوں کو کباڑ میں پھینک دیا جاتا تھا۔ میں نے ان غلافوں کو لائبریری کیلئے منگوالیا اور ان کو کتابوں کا غلاف بنا دیا۔ جس سے لائبریری کی ساری کی ساری کتابیں محفوظ ہو گئیں۔

اس نے کہا یہ تو بڑا سمجھ دار ہے چلو اس کو مرغی خانے کا انچارج بنا کر دیکھتے ہیں۔ اس نے سعد اللہ خان کو مرغی خانے کا انچارج بنا دیا۔ کچھ عرصے کے بعد دیکھا تو مرغیاں بہت موٹی تازی اور خرچہ بھی کوئی نہیں۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا کہ خرچہ بھی کوئی نہیں اور مرغیاں بھی موٹی تازی ہیں۔ پوچھا' سعد اللہ خان! یہ کیا کیا؟ اس سے پوچھا اس نے کہا بادشاہ سلامت! آپ کے دسترخوان پر اتنے مہمان آتے تھے کہ ان کے بچے ہوئے کھانے کو لوگ نالی میں بہا دیا کرتے تھے، میں نے صرف ان کو اتنا کہا کہ دسترخوان سے جو چیز بچے ضائع کرنے کی بجائے محفوظ کر لی جائے۔ وہ ساری کی ساری خوراک اتنی تھی کہ آپ کے مرغی خانے کی ساری مرغیاں ہی اس پر پلتی رہیں۔ بادشاہ اس کی سمجھداری پر بڑا حیران ہوا۔

اللہ کی شان کہ ایک دن شاہجہاں کو بادشاہ ایران کا خط ملا۔ بادشاہ ایران نے لکھا تھا کہ تم اپنا نام بدلو، تم شاہ ہند ہو تم اپنے آپ کو شاہ جہاں کیوں لکھتے ہو، شاہ جہاں کا تو مطلب ہے کہ تم ہمارے ملک کے بھی بادشاہ ہو۔ اگر تم نے نام نہ بدلا تو میں تمہارے ملک پہ چڑھائی کر دوں گا۔ اب شاہجہاں بڑا پریشان کہ کروں تو کیا کروں کیونکہ ایران اس وقت ایک طاقتور ملک تھا۔ اس کے ذہن میں سعد اللہ کا خیال آیا کہ میں اس سے بات کرتا ہوں شاید اس کے ذہن میں کوئی حل آ جائے۔ چنانچہ سعد اللہ کو بلا کر کہا کہ دیکھو بھئی یہ ایک مصیبت آ پڑی ہے۔ سعد اللہ نے اس کا فارسی میں جواب لکھوا دیا۔ جب ایران کے بادشاہ کو جواب ملا تو وہ مطمئن ہو گیا۔ شاہجہاں کو بڑی حیرانی ہوئی کہ بھئی اس نے جواب میں لکھا کیا ہے۔ اس نے سعد اللہ کو بلا کر پوچھا کہ سعد اللہ تم نے جواب میں کیا لکھا۔ اس نے کہا' جناب میں نے جواب میں صرف اتنا لکھا تھا کہ میرا نام شاہ جہاں ہے۔ اور جہاں کے اور ہند کے اگر اعداد نکالے جائیں تو ہر ایک کا مجموعہ 59 بنتا ہے۔ تو چونکہ میں شاہ ہند ہوں اور جتنے عدد ہند کے ہیں اتنے

جہاں کے ہیں تو میں نے برابر عدد والے لفظ کو استعمال کر لیا ہے۔ اس لئے آپ کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بادشاہ کو یہ بات سمجھ آ گئی اور لڑائی کا خطرہ ٹل گیا۔

سعد اللہ کی عقل مندی کو دیکھ کر بادشاہ نے اسے اپنا وزیر بنا لیا۔ چنانچہ شاہ جہاں کے دور میں سعد اللہ خان بہت عزت والا وزیر گزرا ہے۔ عقل سمجھ نے اس کو ایک چھوٹی سی جلہ سے اٹھا کر اتنی بڑی کرسی کے اوپر بٹھا دیا۔ تو آج آپ لوگ بھی اگر اسی طرح اپنی سمجھ سے کام لیں۔ اللہ رب العزت آپ کو بھی زندگی میں بلندیاں عطا فرما سکتا ہے۔ اسی لئے جو سمجھ دار آدمی ہوتا ہے ناں وہ بات کو بہت جلدی ادھر سے ادھر کر لیتا ہے۔

حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی نکتہ آفرینی:

ایک مرتبہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجمع میں تقریر کر رہے تھے۔ مجمع میں مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی تھے۔ انہوں نے ایک معمولی سا سوال، کوئی دو چار کی ضرب تھی، وہ مجمع سے کیا۔ ان کا خیال تھا کہ بتا دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے ایک مسلمان کو کھڑا کر کے پوچھا کہ تم جواب دو، وہ جواب نہ دے سکا۔ ایک ہندو سے پوچھا تو ہندو نے جواب دے دیا۔ اب بات تو الٹ ہو گئی تھی کہ ہندو نے جواب دے دیا اور مسلمان نے نہ دیا مگر حضرت شاہ صاحب بھی عقلمند تھے انہوں نے فوراً بات کو پلٹا کہنے لگے۔

''او مسلیو! تسی اتھے وی بے حساب تے اگے وی بے حساب''

یعنی آپ یہاں بھی بغیر حساب کے چلتے ہیں اور آخرت میں بھی بلا حساب کتاب جنت میں جائیں گے۔ اب دیکھیں انہوں نے کس طرح اپنی عقل کا استعمال کیا اور بات کو مسلمانوں کے حق میں بدل دیا۔ تو میں یہ چھوٹی چھوٹی مثالیں طلباء کو اس لئے دے رہا ہوں کہ یہ سمجھیں کہ جو سمجھ دار بندہ ہوتا ہے۔ اس کی عقل اس کو زندگی کے ہر ہر قدم پر کام آتی ہے۔ اس لئے یہ نعمت اللہ رب العزت جس کو عطا فرما دے۔ وہ اللہ

تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

حواسِ خمسہ کی حدود:

اب تک تو جو کچھ کہا وہ طلباء کا ذہن کھولنے کے لئے اور ان کو متوجہ کرنے کے لئے تھا۔ اب سمجھیے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے حواس دیئے ہیں۔ ان حواس سے وہ کائنات کی حقیقتوں کو ڈھونڈتا ہے۔ جیسے انسان کا دیکھنا، انسان کا سونگھنا، سننا، چھونا یہ تمام حواس حواس خمسہ کہلاتے ہیں۔ ان حواسِ خمسہ کے ذریعے سے انسان ظاہری کائنات کی حقیقتوں کو سمجھتا ہے، مگر اس کی بھی ایک حد ہے۔

عقل کا دائرۂ کار:

جہاں ان حواس کی حد ختم ہو جاتی ہے وہاں سے انسان کی عقل کی پرواز شروع ہو جاتی ہے۔ تو وہ حواس جن چیزوں کی حقیقتوں کو پہچان سکتے ہیں اور وہاں ان کی حد مکمل ہو جاتی ہے، اس سے اوپر اب عقل کی پرواز شروع ہو جاتی ہے۔ انسان اپنی عقل کے ذریعے سے ان حقیقتوں کو پالیتا ہے جو ظاہری حواس کے ذریعے سے نہیں پا سکتا۔

آئن سٹائن نے نظریہء اضافت کیسے ایجاد کیا:

مثال کے طور پر ایک سائنس دان گزرا ہے۔ اس کا نام آئن سٹائن تھا۔ سائنس کی دنیا میں اس سائنس دان کی لوگ اس طرح عزت کرتے ہیں جس طرح کہ دین کی دنیا میں لوگ پیغمبروں کی عزت کرتے ہیں۔ اس نے ایک نیا نظریہ پیش کر دیا۔ اس کو کہتے ہیں۔ ''نظریہء اضافت'' (Theory Of Relativity) اس تھیوری میں اس نے عجیب وغریب باتیں ثابت کیں۔ مثلاً

اس نے ثابت کر دیا کہ وقت تبدیل ہو سکتا ہے (Time Dialation)

اس نے ثابت کیا کہ ایک حال.....ایک ماضی.....ایک مستقبل ہے۔

اس نے Length constraction کو ثابت کیا یعنی فاصلہ سکڑ سکتا ہے۔

اس نے ثابت کیا کہ مادے کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

اس نے ایک فارمولا ایجاد کیا اور وہ فارمولا آج پوری دنیا کی سائنسی ریسرچ کی بنیاد بنا ہوا ہے۔

اس نے یہ نظریہ اضافت کیسے پیش کیا جو طالب علم سائنس پڑھتے ہیں۔ ایف ایس سی یا بی ایس سی میں۔ وہ اس کو پڑھتے ہیں۔ اس کی ابتداء اس نے کی کہ فرض کیجئے ایک (Frame of Referance) نظام A ہے اور دوسرا (Frame of Referance) نظام B ہے۔ اب دیکھو کہ یہاں نہ نظر کی ضرورت، نہ سونگھنے کی ضرورت، نہ سننے کی ضرورت صرف سوچ سے کام شروع ہوا اور سوچتے سوچتے وہ ایک فارمولے تک پہنچ گیا۔ اور اس فارمولے کے ذریعے آج دنیا کے اندر پتہ نہیں کیا کیا ایجادات کی جا رہی ہیں۔ تو عقل نے ایک فرضی سوچ کے ذریعے ایک حقیقت کو ڈھونڈ نکالا۔ تو آپ یہ سمجھیے کہ یہ جو حواس خمسہ ہیں ان کا بھی ایک دائرہ کار ہے۔ جہاں یہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے عقل کا دائرہ کار شروع ہو جاتا ہے۔

عقل کی حد:

مگر عقل کی بھی ایک حد ہے ایک مقام ہے۔ مثال کے طور پر میں آپ لوگوں سے اگر ایک سوال پوچھوں کہ آپ اپنے ذہن میں مجھے سوچ کر بتائیں کہ کائنات کی انتہا کہاں ہے۔ تو آپ اپنی سوچ لڑائیں گے کہ اتنا بڑا آسمان ہے تو آپ کی سوچ میں آئے گا کہ اس کے آگے بھی کوئی خلاء ہوگا۔ لیکن آپ کے دماغ کے اندر کائنات کی حد نہیں آئے گی۔ جب دماغ اتنا چھوٹا ہے کہ کائنات کی حدیں دماغ میں نہیں آسکتیں تو کائنات بنانے والے کی ذات اس دماغ میں کیسے آئے گی۔ تو معلوم ہوا کہ دماغ کی بھی ایک حد ہے۔ بعض جگہوں پر یہ بھی دھوکا دے جاتا ہے۔

جیسے بندے کی نظر دھوکا دے دیتی ہے۔ آپ گاڑی چلا رہے ہوں تو گرمی کے موسم میں آپ کو سڑک پر پانی نظر آئے گا۔ اس کو سراب کہتے ہیں۔ انگلش میں اس کو دھوکا (Illusion) کہتے ہیں۔ تو آنکھ کو دھوکا لگتا ہے، نظر ایک چیز دیکھتی ہے مگر وہ حقیقتاً موجود نہیں ہوتی، یہ سراب ہے۔ اسی طرح انسان کی عقل بھی اس کو دھوکا دے جاتی ہے۔

عقل کے پردے:

بعض اوقات عقل پر پردے بھی پڑ جاتے ہیں۔ عقل کے دو بڑے پردے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لیتے ہیں۔

(۱) شہوت (۲) غضب

یہ عقل کے دو پردے ہیں۔ یہ عقل کو بالکل ڈھانپ کے رکھ دیتے ہیں۔

انسان کو جب غصہ آتا ہے تو عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ جب غصہ آتا ہے تو پھر وہ سوچتا نہیں ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا بول رہا ہوں۔ آج عدالتیں اور تھانے کچہریاں اسی وجہ سے آباد ہیں۔

اسی طرح جب شہوت غالب آتی ہے تو عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ شہوت کے پردے عقل کو ڈھانپ لیں تو پھر انسان کی عقل اس کو الٹا راستہ دکھاتی ہے۔ چنانچہ آج جنہوں نے عقل کو امام بنایا ہوا ہے وہ کتنی ہی باتوں میں الٹے راستے پہ چل رہے ہیں۔ ایک ملک ہے۔ اس کے اندر تالیوں کے ساتھ بل پاس کیا گیا کہ جی مرد مرد کے ساتھ شادی کر سکتا ہے۔ اب ایک خلاف فطرت عمل ہے لیکن ان کی عقل نے ان کو اتنا دھوکا دیا کہ انہوں نے یہ قانون خوش ہو کر پاس کیا۔

دنیا میں ایک فرقہ گزرا ہے جسے قرامطیہ فرقہ کہتے ہیں۔ اس کا جو بانی تھا اس کا نام تو تھا عبدالرحمن مگر حقیقت میں وہ تھا شیطان۔ اس نے اپنے لوگوں کو یہ عقیدہ دیا

کہ بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔اس نے دلیل یہ دی کہ انسان کی طبیعت کو جتنا اس کی بہن سمجھ سکتی ہے اتنا کوئی دوسری عورت سمجھ نہیں سکتی۔اس لئے شادی کرنے کے لئے بہن زیادہ موزوں ہے۔اب اس کو عقل نے دھوکہ دیا۔ایک طرف تو اس کو سب سے اچھی بہن نظر آئی کہ طبیعت کو جانتی ہے مگر دوسری طرف حیا کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔اگر ماں اور بہن کے رشتے میں بھی شہوت غالب آ گئی تو دنیا سے حیا تو پھر رخصت ہوگئی۔تو یہ عقل کئی مرتبہ بندے کو دھوکہ بھی دیتی ہے۔

عقلِ سلیم:

ایک ہوتی ہے عقلِ سلیم،سلامت فہم رکھنے والی عقل۔یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ یہ جو عام لوگ جن کے اوپر شہوات غالب ہوتی ہیں،حرص غالب ہوتی ہے،کینہ،حسد، بغض،پتہ نہیں کیا کیا اندر ہوتا ہے،ان کی عقل سلیم نہیں ہوتی ہے،ان کی عقل ان کو الٹی باتیں سکھاتی ہے۔تو یہ نہ سمجھ لیں کہ عقل ایک نعمت ہے لہٰذا جو عقل کہے گی اسی پہ چلیں گے۔نہیں،ہم عقل کے بندے نہیں ہم خدا کے بندے ہیں۔عمل شریعت کے حکموں پر کرنا ہے،سمجھ میں آئیں تو بھی اور سمجھ میں نہ آئیں تو بھی۔مگر یہ عجیب بات ہے کہ شریعت کے ہر حکم میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے،کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوتی ہے۔تو یہ عقل اللہ رب العزت کی دی ہوئی ایک نعمت ہے جس کے ذریعے سے انسان علم حاصل کرسکتا ہے۔اور اپنی زندگی کو اللہ رب العزت کی رضا کے مطابق استعمال کر سکتا ہے۔

عقل کی دو قسمیں:

اب عقل کی دو قسمیں ہیں

ایک کو کہتے ہیں عقلِ معاش اور دوسری کو کہتے ہیں عقلِ معاد۔

(۱) عقل معاش

عقل معاش وہ عقل ہوتی ہے جو ہر چیز میں دنیا کے فائدے ڈھونڈ لیتی ہے۔ ہر بات میں دنیا کا فائدہ نکال لیتی ہے۔ یہ عقل معاش کہلاتی ہے۔

ایک صاحب تھے وہ چینی کا بزنس کرتے تھے اور جتنے میں چینی خریدتے تھے اتنے میں ہی بیچ دیا کرتے تھے۔ وہ روز کا لاکھ روپیہ کماتے تھے۔ لوگ بڑے حیران ہوتے کہ یہ خدا کا بندہ اگر سو روپے من خریدتا ہے تو سو روپے من ہی بیچ دیتا ہے پھر اس کو فائدہ کہاں سے ہوتا ہے کچھ سمجھ نہیں آتی۔ چنانچہ کسی نے پوچھا کہ بھئی آپ کو فائدہ کیسے ہوتا ہے؟ اس نے کہا' جناب! بات یہ ہے کہ میں روزانہ دس ہزار بوریاں بیچتا ہوں۔ میں جب خریدتا ہوں تو بوری میں خریدتا ہوں اور جب میں بیچتا ہوں تو بوری کے بغیر بیچتا ہوں۔ چینی میں اسی قیمت پر بیچتا ہوں لیکن نفع میں مجھے خالی بوری بچ جاتی ہے۔ تو دس ہزار بوری روزانہ بچتی ہے۔ ایک بوری دس روپے کی بک جاتی ہے۔ یوں دس ہزار بوریوں کے بدلے مجھے ایک لاکھ روپے کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ ہے عقل معاش۔ عقل نے وہاں سے بھی فائدہ ڈھونڈ لیا جہاں سے عام آدمی کو فائدہ محسوس نہیں ہوتا۔

(۲) عقل معاد

ایک ہوتی ہے عقل معاد۔ یہ عقل انبیاء کے پاس ہوتی ہے۔ اللہ نے ان کو یہ عقل دی ہوتی ہے اور انبیاء کی اتباع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بھی یہ عقلِ معاد عطا فرما دیتے ہیں۔ یہ کیا ہوتی ہے؟ جن کے پاس یہ عقل ہوتی ہے وہ ہر چیز میں آخرت کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ دنیا کی بھی کوئی بات ہو تو اس میں سے بھی آخرت کا پہلو نکال لیں گے۔ اس کو عقل معاد کہتے ہیں، یہ اولیاء کو نصیب ہوتی ہے۔

چنگے سنگ ترے:

ایک بزرگ تھے وہ جا رہے تھے اچانک جذبے میں آ کر زور زور سے اللہ۔ اللہ ۔ اللہ۔ کہنے لگ گئے۔ جب ان کی طبیعت کچھ سنبھلی تو کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا؟ فرمایا' دیکھو یہ پھل بیچنے والا کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے کہا، حضرت! یہ سنگترے بیچنے والا ہے اور سنگترے بیچنے کی صدا لگا رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے لے لو سنگترے..... چنگے سنگترے..... چنگے سنگترے۔ فرمایا نہیں نہیں نہیں۔ سنو وہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت وہ سنگترے بیچ رہا ہے۔ فرمایا نہیں وہ بڑی گہری بات کر رہا ہے۔ حضرت کونسی بات کر رہا ہے۔ فرمایا وہ یوں کہہ رہا ہے۔ چنگے سنگ ترے..... چنگے سنگ ترے۔ جو چنگوں کے سنگ لگ گئے وہ تر گئے۔ جو نیکوں کے ساتھ لگ گئے وہ پار ہو گئے۔ ان کی کشتی کنارے لگ گئی۔ چنگے سنگ ترے۔ اب دیکھیں عام آدمی کو تو یہی پتہ ہے کہ پھل بیچ رہا ہے جب کہ ایک اللہ والے کی سوچ اس لفظ کو سن کے کدھر گئی؟ آخرت کی طرف گئی۔ یہ ہوتی ہے عقل معاد کہ جو دنیا کی چیزوں میں بھی بندے کو اللہ کی یاد دلاتی ہے۔ یہ اللہ والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

کھرے یا کھوٹے.....

ایک بزرگ تھے کسی دکان پر سودا لینے گئے اور جب پیسے دیے تو دکان دار نے کہا، بابا جی! یہ پیسے تو کھوٹے ہیں۔ بابا جی تو رونے لگ گئے۔ دکان دار نے کہا، آپ روئیں نہیں میں آپ کو ویسے ہی سودا دے دیتا ہوں۔ فرمایا نہیں نہیں مجھے سودے کی ضرورت نہیں۔ اتنا روئے، اتنا روئے کہ لوگ حیران۔ کسی نے کہا کہ بابا جی اتنا کیوں رو رہے ہیں، اگر آپ کو وہ سودا نہیں دیتا تو پیسے ہم ادا کر دیتے ہیں، آپ سودا لے جائیں۔ وہ کہنے لگے، بچو! میں اس لئے نہیں رو رہا کہ سودا نہیں ملے گا، میں تو اس بات

سے رو رہا ہوں کہ مجھے یہ خیال آیا کہ میرے پاس کچھ رقم تھی، میں اسے کھرا سمجھتا تھا، لیکن جب میں دکان دار کے پاس آیا تو دکان دار نے پرکھ کی اور کہا یہ سکے کھوٹے ہیں۔ پھر میں نے اپنے آپ سے کہا، او بندے! آج اپنے جن عملوں کو تم کھرا سمجھتے ہو اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے فرمادیا یہ کھوٹے ہیں تو پھر تمہارا کیا بنے گا۔ دنیا میں تو میں اور بھی پیسے لے لوں گا۔ سودا خرید لوں گا مگر آخرت میں تو اور عمل نہیں لا سکوں گا۔ مجھے تو آخرت یاد آ گئی۔ یہ عقلِ معاد کہلاتی ہے کہ دنیا کی باتوں میں سے بھی آخرت کی سوچ نکال لینا۔

ایک انوکھا ہدیہ:

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی عثمانؓ بن طلحہ کو بیت اللہ کی کنجی دی اور فرمایا کہ یہ قیامت تک تمہاری اولاد کے اندر ہی رہے گی۔ اب یہ حدیث آپ بھی سن چکے ہوں گے ہم نے بھی پڑھی۔ ہمارے اکابر میں سے ایک بزرگ تھے وہ حج پر گئے اور وہاں جا کر انہوں نے وہ جو کنجی بردار تھے ان کے ساتھ دوستی لگائی۔ مل کے قہوہ پیتے تھے اور آپس میں بیٹھ کر بات چیت کرتے تھے۔ چنانچہ خوب اچھی دوستی ہوگئی۔ جب ان کا واپسی کا وقت ہو گیا تو جدا ہونے سے پہلے کنجی بردار نے ان سے کہا کہ جی آپ جا رہے ہیں۔ میرے ذمے اگر کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔ تو انہوں نے اس وقت ایک تلوار ان کو پیش کی۔ تو وہ جو کنجی بردار تھے وہ حیران ہوئے۔ کہنے لگے، تلوار کیوں دے رہے ہیں۔ کہنے لگے، اس لئے کہ میں نے حدیث پاک میں پڑھا، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری نسل میں قیامت تک یہ کنجی رہے گی۔ لہٰذا آپ کی نسل میں جو باقی چیزیں چل رہی ہیں ان چیزوں میں کنجی کی طرح اس تلوار کو بھی شامل کر لیں۔ انہوں نے پوچھا، کیوں؟ کہنے لگے اس لئے کہ جب امام مہدی آئیں گے تو بیت اللہ کے پاس ہی آ کر وہ بیعت لیں گے تو جب وہ

بیعت لیں تو اس وقت جو آپ کا کنجی بردار ہو وہ میری طرف سے امام مہدی کو یہ تلوار ہدیہ میں پیش کر دے۔ یہ عقل معاد ہے۔ وہاں جا پہنچی جہاں عام بندے کا ذہن پہنچ ہی نہیں سکتا۔ لیکن دنیا کا فائدہ نہیں دیکھا آخرت کا فائدہ دیکھا۔

تو یہ عقل معاد ہمیں بھی چاہیے، ہم اللہ رب العزت سے مانگیں۔ یہ عقل معاد، عقل سلیم جس کو مل گئی اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت مل گئی۔

عقل سلیم ایک نعمت:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک موقع پہ فرمایا کہ قبر میں منکر نکیر سوال پوچھنے آئیں گے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے، اے اللہ کے نبی! قبر میں جب سوال پوچھے جائیں گے تو عقل سلامت رہے گی یا عقل ماؤف ہو جائے گی۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں عقل تو سلامت ہو گی۔ تو عمر رضی اللہ عنہ خوش ہو کر کہنے لگے۔ اے اللہ کی نبی! پھر گھبرانے والی کوئی بات نہیں، اللہ رب العزت پھر ہمیں سوال کا جواب عطا فرما دے گا۔ عقل سلیم ایسی نعمت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر اس دل میں صحیح بات کو ڈال دیا کرتے ہیں۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عطا فرما دے۔ اللہ رب العزت ہمیں یہ نعمت عطا فرما دے۔ ہم نے عقل کا پجاری نہیں بننا مگر عقل سے خالی بھی نہیں ہونا۔ عقل کا دشمن بھی نہیں بننا۔ عقل کا دشمن تو وہی بنے گا جو بے وقوف ہو گا۔

تو عزیز طلباء یہ ذہن میں رکھو کہ عقل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت ہے۔ ہم نے اس نعمت کو استعمال کر کے اللہ کی طرف جانے والے راستے کی پہچان کرنی ہے۔

مضمون ذرا آج کا مشکل ہو گا اور خشک بھی ہو گا مگر امید ہے کہ طلباء اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

والعقل اصل دینی [عقل میرے دین کی جڑ ہے]

بات کو ذرا سمجھئے کہ اس میں کتنی گہرائی ہے۔ توجہ فرمایئے گا۔

تکوینی اور تشریعی نظام:

دنیا میں دو طرح کے نظام ہیں۔

ایک کو تکوینی نظام کہتے ہیں اور دوسرے کو تشریعی نظام کہتے ہیں۔

ایک وہ نظام ہے جس کا تعلق مادے سے ہے۔ انسان اور انسان کے گرد جو کچھ ہے اور جو کچھ پوری کائنات کے اندر دنیا میں نظر آ رہا ہے اس سارے مادی نظام کو تکوینی نظام کہتے ہیں۔

ایک نظام وہ ہے جو اللہ رب العزت کی طرف سے اس کے انبیاء لے کر آئے۔ جو قرآن و حدیث کے ذریعے ہمیں دین ملا۔ جس سے زندگی گزارنے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک طریقہ دیا۔ اس نظام کو تشریعی نظام کہتے ہیں۔

دو طرح کے علم:

نظام چونکہ دو طرح کے ہیں اس لیے علم بھی دو طرح کے۔ چنانچہ علماء نے لکھا۔

العلم علمان علم الابدان و علم الادیان

[علم دو طرح کا ہوتا ہے علم الابدان اور علم الادیان]

(۱) علم الابدان

ایک علم علم الابدان کہلاتا ہے یعنی بدن کا علم۔ ہر مادی چیز ایک بدن ہے، ایک ہمارا بھی بدن ہے، یہ دیوار، یہ مسجد، یہ بھی بدن ہے گو کہ یہ مٹی گارے کا بنا ہے۔ یہ زمین بھی بدن ہے۔ یہ اوپر جتنا بھی مادی نظام نظر آ رہا ہے یہ سب بدن ہے اور اس کے علم کو علم الابدان کہلاتا ہے۔ گویا وہ مادی علم جس کو آج سائنس کی دنیا Explore (کھول) رہی ہے اور ریسرچ کر رہی ہے اس سارے علم کو علم الابدان کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ تکوینی نظام کا علم ہے۔

(۲) علم الادیان

اور یہ جو دین ہے، جو قرآن کے ذریعے سے ملا، جو نبی علیہ السلام کے فرمان کے ذریعے سے ملا اس کے علم کو علم الادیان یعنی دین کا علم کہتے ہیں، یہ تشریعی نظام کا علم ہے۔

تکوینی نظام اصول وکلیات پر مبنی ہے:

یہ سارا نظام جو اللہ نے بنایا وہ کچھ اصول وکلیات پر چل رہا ہے۔ یہ بغیر کسی اصول کے نہیں چل رہا بلکہ اس کی ہر ہر چیز اپنی جگہ پر کسی نہ کسی اصول وکلیے کی پابند ہے۔ مثال کے طور پر۔ اگر کشش ثقل 32.2 ہے تو آپ دنیا میں جہاں بھی چلے جائیں گے آپ کو کشش ثقل ویسی ہی ملے گی۔ تو ایک نظام اللہ کا بنا ہوا ہے۔ اسی طرح ایسا نہیں ہوسکتا کہ یہاں تو لوہا سخت ہو اور کسی اور ملک میں لوہا پلاسٹک کی طرح نرم ہو، نہیں..... لوہا اگر یہاں اس گریڈ کا ہے تو جیسے اس جگہ پر اس کی سختی (Hardness) ہے۔ وہی سختی دنیا کے ہر کونے میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ جو ظاہری نظام یا تکوینی نظام ہے اس کے اصول اور کلیات ہیں۔

علم الابدان میں جو غور وخوض کرنے والے لوگ کیا کرتے ہیں کہ وہ قوانینِ فطرت کو ڈھونڈتے ہیں۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ جب بات تھیوری تک ہوتی ہے تو وہ بدلتی رہتی ہے۔ اٹکل پچو کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن جب وہ ایک لاء بن جاتا ہے تو پھر وہ نہیں بدل سکتا۔ جہاں بھی دنیا میں چلے جاؤ۔ لاء وہی رہتا ہے۔ اس لاء کو قانونِ فطرت کہتے ہیں۔

تکوینی اصول وکلیات کا کھوج لگانے والے:

اب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ تکوینی نظام کچھ اصول اور کلیات پر مبنی ہے انہیں قوانینِ

فطرت کہتے ہیں ۔ ان قوانینِ فطرت کا جو لوگ کھوج لگاتے ہیں اور ان کا مطالعہ کرتے ہیں وہ دنیا کے سائنس دان ہیں۔ یہ سائنسدان قوانین فطرت کو ڈھونڈتے ہیں۔ پہلے یہ تھیوری پیش کرتے ہیں۔ جب تک بات تھیوری تک ہوتی ہے تو وہ بدلتی رہتی ہے، اٹکل پچو کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن جب وہ ایک لاء بن جاتا ہے تو پھر وہ نہیں بدل سکتا۔

سائنس دان جو قانون ڈھونڈتے ہیں وہ اصل میں وہ کلیات اور اصول ہیں جن کے اوپر اس کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اب اس کی میں کچھ مثالیں دیتا ہوں تاکہ آپ بات سمجھ جائیں۔

سطح آب پر فصل:

عام آدمی سمجھتا ہے کہ زمین میں بیج ڈالیں گے تو اگے گا، مٹی کے بغیر بیج اگ ہی نہیں سکتا۔ لیکن سائنس دانوں نے کیا کیا۔ سائنس دانوں نے ریسرچ کی کہ زمین کے اندر جب بیج اگتا ہے تو اس کو کس غذا اور کس درجہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے؟ انہوں نے تحقیق کر کے اس کے غذائی اجزاء کا بھی پتہ چلا لیا۔ جب ان کو پوری طرح معلوم ہو گیا کہ اس کو اتنا درجہ حرارت چاہیے، اتنی نمی چاہیے، اتنی فلاں خوراک، اتنی فلاں خوراک چاہیے۔ انہوں نے کیا کیا کہ اس کی خوراک کو پانی میں ڈال دیا اور بیج کو پانی میں رکھ دیا..... اس بیج نے پانی میں اگنا شروع کر دیا۔ چنانچہ دنیا میں میں نے ایسی جگہ بھی فصل اگتے دیکھی ہے جہاں پودے کی جڑیں صاف نظر آتی ہیں۔ پودے کو باندھا ہوا ہے لکڑی کے ساتھ، اس کی جڑوں کے قریب سے پانی گزر رہا ہے، پتھر پڑے ہوئے ہیں اور پتھروں کی نمی سے اور اس پانی کے اندر سے وہ پودا نیوٹریشن لے رہا ہے۔ پودا بہت بہترین فصل دے رہا ہے۔ اب ہم حیران ہو گئے۔ یا اللہ ہم تو سنتے تھے کہ زمین سے فصل نکل سکتی ہے زمین کے علاوہ نہیں نکلتی اور وہاں انہوں نے پتھر

رکھے ہوئے تھے۔

لکڑی کے برادے میں کھیتی:

کبھی آپ نے سنا کہ لکڑی کا جو برادہ ہوتا ہے اس میں بھی کچھ اگایا جا سکتا ہے۔ ایک جگہ ہم گئے وہاں دیکھا پلاسٹک کے لفافے میں لکڑی کا برادہ ڈالا اور برادے کے اندر پانی کے ساتھ اس کی خوراک ڈال دی اور لکڑی کے برادے کے اندر پودا اگ رہا تھا، واہ جی واہ..... کیا وجہ، کیوں وہاں اگ رہا تھا؟ اس لئے کہ سائنس دانوں نے اللہ کے بنائے ہوئے اس نظام کو سمجھا اور اصول وکلیات اور قوانین کو سمجھ کر ان قوانین کو دوسری جگہ جب انہوں نے لاگو کیا تو وہی نتائج وہاں سے بھی حاصل کر لیے۔

ہوا میں پودے:

ہم ایک جگہ گئے، وہاں ہوا میں پودے اُگے ہوئے تھے۔ ہوا میں پودے کیسے اُگے؟ ایک بہت بڑا پائپ تھا، پائپ کے اندر ہوا جاتی تھی اور ہوا کے ساتھ پانی اور نمکیات جاتے تھے اور آگے جڑیں نظر آ رہی تھی۔ جڑوں کو ہوا لگتی تھی اور ان جڑوں کے اوپر پودے اُگ رہے تھے اور ان کے اوپر پھل لگے ہوئے تھے۔

سائنسدان..... علم الابدان کے ماہر:

تو سائنس دان کیا کرتے ہیں؟ سائنس دان یہ کرتے ہیں کہ دنیا کے اندر جو قوانین فطرت عمل کر رہے ہیں ان کو ڈھونڈ نکالتے ہیں اور پھر ان کو استعمال کر کے آگے اپنی مرضی کے نئے نئے فائدے حاصل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اب کوئی کہے کہ جی ہم نے نئی چیز ڈھونڈ نکالی ہے..... نہیں۔ بھائی اصول تو فطرت کا ہی تھا اور وہ کس نے بنایا؟ اللہ نے بنایا۔ ہاں اس اصول سے ہٹ کے اگر کچھ کرو تو پھر ہم جانیں۔ مثال کے طور پہ اللہ تعالیٰ نے پانی کے ذریعے سے فصل کو پیدا کر دیا۔ قرآن

مجید میں بھی فرمایا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

[ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی]

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا تم پانی کے بغیر کسی چیز کو کاشت کر کے دکھاؤ پھر کہیں گے کہ آپ نے کوئی نیا کام کیا ہے۔ تو سائنس دان نظام کائنات کے اندر جو قوانین فطرت لاگو ہیں اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کو سائنسی ریسرچ کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سائنسدان علم الابدان کے ماہر ہوتے ہیں اور ان کی یہ سائنسی ریسرچ دراصل علم الابدان کی تحقیق ہے۔

فقہاء.....علم الادیان کے ماہر:

تشریعی نظام کے علم (علم الادیان) کے مطالعہ اور غور وخوض کرنے والوں کو عالم کہتے ہیں۔ جیسے یہ تکوینی نظام کچھ اصول وکلیات کے مطابق چل رہا ہے۔ اسی طرح تشریعی نظام کے اندر بھی اصول وکلیات ہیں۔ ان اصول وکلیات کو جو تلاش کرنے والے اور سمجھنے والے ہیں ان کو فقیہ کہتے ہیں۔

فقہ سمجھ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (النساء:۷۸)

[ان لوگوں کو کیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھتے]

حدیث کہتے ہیں بات کو اور فقہ کہتے ہیں بات کی سمجھ کو۔ تو جو بات کی سمجھ رکھتا ہو۔ وہ فقیہ ہوتا ہے۔

موجد اور مجتہد:

یہ مجتہدین وہ ہستیاں ہوتی ہیں جو اللہ کے اس دین کے علم (علم الادیان) میں

غوطہ زن ہو کر اس میں سے اصول وکلیات کو نکالتے ہیں اور ان کو یکجا کر دیتے ہیں۔ ان کو مجتہد فی الشرع کہا جاتا ہے۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہی درجہ ہے۔ انہوں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا۔ انہوں نے یہ کیا کہ شریعت کا علم جو قرآن مجید کی شکل میں اور نبی علیہ السلام کے فرمان کی شکل میں تھا انہوں نے اس کے اندر غوطہ زن ہو کر اس کے جو قوانین تھے ان کو نکالا اور ان اصول وکلیات کو انہوں نے اکٹھا کر دیا۔ ان اصول وکلیات کو مذہب کہہ دیا گیا۔

چنانچہ ظاہری دنیا میں سائنس دان نے جو کام کیا کہ قوانین فطرت کو ڈھونڈ نکالا۔ وہی کام دین میں مجتہد نے کیا۔ سائنس دان موجد کہلایا کہ اس نے نئی چیز ایجاد کر دی۔ اور جو دین کا سائنس دان (فقیہ) تھا اس نے علمِ دین کے اصول وکلیات کو نکالا تو اس کو مجتہد کہا گیا۔ جیسے اس موجد کو پتہ چل گیا کہ یہ کلیہ ہے۔ اور پھر کلیے کو استعمال کر کے اس نے جزئیات نکالنی شروع کر دی۔ اسی طرح جب اس مجتہد کو اصول کا پتہ چل گیا تو ان اصولوں کو استعمال کر کے انہوں نے اس کی جزئیات نکالنی شروع کر دی۔ تو موجد قوانین فطرت کو استعمال کر کے نئی چیزیں ایجاد کر لیتا ہے۔ اور مجتہد دین کے اصولوں کو استعمال کر کے نئے نئے مسائل کا حل نکال لیتا ہے۔

مجتہد کا دائرۂ کار:

فقیہ وہ ہوتا ہے جو اس تشریعی نظام کے اصول وکلیات کو ڈھونڈ نکالتا ہے اور پھر ان اصولوں کو لاگو کر کے نئے مسائل جو انسانوں کو پیش آتے ہیں ان کے حل نکالتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ جس طرح موجد نے اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں بنائی بلکہ قانونِ فطرت کو ہی استعمال کیا اسی طرح مجتہد بھی اپنی طرف سے کوئی مسئلہ نہیں بناتا بلکہ شریعت کے اصول کو ہی استعمال کرتا ہے۔

اس کی مثال سمجھیں۔ فرض کریں آپ کے گھر میں پمپ لگا ہوا ہے۔ تو پمپ کیا

کرتا ہے۔ زمین میں سے پانی نکالتا ہے۔ اب آپ بتائیں کہ وہ پانی بناتا ہے یا نکالتا ہے۔ تو مجتہد کیا کرتا ہے وہ اصول کو استعمال کر کے باتوں کے جواب نکالتا ہے بناتا نہیں۔ اس لئے ایک بات سامنے آئی کہ فقیہ مسائل کے حل بناتا نہیں، مسائل کے حل بتاتا ہے۔ ان الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ فقیہ مسائل کے جواب بناتا نہیں مسائل کے جواب بتاتا ہے۔ جس طرح پانی تو نیچے پہلے ہی موجود تھا۔ پمپ نے نکال کر اوپر کر دیا۔ فقیہ بھی اسی طرح کرتا ہے کہ جواب پہلے سے ہی دین میں موجود تھا، مگر عام بندہ سمجھ نہیں سکتا تھا۔ تو فقیہہ نے اصول کو سمجھ کے اس پر اپلائی کر دیا۔ اس کو قیاس کہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے مسائل کا حل نکال لیا۔ ایک نامعلوم سوال کا جواب اس نے لوگوں کو بتا دیا۔

قیاس کی حقیقت:

ایک آدمی میرے پاس آیا۔ کہنے لگا یہ قیاس کیا چیز ہوتی ہے؟ میں نے اس کو سمجھایا کہ قیاس اس کو کہتے ہیں کہ دین کے ایک اصول کو استعمال کر کے یعنی کسی کلی کو استعمال کر کے جزی کا جواب نکال لینا۔ یا جن چیزوں میں علت حکم ایک جیسی ہو تو جو حکم اس کا وہی اس پر بھی اپلائی کر دینا اس کو قیاس کہتے ہیں۔ وہ کہنے لگا، میں اسے نہیں مانتا۔ کچھ ہوتے ہیں نا..... جو کسی کو نہیں مانتے ..... کہنے لگا میں کسی کو نہیں مانتا۔ ہم نے کہا، اچھا بھئی اب چاہتے کیا ہو۔ کہنے لگا، مجھے بتائیں یہ قیاس کہاں سے آ گیا؟۔ وہ ایک دیہاتی آدمی تھا۔ میں نے کہا، مجھے بتاؤ کیسے وقت گزر رہا ہے، کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا جی میرے پاس ماشاء اللہ چھ، سات بھینسیں ہیں اچھا گزارا ہو رہا ہے۔ میں نے کہا کہ دیکھو بھئی۔ پورے قرآن پاک میں اور سارے احادیث کے ذخیرے میں کہیں بھی بھینس کا لفظ موجود نہیں ہے بھینس کو عربی میں جاموس کہتے ہیں۔ اور جاموس کا لفظ قرآن اور حدیث کے اندر کہیں نظر نہیں آتا تو

جب اس کا ذکر ہی نہیں تو تمہیں تو پتہ ہی نہیں کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ لہٰذا اپنی سات بھینسیں تو ہمیں بھجواؤ ان کا دودھ ہم پئیں گے جو اس کو جائز کہتے ہیں۔ اور تمہارے پاس تو کوئی دلیل ہی نہیں اس کے جائز ہونے کی۔ تم پی ہی نہیں سکتے۔ یا تو تم مجھے اس کے جواز کا حکم بتاؤ۔ کہنے لگا جی اگر گائے کا دودھ حلال ہے تو بھینس بھی گائے کی طرح ہے اس کا بھی حلال ہے۔ میں نے کہا اسی کو تو قیاس کہتے ہیں۔ تم نے قیاس کیا نا کہ گائے کا لفظ قرآن مجید میں موجود ہے تو گائے کا دودھ حلال ہے چونکہ بھینس اور گائے مشابہت رکھتی ہیں۔ لہٰذا اس علت حکم کی وجہ سے۔ جیسے گائے کا دودھ انسان کے لئے حلال ہے ویسے ہی بھینس کا دودھ بھی حلال ہو گیا۔ تو بات سمجھ میں آ گئی۔

مجتہد کیا کرتا ہے؟ وہ اپنی طرف سے کوئی مسئلہ نہیں بناتا بلکہ اصول وکلیات کو سمجھ کر علتِ حکم کو دیکھتے ہوئے، ایک حکم کو سامنے رکھ کر اشباہ اور نظائر کو دیکھ کر وہ وہی حکم دوسرے پر بھی لگا دیتا ہے کہ شریعت کا یہ حکم ہے اور یہ ایک نئی بات جو پیش آئی یہ اسی طرح کی بات ہے چنانچہ اس میں بھی وہی حکم لگے گا۔

تکوینی اور تشریعی نظام کا عرصہء تکمیل:

اب اس سے اگلا پوائنٹ سمجھیے۔ یہ تکوینی نظام کتنے عرصے میں بنا؟ یہ چھ دن میں بنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (السجدہ:۴)

[زمین وآسمان اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس کو چھ دن میں بنایا]

اور اللہ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ جیسا کہ فرمایا

ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (السجدہ:۴)

[پھر وہ ایک دن جس کی مقدار تمہارے حساب سے ہزار برس کے برابر ہوگی صعود کرے گا]

تو چھ دن چھ ہزار سال بن گئے۔ یوں سمجھ لیں کہ اس تکوینی نظام کے بننے میں چھ ہزار سال لگے۔

اور یہ جو تشریعی نظام بنا اس میں کتنا وقت لگا؟ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے تشریف لائے اور نبی علیہ السلام سب سے آخر میں تشریف لائے اور علماء نے کتابوں میں آدم علیہ السلام اور نبی علیہ السلام کے درمیان چھ ہزار سال کا وقفہ لکھا ہے۔ تو چھ ہزار سال میں تکوینی نظام بنا اور چھ ہزار سال میں یہ تشریعی نظام بنا۔

تکوینی اور تشریعی نظام میں تدریج

تکوینی نظام بھی درجہ بدرجہ بنا۔ یہ ایک ہی لمحے میں نہیں بن گیا۔ دو دن میں زمین و آسمان بنے اور چار دنوں میں زمین کے اندر کچھ برکتیں رکھیں فی اربعة ایام۔ چار دنوں میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھ دیں تو تکوینی نظام تدریجاً بنا۔

اور یہ تشریعی نظام بھی تدریجاً بنا۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں علم الاسماء لے کر آئے۔ جسے علم الاشیاء بھی کہتے ہیں۔

وَ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرة: ۳۱)

[اور آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے]

چنانچہ انہوں نے زمین میں آکر چیزوں کے نام رکھے۔ آج ہم چیزوں کے نام بولتے ہیں، یہ گندم ہے یہ چاول ہے آخر کسی نے تو ہماری زبان میں یہ نام رکھے ہوں گے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اپنی زبان عبرانی زبان تھی۔ اس زبان میں انہوں نے نام رکھے ہوں گے۔ تو سب سے پہلے چیزوں کے نام کس نے رکھے؟ آدم علیہ السلام نے۔ وہ یہ علم لے کر دنیا میں آئے۔

پھر آدم علیہ السلام سے کچھ وقفے کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام آئے۔ وہ علم قلم لے کر آئے۔ چنانچہ تاریخ انسانیت میں سب سے پہلے لکھنے کا عمل ادریس علیہ السلام نے کیا۔ اس

چنانچہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام علم

حضرت یوسف علیہ السلام تعبیر الرؤیا

حضرت داؤد علیہ السلام صنعة اللّیوس

حضرت سلیمان علیہ السلام منطق الطیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام علم الابدان

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

سے پہلے بولتے تو تھے، لکھتے نہیں تھے، اب لکھنا بھی سمجھ میں آ گیا۔ تو لکھنے کا علم حضرت ادریس علیہ السلام لائے۔

انسانیت کی گاڑی چلتی رہی۔ حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام آ گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام اس کائنات میں سب سے پہلے حلال اور حرام کا علم لے کر آئے۔ پہلے حلال اور حرام کا اجمالی علم تھا۔ اب ان کے آنے کے بعد اس میں تفصیل آ گئی۔ یہ تفصیل حلال اور حرام کی کب ملی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے تشریف لانے کے بعد۔ اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا۔

اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ كَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

(النساء:۱۶۳)

اس لئے یہاں آدم علیہ السلام کا نام نہیں لیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ شریعت کا پہلا ڈھانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو ملا۔ اس سے پہلے انسانیت اتنی ابتدائی حالت میں تھی کہ بس موٹی موٹی چند باتیں معلوم تھیں۔ کوئی باقاعدہ نظام شریعت کا نہیں تھا۔

انسانیت اور پوشاکِ شریعت:

اس کی مثال سمجھ لیں۔ مثال یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی اس کو کپڑے کوئی نہیں پہنا دیتا بلکہ ایک کپڑے میں اس کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ وہ بچہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ وہ قمیض شلوار پہن ہی نہیں سکتا۔ ایسے ہی اس کو کپڑے میں لپیٹ دیا جاتا ہے تاکہ اس کے اعضاء چھپ جائیں۔ جب وہ ذرا بڑا ہوتا ہے پھر اس کو اس کپڑے کے ساتھ کرتا پہنانا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ذرا اور بڑا ہو جاتا ہے تو تب اس کو ساتھ پاجامہ شلوار بھی پہنانی شروع کر دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا ہے کہ پیدا ہونے کے کئی مہینے کے بعد جا کر اس کو باضابطہ کرتا شلوار پہننی نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح اس انسانیت کی پیدائش سمجھ لیجئے کہ ابتداء تو آدم علیہ السلام کے وقت سے ہو گئی مگر

انسانیت درجہ بدرجہ تکمیل کو پہنچتی گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں اب اس کی عمر اتنی ہوگئی کہ اللہ نے اس کو شریعت کا لباس عطا فرما دیا۔ تو شریعت کا پہلا لباس حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ملا پھر آگے اس علم میں مزید ترقی ہوتی گئی۔

چنانچہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام علم مناظرہ لے کر آئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام تعبیر الرؤیا کا علم لے کر آئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام صنعة اللّبوس کا علم لے کر آئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام منطق الطیر (جانوروں کی بولی) کا علم لے کر آئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام علم الابدان (حکمت کا علم) لے کر آئے۔

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اوّلین اور آخرین کا علم لے کر دنیا میں تشریف لے کر آئے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء:۱۱۳)

[اور تمہیں وہ باتیں سکھائیں جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے]

نبی علیہ السلام پر آکر اب یہ انسانیت کی جو شریعت کی پوشاک تھی یہ مکمل ہوگئی۔ اب قیامت تک انسانیت کیلئے یہی پوشاک رہے گی۔

اچھا دیکھئے کہ جب بچہ بڑا ہو رہا ہوتا ہے تو اس کا لباس بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جو آج کپڑے بنوائے وہ سال بعد چھوٹے ہو جاتے ہیں، پھر اور کپڑے بنوانے پڑتے ہیں، اس سے اگلے سال اور کپڑے بنواتے ہیں، پھر اور حتیٰ کہ جب بندہ پچیس تیس سال کا ہو جاتا ہے تو اس کا قد اتنا ہو جاتا ہے کہ اب اس کے لباس کا ایک سائز

متعین ہو جاتا ہے اور پھر مرنے تک وہی سائز رہتا ہے۔

مثال کے طور پر میرے بازو کی ایک لمبائی ہے۔ اب یہ کبھی نہیں ہو سکتا ہے کہ پانچ سال کے بعد بازو کی لمبائی بڑھ جائے گی۔ ہڈیوں کی بڑھوتری ستائیس سال کی عمر میں بند ہو جاتی ہے۔ قد کاٹھ ایک جگہ فٹ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ لمبائی فکس ہو گئی۔ مجھے یاد ہے کہ سالوں پہلے کبھی کسی درزی کو ایک ناپ دیا تھا اور اس کے بعد اب تک وہی ناپ بن رہا ہے اور ہم اسی لباس میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اب شلوار کی ایک اونچائی ہے وہ فکس ہو چکی ہے۔ اب وہ اونچائی قد کے لحاظ سے پکی ہے۔ ساری عمر اب وہی چلے گی۔ تو گویا لباس کا سائز باقی زندگی کے لئے وہی کافی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ انسانیت کی حیثیت ابتداء میں بچے کی سی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ بڑی ہوتی گئی۔ اللہ تعالیٰ انبیاء بھیجتے گئے اور شریعت کے لباس کو بدلتے گئے ..... بدلتے گئے ..... حتیٰ کہ نبی علیہ السلام کے زمانے میں یہ انسانیت اپنی بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ایسی پوشاک عطا فرما دی کہ اب قیامت تک اسی پر یہ زندگی گزارتی رہے گی۔ کسی نئے دین کی ضرورت ہی نہیں۔ قیامت تک کے لئے یہی دین کافی ہے۔

ایجاد اور اجتہاد:

اب ایک بات اور سنیے کہ جس طرح تکوینی نظام میں ایجاد ممکن ہے اسی طرح تشریعی نظام (شریعت) کے اندر اجتہاد ممکن ہے۔ ایجاد کیا ہوتی ہے کہ سائنسی اصول (قانونِ فطرت) کو استعمال کر کے کوئی نئی چیز بنا دینا۔ اجتہاد کیا ہوتا شرعی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی نئی جزئی نکال لینا۔ سائنسدان وقت کی ضرورت کے تحت نئی نئی ایجادات کرتے رہتے ہیں اسی طرح فقہاء حضرات بھی پیش آمد مسائل کیلئے اجتہاد کرتے رہتے ہیں۔

ایک اجتہاد اصول کا تھا وہ ائمہ اربعہ کر گئے۔ امام اعظم مجتہد فی الشرع تھے۔ اب اجتہاد رہ گیا فروع کا۔ امام محمد اور امام یوسف مجتہد فی المذہب تھے۔ بعد میں کتنے سو سال سے فقیہ آتے گئے اور وہ اجتہاد کرتے گئے۔ وہ مجتہدین فی المسائل بن گئے۔ تو جیسے تکوینی نظام میں تحقیقات ہو رہی ہیں اور اللہ کی قدرت کی نئی نئی نشانیاں کھل رہی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک سلسلہ چل رہا ہے اور نئے نئے مسائل کے جوابات سامنے آتے چلے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جو موجد لوگ ہوتے ہیں ان کے دماغ زمانے کی ضرورتوں کے مطابق چلتے ہیں اور مجتہدین کے دماغ بھی ان کے زمانے کے حالات کے مسائل کے مطابق چلتے ہیں۔ جیسے حالات ہوتے ہیں ویسے مسائل کے جوابات وہ نکال لیتے ہیں۔ اپنے زمانے کے مسائل کے مطابق وہ جوابات کو اکٹھا کر دیتے ہیں۔

منظّم اور مرتب نظام:

موجد جزئیات میں غور کرتے کرتے کلیے تک پہنچتا ہے پھر کلیے کو استعمال کر کے نئی جزئیات نکالتا ہے۔ مجتہد بھی یہی کرتا ہے کہ شریعت پہ غور کرتے کرتے کلیات تک پہنچتا ہے اور پھر کلیات کو استعمال کر کے نئی جزئیات نکال لیتا ہے۔ جس طرح مادی اور تکوینی نظام منظّم اور مرتب ہے اسی طرح یہ تشریعی نظام بھی منظّم اور مرتب ہے۔

لہٰذا فقہائے کرام نے کچھ اصول بیان کیے ہیں جنہیں اصول فقہ کہتے ہیں۔ مثلاً ایک اصول ہے ''نفی حرج''۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: ۷۸)

[ہم نے تمہارے لئے دین میں حرج نہیں بنایا]

چنانچہ یہ نفی حرج کا اصول دین کی ہر ہر بات میں آپ کو کارفرما نظر آئے گا۔ اسی طرح اور بھی بہت سے اصول وکلیات ہیں جو فقہائے کرام نے بیان فرمائے ہیں۔ تو

جیسے وہ منظم اور مرتب نظام ہے، یہ تشریعی نظام بھی منظم اور مرتب نظام ہے۔ لہٰذا جیسے اُدھر عقل استعمال ہوتی ہے ایسے ہی اِدھر بھی عقل استعمال ہوتی ہے۔ کائنات کی نئی نئی ریسرچ کرنے کے لئے عقل استعمال ہوتی ہے یا نہیں؟ ہر بندہ تو ریسرچ نہیں کرسکتا۔ ریسرچ وہ کرتا ہے جو بڑے دماغ والا ہوتا ہے، پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہوتا ہے۔ اسی طرح دین کے اس نظام میں بھی وہی ریسرچ کرسکتا ہے جس کو اللہ نے بڑا دماغ دیا ہوتا ہے۔

نظام کائنات..... عقل میں آنے والا نظام:

اگر انسان سوچے، سمجھے اور غور کرے تو یہ جو نظام کائنات ہے سارے کا سارا انسان کی سمجھ میں آنے والا نظام ہے۔ تکوینی نظام اللہ تعالیٰ کے جمال کا مظہر ہے اور اس کے فعل کا ظہور ہے اور تشریعی نظام اللہ کے کمال کا مظہر ہے اور اس میں اللہ کے علم کا ظہور ہے۔ تکوینی نظام میں تجلیات افعالیہ کا ظہور ہے اور تشریعی نظام میں اللہ تعالیٰ کے علم کی تجلیات کا ظہور ہے۔ لہٰذا یہ تشریعی نظام بھی سارے کا سارا انسان کی عقل، سمجھ میں آنے والا نظام ہے۔ اس لئے نبی علیہ السلام نے دو لفظوں میں بات سمجھا دی۔ ارشاد فرمایا۔

وَ الْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ

[اور عقل میرے دین کی جڑ ہے]

دین پڑھنے والے عقل مند ہوتے ہیں:

تو اب یہاں سے ایک بات سمجھ میں آگئی کہ جو لوگ دین پڑھتے ہیں یہ بڑے عقل والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ جو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ جی ان میں عقل نہیں ہوتی، سمجھ ہی نہیں ہوتی، ان بے چاروں کو دین کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ ان بے چاروں

نے دین سمجھا ہی نہیں ہوتا۔ یہ قاضی بن جانا یا مجتہد بن جانا، بہت بڑا اور بہت مشکل کام ہے۔ فقہا نے دینی علوم پر اتنا عظیم کام کیا کہ جتنا اس پر غور کرتے ہیں اتنا حیران ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ جو مسائل کے جواب بتانے والے لوگ ہوتے ہیں یہ بہت حاضر دماغ اور عالی دماغ لوگ ہوتے ہیں۔ یہ کہہ دینا کہ جی ان کو تو سمجھ ہی نہیں ہے انتہائی احمقانہ بات ہے۔ کیوں سمجھ نہیں ہے؟ آپ کو واسطہ نہیں پڑا ان کے ساتھ رہنے کا۔ واسطہ پڑتا تو آپ کو سمجھ لگتی کہ اللہ رب العزت نے ان کو کیا نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دانشمندی:

ایک مثال سے سمجھیں کہ یہ حضرات کتنے دانا ہوتے ہیں اور کتنی گہری نظر رکھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دو بندے آئے۔ کہنے لگے، جی ہمارا جھگڑا ہے۔ پوچھا، کس بات پر؟ کہنے لگے جھگڑا یہ ہے کہ ہم دونوں سفر میں تھے اور کھانے کیلئے ایک آدمی کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں۔ جب کھانے کے لئے بیٹھنے لگے تو ایک تیسرا آدمی بھی آ گیا اور وہ بھی کھانے میں شریک ہو گیا۔ تینوں نے مل کر برابر کا کھانا کھایا۔ جب وہ جانے لگا تو اس بندے نے ہمیں آٹھ دینار دیئے۔ اب دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ جو پانچ روٹیوں والا بندہ تھا وہ کہتا تھا کہ مجھے پانچ دینار ملیں اور دوسرے کو تین دینار ملیں۔ جب کہ تین روٹیوں والا بندہ بضد تھا کہ یہ دینار آدھے ادھے تقسیم ہونے چاہئیں۔ یعنی چار دینار اسے ملیں اور چار دوسرے کو ملیں۔

جب معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے تین روٹیوں والے سے کہا کہ بہتر ہے کہ تم اسی تقسیم پر راضی ہو جاؤ۔ اس نے کہا، نہیں جی، آپ

انصاف فرمائیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا پھر میرا فیصلہ یہ ہے کہ پانچ روٹیوں والے کو ملیں گے سات دینار اور تین روٹیوں والے کو ملے گا ایک دینار۔ اب وہ بندہ حیران پریشان کہ یہ کیا ہوا۔ آپ بھی حیران ہوئے ہوں گے..... کیونکہ ہر بندے کی سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ تین روٹیوں والے کو تین ملنے چاہئیں اور پانچ والے کو پانچ لیکن آپ ﷺ نے اُس کو ایک اور اِس کو سات دینار دینے کا فرمایا۔ ہے نا عجیب بات؟ چنانچہ اُس نے آپ سے اس انصاف کی حقیقت پوچھی تو آپ نے سمجھایا۔

فرمایا دیکھو آپ تینوں نے برابر برابر کھانا کھایا۔ روٹیوں کی کل تعداد آٹھ تھی ہر روٹی کو اگر تین برابر حصوں میں تقسیم کریں تو روٹی کے کل چوبیس ٹکڑے بنتے ہیں۔ یعنی ہر بندے نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے۔ جس بندے کی تین روٹیاں تھیں اس کی روٹیوں کے کل ٹکڑے نو بنے۔ گویا اس نے نو میں سے آٹھ ٹکڑے تو خود کھالئے جب کہ ایک ٹکڑا مہمان کے حصے میں آیا۔ جب کہ جس کی پانچ روٹیاں تھیں اس کے کل ٹکڑے بنے پندرہ، جس میں آٹھ تو اس نے خود کھالیے اور باقی سات مہمان کے حصے میں آگئے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو ایک دینار اور اس کو سات دینار دیئے جائیں۔ تو دیکھیں ان کی عقل وہاں تک پہنچتی ہے جہاں تک عام آدمی کی عقل نہیں جاسکتی۔

خود مفتی نہ بنیں:

تشریعی نظام میں اصول وکلیات کو سمجھنے کے بعد علماء اور مفتی حضرات ان کی روشنی میں نئے نئے مسائل کے جواب تلاش کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ علماء من مرضی کے مسائل نہیں بناتے بلکہ اللہ کی مرضی کو منشاء کو پہچان کر اس کے مطابق جواب بتا دیتے ہیں۔ اس لئے طلباء کو بھی کسی مسئلے کا جواب خود نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ ہمیشہ کسی مفتی کے پاس بھیجنا چاہیے۔ کئی دفعہ طالب علم اس بات کی احتیاط نہیں کرتے۔ ہاں اگر تو مفتی سے

سنا ہوا ہے تو پھر بتا دو کہ جی میں نے بڑوں سے یہ سنا ہے۔ خود نہ مفتی بن بیٹھو۔ یہ بہت بڑا منصب ہوتا ہے۔ حتی الوسع جب بھی کوئی بات پیش آئے تو مفتی کے پاس جائیں، تا کہ وہ شریعت کے مطابق جواب دیں اور ہم اس پر عمل کر لیں۔

خلاصہ کلام:

تو عزیز طلباء! آج یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ نبی علیہ السلام نے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا کہ **والعقل اصل دینی** عقل میرے دین کی جڑ ہے۔ اور واقعی جتنا بھی تشریعی نظام ہے یہ سارے کا سارا سمجھ میں آنے والا ہے۔ اللہ نے ہر بات کے اندر علت رکھی ہوئی ہے۔ اس کو علت حکم کہتے ہیں۔ اسی علت حکم کو دیکھ کر فقیہ اس کا جواب دیا کرتا ہے۔ لہٰذا جس طرح یہ دنیا کا نظام منظم اور مرتب ہے یہ تشریعی نظام بھی منظم اور مرتب ہے۔ اس نظام کو سمجھنے کے لئے آپ لوگ اپنے گھروں سے آ کر یہاں بیٹھے ہیں اور جو کہتے ہیں نا کہ ان دینی طلباء کو سائنس نہیں آتی، ان سے کہو کہ عقل کے اندھو! تمہیں علم الابدان کی سائنس آتی ہے اور ہمیں علم الادیان کی سائنس آتی ہے۔ تم ادھر کے اصول وکلیات کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہو اور ہم ادھر کے اصول وکلیات کو تلاش کرنے اور سمجھنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اللہ رب العزت ہمیں یہ علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ دین کی فہم اور حکمت عطا فرما دے۔ نبی علیہ السلام نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دی تھی۔

اللهم فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْل .

تو آج یہ عاجز یہی دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ اور قرآن مجید کے علم تفسیر کی سمجھ عطا فرما دے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العٰلمين

محبت میری بنیاد ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرة: ١٦٥)

وقال رسول الله ﷺ اَلْحُبُّ اَسَاسِىْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سوال پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کی سنت کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے سترہ باتیں ارشاد فرمائیں، بہت چھوٹی لیکن معنی کے اعتبار سے بہت گہری۔ انہی میں سے ایک بات یہ تھی کہ

اَلْحُبُّ اَسَاسِىْ [محبت میری بنیاد ہے]

''محبت'' تمام کائنات کی بنیاد:

اگر آپ غور کریں تو تمام کائنات محبت کی بنیاد پر قائم ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے،

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

[میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں، پس میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا]

تو مخلوق کے پیدا ہونے کا جو سبب بنا وہ کیا تھا؟ محبت تھی، اَحْبَبْتُ کا لفظ گواہی

دے رہا ہے کہ یہ محبت، یہ حب ذریعہ بنی اس کائنات کے بننے کا۔ اس کو تعیین جبی کہتے ہیں۔

اس لئے جتنی بھی مخلوق ہے اس کو محبت میں سے حصہ ملا۔ جمادات کو حصہ ملا، نباتات کو حصہ ملا، حیوانات کو حصہ ملا، انسانوں کو حصہ ملا۔

جمادات میں محبت آپ دیکھتے ہیں کہ جتنی مادی چیزیں ہیں یہ دوسری چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ زمین اپنی طرف کھینچتی ہے اس کو کشش ثقل کہتے ہیں۔ چاند اپنی طرف کھینچتا ہے، مریخ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اگر بے جان چیزوں میں یہ تعلق ہو تو اسے کشش کہتے ہیں اور اگر جاندار چیزوں میں ہو تو اسے محبت کہتے ہیں۔

سورج مکھی کے پھول کو اللہ نے سورج کی روشنی کے ساتھ محبت دے دی۔ اسکا چہرہ ہر وقت سورج کی طرف۔ نام بھی اس کا سورج مکھی۔ اس کا مکھ یعنی، اسکا چہرہ ہر وقت سورج کی طرف رہتا ہے۔ حیوانات میں محبت یہ ایسے ہی ہے جیسے مچھلی کے دل میں اللہ نے پانی کی محبت رکھ دی۔ وہ پانی کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ پانی سے نکالو تو تڑپے گی۔ اس کا تڑپنا بھی ضرب المثل بن گیا۔ ''ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگ گیا'' ساری عمر پانی میں رہتی ہے اس کا دل پانی سے بھرتا ہی نہیں۔ کبھی مچھلی پانی سے تنگ آ کر باہر آئی؟ اس کی زندگی پانی میں ہے۔ حدیث پاک میں بھی اس کا تذکرہ ہے، فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ فِی الْمَسْجِدِ کَالسَّمَکِ فِی الْمَاءِ

[مؤمن مسجد میں ایسے ہی ہے جیسے مچھلی پانی میں]

گویا مومن مسجد میں آ کر ایسا پرسکون ہو جاتا ہے جیسے مچھلی پانی میں جا کر پرسکون ہو جاتی ہے۔ مچھلی کو پانی سے ایسی محبت ہے کہ جو بندہ مچھلی کھائے اس کو بھی پانی کا طلبگار بنا دیتی ہے۔ سردی کے موسم میں بھی پانی لاؤ! کیوں بھئی خیر تو ہے؟ او جی مچھلی کے کباب کھائے ہیں۔ مچھلی کی شان ہے کہ اپنے کھانے والوں کو بھی پانی کا

طلبگار بنا دیتی ہے۔انسان تو پھر انسان ہے۔

لفظ ''محبت'' کی لغوی تحقیق:

یہ جو لفظ 'محبت' ہے نا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حبـــہ سے بنا ہے۔حبہ کہتے ہیں دانے کو۔جیسے دانہ زمین میں پڑ جائے تو بس یہ پھلتا پھولتا ہے اور درخت بن جاتا ہے۔یہ محبت کا دانہ بھی کسی کے دل میں پڑ جائے تو پھر یہ پھلتا پھولتا ہے اور اپنے پھل پھول نکال دیتا ہے۔مگر اس کی تحقیق یہ ہے کہ ''حب'' کا لفظ عربی میں بہت سارے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔مثال کے طور پر.....

- حبب الاسنان دانت روشن ہیں، صاف ہیں۔
- حبب الماء نکھرا ہوا صاف پانی۔
- حب البعیر اونٹ نے اپنے گھٹنے ٹیک دیئے یعنی استقامت ہوگئی۔اس کو ثبات مل گیا۔
- اور حب الماء پانی کا جوہڑ جس میں پانی ٹھہر جائے۔

تو محققین نے کہا کہ جتنے مواقع پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اصل میں اس میں وہ تمام صفات ہوتی ہیں۔تو یوں سمجھیں کہ محبت بیج کی مانند بھی ہے.....محبت میں روشنی بھی ہے.....محبت کے اندر ثبات بھی ہے.....محبت کے اندر ٹھہراؤ بھی ہے اور محبت انسان کے دل کو اسی طرح بھر دیتی ہے جس طرح پانی جوہڑ کو۔تو اس لفظ کے اندر یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں۔

محبت کے درجات:

اس محبت کے مختلف درجے ہیں۔جب دل کسی کی طرف مائل ہو تو ابتدائی کیفیت کو رغبت کہتے ہیں۔میرے دل میں فلاں چیز کی رغبت پیدا ہوگئی میرا دل اس چیز کی طرف راغب ہوگیا۔یہ رغبت پہلا درجہ ہے۔پھر جب رغبت بڑھتی ہے تو اس کو

طلب کہتے ہیں۔ کہ اب جی چاہتا ہے کہ جس سے محبت ہے اس سے ملیں، اس سے بات کریں، اس کے پاس بیٹھیں۔ اس چیز کو طلب کہا گیا۔ جب طلب زیادہ بڑھتی ہے تو اس کیفیت کو محبت کہتے ہیں۔ محبت یہ ہوتی ہے کہ محبوب کے بغیر انسان کو چین نہیں آتا اور زندگی ادھوری سی نظر آتی ہے، زندگی میں ایک خلا محسوس ہوتا ہے۔ محبوب سے وصل نصیب ہو تو سکون ملتا ہے اور اگر ہجر ہو تو انسان بہت زیادہ پریشان ہوتا ہے، مضطرب ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو محبت کہتے ہیں۔

محبت کی معراج:

یہ محبت کئی مرتبہ شدید بلکہ اشد ہو جاتی ہے۔ جب یہ بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو پھر اس کا نام اور ہے۔ میں نے ایک مرتبہ کچھ نوجوانوں سے پوچھا کہ بتاؤ بھئی کہ محبت کی معراج کیا ہے؟ کسی نے کہا کہ محبوب کے کہنے پر جان دے دینا۔ کسی نے کہا کہ سب مال لٹا دینا۔ کسی نے کہا کہ محبوب جو کہے اس کی بات کو پورا کر دکھانا۔ سب باتیں اپنی جگہ بجا تھیں مگر ہمارے مشائخ نے لکھا کہ محبت کی معراج یہ ہے کہ محبوب کی اتنی محبت دل میں آجائے کہ محبت سے مغلوب ہو کر انسان اپنے محبوب کے قدموں میں سر رکھ دے، اس کو اپنا معبود بنا لے۔ یہ محبت کی معراج ہے۔

اب دیکھئے اللہ تعالیٰ سے ہمارا کیا تعلق ہے؟ بندگی کا، عبادت کا..... ہم نے کلمہ پڑھا تو کیا کہا؟..... لاالٰـــہ الا اللـــہ..... نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ معبود کا کیا مطلب؟ یہ مطلب ہے کہ اے اللہ! ہمارے دلوں میں محبتوں کی جو انتہائی عظیم کیفیت ہوگی وہ فقط تیری ذات کے لئے ہوگی..... اتنا بڑا عہد ہم نے اللہ سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عہد اتنا اچھا لگا فرمایا، الاسلام یھدم ماکان قبلہ کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ کلمہ پڑھ لیتا ہے اس کے پچھلے جتنے بھی گناہ ہوتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ تو محبت کی انتہائی اعلیٰ قسم یا انتہائی شدت کی قسم کو عبادت کہتے ہیں۔

شرک برداشت نہیں:

اب ذرا غور کیجئے۔قرآن مجید میں ایک جگہ تذکرہ ہے کہ ایمان والے اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں

اِنَّا اِلَی اللّٰہِ رَاغِبُوْن (التوبۃ:۵۹)

[ہم تو اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں]

تو پتہ چلا کہ رغبت کس کے لئے؟ اللہ کے لئے اور طلب بھی، اللہ کے لئے۔ جو غیر کو اپناتے ہیں۔ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (الحج:۷۳)

[عابد اور معبود دونوں ہی عاجز ہیں]

غیر کو طلب کرنے والے بھی اور ان کے معبود بھی بودے اور ضعیف ہیں۔تو محبت ہو تو کس کی؟ اللہ تعالیٰ کی۔ تو محبت کے بارے میں فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ آمَنُوْ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرۃ:۱۶۵)

[ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے]

تو محبت ہو تو کس کی؟ اللہ تعالیٰ کی.....اور عبادت کے بارے میں فرمایا

وَالٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (الکھف:۱۱۰)

تو عبادت بھی ہو تو اللہ کی ..... اب سوچئے جس پروردگار نے تعلق کی ابتدائی کیفیت ''رغبت'' کو غیر کیلئے پسند نہیں فرمایا تو وہ اس کی سب سے اعلیٰ کیفیت ''عبادت'' کو غیر کے لئے کیسے پسند فرمائے گا۔اس لئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ

(النساء:۴۸)

میرے بندو! جو گناہ بھی میرے پاس لے کے آؤ گے میں ہر گناہ بخش دوں گا اگر میرے سوا کسی اور سے محبت کا تعلق رکھو گے اور اسے میری عبادت میں شریک بناؤ گے

تو میں تمہارے شرک کے گناہ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔

توحید دھوبن سے سیکھی.....!!

اور واقعی بات ایسی ہی ہے۔ ایک عورت کو اپنے میاں سے محبت ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ برداشت کر جاتی ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں برداشت کرتی کہ اس کا خاوند کسی اور کی طرف نظر اٹھائے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے توحید ایک دھوبن سے سیکھی۔ کسی نے کہا کہ حضرت! اتنے بڑے شیخ ہو کر یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟..... توحید دھوبن سے سیکھی؟ .....فرماتے ہیں کہ ہاں! میرے ہمسائے میں دھوبی کا گھر تھا۔ ایک دفعہ میں اپنے گھر کی چھت پر عبادت کر رہا تھا تو مجھے محسوس ہوا کہ ہمسائے میں کچھ بحث وتکرار ہو رہی ہے۔ میں متوجہ ہوا کہ اِدھر خیریت تو ہے؟ مجھے محسوس ہوا کہ میاں بیوی آپس میں کسی بات پر الجھ رہے تھے۔ بیوی کہہ رہی تھی ''دیکھ میں نے تیری خاطر اس گھر میں غربت برداشت کی، میں نے بھوک برداشت کی، پیاس برداشت کی، تنگی برداشت کی اور میں تیری خاطر اور بھی بہت کچھ برداشت کر سکتی ہوں لیکن اگر تو چاہے کہ کسی اور کے ساتھ نکاح کر لے تو میں یہ بات کبھی برداشت نہیں کر سکتی''۔ فرمایا' اس عورت کی بات سن کر میں نے قرآن پر نظر ڈالی تو قرآن کی آیت میرے سامنے آئی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

بندو! تم جو گناہ لے کر آؤ گے میں پروردگار سب گناہوں کو معاف کر دوں گا لیکن اگر میرے سوا کسی اور سے محبت کا تعلق بناؤ گے تو میں تمہارا یہ عمل کبھی معاف نہیں کروں گا۔ تو دل میں محبت ہو تو کس کی؟ ایک اللہ رب العزت کی۔

تمام جائز محبتیں اللہ تعالیٰ کی محبت کی شاخیں ہیں:

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ محبت تو مخلوق سے بھی ہوتی ہے.....ماں

باپ سے محبت .....اولاد سے محبت ..... بیوی سے محبت ..... دوست احباب سے محبت .....پیر استاد سے محبت .....تو محبتیں تو بہت ہیں۔تو پھر کیا کریں؟ ہمارے مشائخ نے اس کا جواب دیا کہ دیکھو! یہ جتنی محبتیں ہیں ان تمام محبتوں کا اللہ رب العزت نے حکم فرمایا ہے۔ ماں باپ سے محبت رکھو، اولاد سے رکھو، بیوی سے رکھو، تم مسلمان بھائیوں ۔ سے محبت رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اگر یہ محبت رکھی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی ہی ایک شاخ بنے گی ، یہ اسی کا ایک حصہ بنے گی کوئی الگ چیز نہیں کہلائے گی۔ جیسے پیڑ ایک ہوتا ہے اور اس کے اوپر سے شاخیں نکل رہی ہوتی ہیں اسی طرح اصل میں اللہ کی محبت کا تنا ایک ہے اور اس کے اوپر سے شاخیں نکل رہی ہیں۔

- نبی ﷺ سے محبت کہ اللہ کے پیغمبر ہیں،
- اولیاء سے محبت کہ اللہ کے ولی ہیں،
- والدین سے محبت کہ اللہ نے حکم دیا ہے،
- اولاد سے محبت کہ اللہ نے حکم دیا ہے،
- بیوی سے محبت کہ اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے،

تو جتنی محبتیں ہیں ان کے پیچھے سبب کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لہٰذا یہ تمام محبتیں جو دائرہ ءشریعت کے اندر آتی ہیں یہ سب کی سب اللہ ہی کی محبت کا حصہ شمار کی جاتی ہیں۔ یہ کوئی الگ محبتیں نہیں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جی مخلوق سے محبت؟ بھئی دیکھو نبی ﷺ نے دعا مانگی

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ

[اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کو مانگتا ہوں جو آپ سے محبت کرنے والے ہیں، میں ان کی بھی محبت مانگتا ہوں]

تو معلوم ہوا کہ یہ محبت چونکہ اللہ کی محبت میں اضافے کا سبب بنتی ہے اس لیے یہ

اچھی چیز ہے۔ہاں دائرہ ءشریعت کے باہر اگر کوئی محبت چلی جائے، خلاف شرع ہوشیطانی، نفسانی، شہوانی وجوہات سے محبت ہوتو وہ ساری کی ساری ظلمت ہے۔وہ اللہ سے دوری کا سبب ہے۔

محبتوں کی حد:

اور یہ جو جائز محبتیں ہیں ان کی بھی ایک حد بنادی گئی۔ یہ نہیں ہے کہ اب بیوی کی محبت اتنی ہے کہ حلال حرام کی پرواہ نہیں۔ یہ نہ ہو کہ پیسہ اس لیے کمارہے ہیں کہ جی بیوی نے کہا ہے۔ اسکی بھی ایک حد بنا دی گئی۔ کیا حد ہے؟ جہاں تک شریعت کی اجازت ہے وہاں آکر حد ختم ہوگئی۔ کسی کی وجہ سے شریعت کے خلاف کام نہیں کر سکتے۔ چنانچہ فرمایا

قُلْ اِنْ كَانَ آبَائُكُمْ وَ اَبْنَائُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَاوَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (التوبة: ۲۴)

[کہہ دیجئے! اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا]

اللہ تعالیٰ نے ان تمام محبتوں کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ بھئی دیکھو، یہ محبتیں سب اپنی جگہ اچھی ہیں۔ لیکن اگر یہ اللہ کی طرف جانے کے لئے تمہارے راستے میں رکاوٹ بننے لگیں، تو پھر ان محبتوں پر پاؤں رکھ کر آگے گزر جانا۔ اس لئے کہ تمہاری منزل کوئی

اور ہے۔ تو اصل مقصود کیا ہے؟ اصل مقصود اللہ رب العزت کی رضا ہے۔ اب کوئی محبت اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتی اس لئے فرمایا

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ

[اللہ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی]

تو یہ محبتیں جب تک اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہیں تب تک باعث اجر ہیں۔ اگر اس کے مخالف ہیں تو باعثِ زجر ہیں۔ ہاں قل ان کان ابائکم والی آیت سے اتنا پتہ چلتا ہیکہ اللہ رب العزت کو رہبانیت والی زندگی پسند نہیں ہے۔ اگر پسند ہوتی تو پھر اتنی محبتوں کا قرآن میں تذکرہ نہ فرماتے۔ محبت قوت القلوب ہے..... دل کی غذا ہے..... غذا الارواح ہے..... قرۃ الاعین ہے..... حیوۃ الابدان ہے۔

دوطرفہ محبت:

محبت کبھی کبھی یکطرفہ ہوتی ہے کبھی دوطرفہ ہوتی ہے۔ اگر یکطرفہ ہو تو یہ بندے کے لئے باعث مصیبت ہوتی ہے اور اگر دوطرفہ ہو تو یہ باعث انبساط ہوتی ہے۔ کہتے ہیں نا کہ

''دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی''

اللہ تعالیٰ کی محبت دوطرفہ محبت ہے۔ یعنی بندے کو بھی اللہ سے محبت ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کو بھی بندے سے محبت ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں ایسی قوم کو پیدا کروں گا یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُمْ اللہ ان سے محبت کریں گے اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔ دیکھو یہ دوطرفہ محبت ہے، یعنی بندے اللہ سے ٹوٹ کر محبت کریں اور اللہ بندوں سے محبت کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی بندوں سے محبت کرتے ہیں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○ (البقرۃ: ۲۲۲)

[بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے]

تو دو قسم کے لوگوں سے محبت کی بات کی گئی۔ تو ابین جو دل کو پاکیزہ رکھتے ہیں ان سے بھی اللہ محبت کرتے ہیں۔ متطھرین جو ظاہر کو پاکیزہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بھی محبت کرتے ہیں۔ تن کو پاکیزہ رکھنے والوں سے بھی محبت اور من کو پاک رکھنے والوں سے بھی محبت۔ اب ہمیں چاہیے کہ اپنے تن کو بھی پاک کرلیں اور من کو بھی پاک کرلیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت فرماتے ہیں یحب المحسنین ، یحب الصابرین ، یحب المتقین وہ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے، صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے التائب حبیب اللہ [جو گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے]۔ تو دیکھو، ہم اللہ سے محبت کریں گے اور ان اعمال کے سبب اللہ ہم سے محبت فرمائیں گے۔

عاشق و معشوق کا عشق:

حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے اپنے مکتوبات میں ایک عجیب شعر لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں:

؎ عشق معشوقان نہاں است و ستیر
عشق عاشقان با دو صد طبل و نصیب

کہ جو معشوقوں کا عشق ہوتا ہے وہ چھپا ہوا ہوتا ہے، نہاں ہوتا ہے اور جو عاشقوں کا عشق ہوتا ہے وہ دو سو ڈھول کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر فرماتے ہیں کہ فرق یہ ہوتا ہے کہ عاشق کا جو عشق ہوتا ہے وہ بدن کو لاغر کر دیا کرتا ہے اور جو محبوب کا عشق ہوتا ہے وہ بدن کو فربہ کر دیا کرتا ہے۔ اب بندے کو پتہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت

ہے تو پھر بندے پر بسط کی اور اشتیاق کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ پھر اللہ رب العزت اس بندے کی رہنمائی فرماتے ہیں۔

سن لے اے دوست جب ایام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

اللہ تعالیٰ جب بندے سے محبت کرتے ہیں تو پھر اس کو اپنی طرف جذب کے ساتھ کھینچتے ہیں۔

لفظ ''عشق'' کی تحقیق:

ایک لفظ ہے محبت اور ایک لفظ ہے عشق۔ اردو اور فارسی کی زبان میں دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ عشق کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور محبت کا لفظ بھی۔ یہ عشق کا لفظ ہے تو فارسی زبان کا لیکن عربی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ صحاح ستہ میں نہیں دوسری حدیث کی کتابوں میں ایک روایت ایسی بھی ہے کہ جس میں عشق کا لفظ نبی ﷺ نے بھی استعمال فرمایا ہے۔ فرمایا

من تعشق و کتم عشقه فهو شهید

[جس نے عشق کیا اور اپنے عشق کو چھپایا وہ شہید ہے]

اسکی سند پر محدثین اختلاف کرتے ہیں مگر اس طرح کا مضمون بہر حال موجود ضرور ہے۔ ایک روایت میں باندی کے عشق کا بھی تذکرہ ہے۔ ہم نے ایک مرتبہ کوئی چھ مہینے لگائے یہ تلاش کرنے میں کہ حدیث کی مختلف کتابوں میں کہیں یہ لفظ استعمال ہوا ہے یا نہیں تو ہمیں اس کے ایک یا دو حوالے ملے۔ مگر قرآن مجید میں یہ لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا۔

عشق اور محبت کی کیفیات میں فرق:

آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن پاک میں یہ لفظ نہیں استعمال ہوا؟ اس میں بھی ایک نکتہ

ہے۔ یہ جو تعلق ہوتا ہے..... اس کے اپنے اپنے انداز ہوتے ہیں۔ ذرا غور سے اس بات کو سمجھیں۔ ایک انداز تو یہ ہوتا ہے کہ انسان کو محبوب سے محبت تو ہے مگر وہ محبوب کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے، اس کی رضا پر راضی ہے۔ جیسے کسی نے کہا کہ

؎ دیکھنا ہو انہیں دور سے دیکھا کرنا
عشق کا کام نہیں حسن کو رسوا کرنا

تو کئی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو محبوب کے حوالے کر دیتی ہیں کہ بھئی ہم آپ کی رضا پہ راضی ہیں۔ اور کئی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ اپنی خواہش کو پورا کرنا چاہتی ہیں۔ جو دل کے اندر خواہش اور چاہت ہے کسی طرح پوری ہو جائے۔ گویا ایک ہیں سراپا راضی برضا رہنے والے اور ایک ہیں اپنی چاہت اور اپنے مطلب کو پورا کرنے والے۔ جو راضی برضا رہنے والے ہیں انہوں نے کہا کہ

؎ نہ تو ہجر ہے اچھا نہ وصال اچھا ہے۔
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں نہیں، ہمیں تو ہر حال میں محبوب کی ملاقات چاہیے، محبوب کا وصل چاہیے۔ ان کو وصل بھی حاصل ہو جائے تو کہتے ہیں کہ رات چھوٹی ہے۔ کہنے والے نے کہا

؎ شب وصال بہت کم ہے آسمان سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

محقق علماء نے یہ بات لکھی کہ محبت بندے پر ایسی طبیعت کو غالب کر دیتی ہے جس میں وہ محبوب کی رضا میں راضی ہو جاتا ہے۔ اور عشق جنون کی سی کیفیت پیدا کرتا ہے جو بندے کو اتنا مجبور کر دیتی ہے کہ وہ ہر حال میں اپنی غرض کو پورا کرتا ہے۔ چونکہ اس میں خود غرضی آجاتی ہے، محبوب کی رضا ہو یا نہ ہو میری خواہش پوری ہونی چاہیے اس لئے اللہ رب العزت نے اس لفظ کو قرآن پاک میں استعمال کرنے کو پسند نہ

کیا۔اس کی جگہ اشد حبا للہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔اس لئے قرآن مجید اور حدیث پاک میں اکثر حب کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔کیونکہ محبت محبوب کی رضا میں راضی ہونا سکھاتی ہے اور عشق جنون کا شعبہ ہے وہ بندے کو خود غرضی سکھاتا ہے کہ نہیں میری خواہش پوری ہونی چاہیے۔دوسرے کے ساتھ جو گزرتی ہے وہ گزر جائے۔

محبت کی چار وجوہات:

محبت کیوں ہوتی ہے؟اس کے چار احوال ہوتے ہیں۔

(۱) حسن و جمال

سب سے پہلے حسن و جمال کی وجہ سے محبت ہوتی ہے۔کسی شخصیت کے اندر حسن و جمال ہو،لباس کے اندر حسن و جمال ہو،کسی نظارے کے اندر حسن و جمال ہو،فرنیچر، مکان،کوئی بھی چیز ہو جو خوبصورت ہو وہ بندے کو اپنی طرف کھینچے گی، دیکھنے کو دل کرے گا۔اللہ تعالیٰ نے جمالیاتی کھنچاوٹ بندے کی فطرت میں رکھ دی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ

[بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہیں،خوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں]

تو طبعًا فطرتًا انسان خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔اس لئے مسجد بناتے ہوئے بھی انسان سوچتا ہے کہ چونکہ اللہ کا گھر بن رہا ہے اسلئے اس کو اور زیادہ خوبصورت بناؤ۔ تو ماشاء اللہ کام کرنے والے ساری ساری رات جاگ کر کام کی شان میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

(۲) فضل و کمال

دوسری وجہ۔کسی کے اندر بھی فضل و کمال ہو تو اس سے محبت ہوتی ہے۔مثلاً کسی گیم کا کوئی کھلاڑی ہو اور وہ ذرا غیر معمولی کارکردگی دکھائے تو لوگ اس کے نمبر کی

جرسیاں پہنے پھر رہے ہوتے ہیں ۔بن دیکھے محبت کرتے ہیں۔اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بن دیکھے محبت..... کیوں ؟.....ان کے فضل وکمال کی وجہ سے۔شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بن دیکھے محبت..... باپ کے نام کی گالی برداشت کر جائیں گے۔ان کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کریں گے۔کیسی محبت ہے؟ یہ فضل وکمال کی وجہ سے ہے۔

(۳) مال ومنال

تیسری مال ومنال کی وجہ سے بھی محبت ہوتی ہے۔اس لئے جس کے پاس مال ہواس سے دوستی لگانے والے بہت ہوتے ہیں۔

(۴) جودواحسان

چوتھی چیز جودواحسان ہے۔جب کوئی کسی پر بہت زیادہ احسان کرے تو اس بندے کو اپنے محسن کے ساتھ فطری طور پر محبت ہوجاتی ہے۔ہم نے دیکھا کہ سرکس کے اندر جو بندہ شیر کو گوشت کھلاتا ہے اور پالتا ہے وہ شیر اس کا اتنا لحاظ کرتا ہے کہ کئی دفعہ وہ شیر کے منہ میں سر ڈال دیتا ہے اور شیر اسے کچھ بھی نہیں کہتا۔بلکہ یہ شیر کے اوپر سواری کرتا ہے۔سانپ کو گلے میں لٹکالیتا ہے۔اب اگر سانپ اور شیر جیسے موذی جاندار بھی اپنے محسن کا لحاظ کرتے ہیں تو انسان تو پھر انسان ہے۔کہتے ہیں

الانسان عبد الاحسان

انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے۔

جبلت القلوب الی حب من احسن الیھا

اللہ نے دلوں کی جبلت ایسی بنادی ہے کہ جو ان پر احسان کرے ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

اب ان چاروں وجوہات کو دیکھیں تو اللہ تعالیٰ کے پاس جمال بھی ہے.....کمال

بھی ہے..... مال ومنال بھی ہے..... اور اللہ تعالیٰ کے ہم پر بے شمار احسانات بھی ہیں.....تو چاروں وجوہات اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ انسان اگر محبت کرے تو اللہ رب العزت کی ذات سے محبت کرے۔

محبت بڑھانے والے اعمال:

چند اعمال ایسے ہیں جن سے محبت بڑھتی ہے۔ یہ اعمال جاذبِ محبت ہیں۔ مثال کے طور پر

(۱).....ذکر سے ذات کی محبت بڑھتی ہے۔ جس ذات کا ذکر کثرت سے کیا جائے اسی سے محبت بڑھ جائے گی۔ اس لئے اللہ والے فرماتے ہیں کہ تم اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود بھی فرمایا کہ

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ا (اللہ کا ذکر کثرت سے کرو)

اس لئے کہ کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت بڑھتی ہے۔

(۲).....دوسرا ذاکرین کی صحبت سے محبت بڑھتی ہے۔ کمپیوٹر والوں کے پاس بیٹھو تو کمپیوٹر کا بزنس کرنے کا دل بن جائے گا۔ کپڑے والوں کے پاس رہو گے تو کپڑے کا بزنس کرنے کی طرف دل آمادہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اللہ والوں کے پاس بیٹھو گے تو اللہ سے محبت کا جذبہ خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ جیسے آگ جل رہی ہو اور چولہے کے پاس بیٹھو تو خود بخود گرمی ملتی ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کے پاس بیٹھو تو ان کے دل میں جو اللہ کی محبت کی حرارت ہوتی ہے وہ خود بخود بندے پر اثر پذیر ہوتی ہے۔

(۳).....اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے بھی اللہ کی محبت بڑھتی ہے

(۴).....اور نماز پڑھنے سے بھی اللہ کی محبت بڑھتی ہے۔

(۵).....ہمیں چاہیے کہ اللہ کی نعمتوں کا خوب تذکرہ کریں کیونکہ ان نعمتوں کا بار

بار تذکرہ کرنے سے بھی اللہ کی محبت بڑھتی ہے۔

دردِ محبت ہر دل کا خاصہ ہے:

انسان کی قدر و قیمت بھی اسی محبت کی وجہ سے ہے کہ اسی دردِ محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور انسان کا لفظ بنا بھی اُنس سے ہے کہ یہ محبت کرتا ہے۔ چنانچہ آنکھ کا کام دیکھنا، زبان کا بولنا، کان کا سننا، دماغ کا سوچنا اور دل کا کام محبت کرنا ہے۔ ہر انسان کا دل کسی نہ کسی سے محبت کرتا ہے۔

؎ دل بحر محبت ہے محبت یہ کرے گا
لاکھ اس کو بچا تو یہ کسی پر تو مرے گا

محبت کیے بغیر کوئی رہ نہیں سکتا:

؎ پتھر سے ہو خدا سے ہو یا پھر کسی سے ہو
آتا نہیں ہے چین محبت کیے بغیر

بس فرق اتنا ہے کہ خالق کی محبت ہوگی تو دل میں نور ہوگا اور مخلوق کی شیطانی، نفسانی، شہوانی محبت ہوگی تو دل میں ظلمت ہوگی۔ دودھ گائے کا ہو تو حلال ہے اور کتیا کا ہو تو حرام ہے۔ اسی طرح محبت اگر اللہ سے ہے تو حلال ہے اور اگر نفسانی ہے تو پھر حرام ہے۔

تو جب دل لگانا ہی ہے تو بندے کو چاہیے کہ اللہ رب العزت سے خوب پیار کرے، کیونکہ ارشاد فرمایا

وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه (البقرة: ١٦٥)

[ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے]

کیا مطلب اس کا؟ اس کا یہ مطلب ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کے پیار کرتے ہیں۔ اور اس محبت کا پھر اجر کیا ملتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس بندے کو دنیا میں

محبوب بنا دیتے ہیں۔

ہر کہ عاشق شد جمال ذات را
اوست سید جملہ موجودات را

وہ ساری موجودات کا سید اور سردار بن جایا کرتا ہے۔

اللہ کی محبت اور مخلوق کی محبت کا موازنہ:

◎ اللہ تعالیٰ کی محبت بڑی نعمت ہے۔ اس سے دل میں ایک نور آتا ہے جب کہ مخلوق کی محبت سے دل میں ظلمت آتی ہے۔

◎ اللہ کی محبت سے دلوں میں تازگی آتی ہے، چہروں پہ تازگی آتی ہے اور مخلوق کی محبت سے چہروں پہ ویرانی آتی ہے۔ دیکھا کریں جو مخلوق کی محبت میں پھنس جاتے ہیں ان کے چہروں پہ بالکل خزاں نظر آتی ہے۔ اجڑے چہرے، بے آباد چہرے۔

◎ اللہ کی محبت سے چہروں پہ سکون نظر آتا ہے اور مخلوق کی محبت کی وجہ سے چہروں پہ بے سکونی نظر آتی ہے۔

◎ اللہ کی محبت کی وجہ سے انسان کو نیک نامی ملتی ہے اور مخلوق کی محبت سے انسان کو بد نامی ملتی ہے۔

◎ جو اللہ کی محبت میں ڈوب کے نکلے گا اس کے پاؤں پہ لوگ اپنی پگڑیاں رکھیں گے۔ اور جو مخلوق کی محبت میں ڈوب کے نکلے گا اس کے سر پہ لوگ اپنے جوتے ماریں گے۔ تو اللہ کی محبت کا انجام ہمیشہ اچھا اور مخلوق کی محبت کا انجام ہمیشہ برا۔

علمی نکات:

◎ علمی نکتہ ہے۔ جو مخلوق سے ڈرتا ہے وہ مخلوق سے دور بھاگتا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اللہ کے قریب ہوتا ہے۔

◎ مخلوق چاہتی ہے کہ ہم جس سے محبت کرتے ہیں اس کا جسم ہمارے پاس

ہونا چاہیے۔اس کا دل چاہے جہاں مرضی ہو۔اللہ رب العزت جس سے محبت کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ بندے! تیرا دل میرے ساتھ ہونا چاہیے تیرا جسم جہاں چاہے رہے۔

- جس شخص نے اللہ رب العزت کی حقیقت کو پہچانا وہ اللہ سے محبت کئے بغیر رہ نہیں سکتا اور جس نے دنیا کی حقیقت کو پہچانا وہ دنیا سے نفرت کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔
- اس لئے جو شخص مخلوق سے محبت کرے گا ایک نہ ایک دن جدا کر دیا جائے گا اور جو اللہ سے محبت کرے گا ایک نہ ایک دن اللہ سے ملا دیا جائے گا۔

ناپائیدار کا عشق بھی ناپائیدار ہے:

اسلئے مرنے والوں سے اور ڈھلنے والوں سے کیا محبت کرنی ہے۔عزیز طلباء! یہ دونوں باتیں یاد کر لینا۔کیا بتایا؟ مرنے والوں سے اور ڈھلنے والوں سے کیا محبت کرنی ہے۔

؎ عشق با مردہ نہ باشد پائیدار
عشق را با حیی و با قیوم دار

مرنے والوں سے عشق کبھی پائیدار نہیں ہوتا۔محبت کرنی ہے تو پھر اللہ سے کرو جو حیی و قیوم ہے۔تو مرنے والوں سے اور ڈھلنے والوں سے محبت نہیں کی جاتی۔

؎ میر مت مرنا کسی گلفام پر
خاک ڈالو گے انہی اجسام پر

تو مرنے والوں سے اور ڈھلنے والوں سے محبت کبھی پائیدار نہیں ہوتی۔

لافانی کا عشق لافانی ہے:

اس لئے انسان محبت کرے تو اللہ رب العزت کی ذات سے کرے۔اور اگر مخلوق سے بھی محبت ہو تو اللہ کی نسبت سے ہو۔اللہ کے لئے محبت ہو۔

جن لوگوں میں اللہ کے لئے محبت ہوگی پھر یہ فقط دنیا میں ختم نہیں ہو سکتی بلکہ یہ

روز محشر بھی کام آئے گی۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن عرش کے نیچے سات طرح کے بندے ہوں گے۔ دو وہ ہوں گے هم المتحابون فی الله جو اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ اور المرء مع من احب (آدمی اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے) پھر جنت میں بھی اللہ ان کو اکٹھا فرمادے گا۔ تو محبت اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔

اللہ کی محبت کہاں سے ملتی ہے.....؟

اگر کوئی بندہ کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھے کیسے مل سکتی ہے۔ تو اسے بتائیں کہ کپڑا ملتا ہے کپڑے والوں سے، اور برف ملتی ہے برف والوں سے، اور دودھ ملتا ہے دودھ والوں سے۔ اور اللہ ملتا ہے اللہ والوں سے۔ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھو گے اللہ کی محبت ملے گی۔

محبت کی دکانیں:

ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مولانا! تم نے کبھی عشق کی دکان دیکھی ہے؟ جیسے دکانیں ہوتی ہیں یہ کریانے کی دکان، لوہے کی دکان، کپڑے کی دکان ایک اللہ تعالیٰ کے عشق کی بھی دکان ہوتی ہے۔ تو انہوں نے پوچھا' کیا عشق کی دکان دیکھی ہے؟ تو انہوں نے کہا' جی حضرت! دو دکانیں دیکھی ہیں۔ پوچھا کونسی ؟ کہنے لگے ایک شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی، اور ایک شاہ آفاق رحمۃ اللہ علیہ کی۔ تو اللہ والے جہاں ہوتے ہیں وہ عشق کی دکان ہی ہوتی ہے۔ ان کے پاس آؤ چند لمحے گزارو گے تو عشق کی پڑیاں باندھ کے واپس جاؤ گے۔ اللہ اکبر

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہو گی

ان اللہ والوں کے دلوں میں اللہ کی محبت کی کیا ہی آگ جل رہی ہوتی ہے۔

محبت کا سودا کتنا چاہیے؟

اب ان دکانوں سے ہمیں کتنا سودا لینا چاہیے؟ یعنی کتنی محبت یا کتنا عشق چاہئے؟ اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ تصوف وسلوک کا مقصود کیا ہے؟ تو فرمایا کہ رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی اتنی محبت مل جائے کہ ہمارے رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ جب اتنی اللہ کی محبت ہمیں نصیب ہو جائے تو پھر عبادت کرنی آسان ہو جائے گی۔ خود بخود آنکھ کھلتی ہے رات کو۔ پھر نماز میں بھی مزہ آتا ہے، تلاوت میں بھی مزہ آتا ہے۔ اپنے اللہ کی یاد میں اللہ کا بندہ جاگتا ہے۔ تہجد میں بھی آنکھ کھلتی ہے۔

مجھ کو اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں ہو کے مست تمہارے خیال میں
تاروں سے پوچھ لو مری رودادِ زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

عشق قطب ہے:

تو جس انسان کے اندر یہ سوز عشق نہیں وہ اللہ کے نزدیک پتھر اور لکڑی کی طرح بے قیمت انسان ہے۔ اس لئے ایک بزرگ فرماتے تھے۔ ''عشق قطب ہے ساری نیکیاں اسی کے گرد گھومتی ہیں''۔ جس بندے کے دل میں اللہ کی محبت آجاتی ہے۔ عشق آجاتا ہے اس کے لئے ہر نیکی کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھیں، آج لوگ کسی کو تحفہ بھیجتے ہیں تو اس کے لئے گفٹ پیک کروا کر بھیجتے ہیں۔ خط لکھتے ہیں تو خط کو بھی

سجا سجا کر پھول بنا بنا کر بھیجتے ہیں۔ پھل بھیجنے ہوں تو پھل کی ٹوکری سجا کر بھیجتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے تو نماز کے اس تحفہ اور ہدیہ کو گفٹ پیک بنا کر سنوار کر اللہ رب العزت کے حضور بھیجا کرتا ہے۔ تسلی کے ساتھ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ اگر یہ اللہ رب العزت کی محبت ہمیں نصیب ہو جائے تو ہمارے لئے سب نیکیاں آسان ہو جائیں۔

مزدور کی نماز یا فرہاد کی نماز:

دیکھیں اب میں یہاں تھوڑا سا ایک نکتہ سمجھاتا ہوں۔ آپ ایک مزدور کو گھر لے کر آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ پتھر توڑنے ہیں۔ جیسے فرش بناتے ہوئے نیچے ڈالنے کیلئے پتھر کوٹتے ہیں۔ تو وہ بیٹھا پتھر توڑ رہا ہوتا ہے لیکن اس کے پتھر توڑنے میں اس کے جذبات کا تعلق کوئی نہیں ہوتا۔ وہ بہت ہی بے دلی کے ساتھ ہتھوڑے کی چوٹ لگا رہا ہوتا ہے کہ پتھر ٹوٹ جائے اور مجھے مزدوری مل جائے۔ اور ایک فرہاد بھی پتھر توڑتا تھا۔ ایک سٹوری (کہانی) بنی ہوئی ہے سچی یا جھوٹی اللہ جانے..... کہ فرہاد کو کسی نے کہا تھا کہ تم دودھ کی نہر اگر پہاڑ سے نکال دو تو محبوب مل جائے گا۔ تو اس نے پہاڑ کو کھودنا شروع کر دیا تھا۔ تو ایک شاعر نے عجیب مضمون باندھا وہ کہتا ہے کہ

ہر ضربِ تیشہ ساغرِ کیفِ وصالِ دوست

جو بھی ہتھوڑے کی ضرب لگاتا تھا ہر ضرب پر اس کو محبوب کے وصل کا جام ملتا تھا۔ ایسی لذت ملتی تھی۔ فرہاد میں جو بات ہے مزدور میں نہیں۔ فرہاد کسی اور جذبے سے پتھر توڑتا تھا اور مزدور کسی اور حساب سے پتھر توڑتا ہے۔ تو میرے دوستو! ہم بھی اب تک مزدور کی نمازیں پڑھتے رہے ہیں، جب اللہ کی محبت آجائے گی تو پھر ہم بھی فرہاد کی نمازیں پڑھیں گے۔ یہ محبت انسان کے اندر سے عجب، تکبر، حسد، کینہ ہر چیز کو نکال کر رکھ دیتی ہے۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے دوائے جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے کہ افلاطون و جالینوس ما

یہ عشق بندے کے لئے افلاطون اور جالینوس کا کام کرتا ہے۔

مرحبا اے عشق تجھ کو مرحبا:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں فارسی کا شعر ہے جس کا کسی نے اردو میں ترجمہ کیا۔

؎ عشق کی آتش کا جب شعلہ اٹھا
ماسوا معشوق سب کچھ جل گیا

جب عشق کی آگ کا شعلہ اٹھتا ہے تو محبوب کے سوا ہر چیز کو یہ جلا کر رکھ دیتا ہے

تیغِ لا سے قتل غیر حق ہوا

لا کی تلوار، لا الہ الا اللہ، لا کی تلوار سے اللہ کے سوا ہر چیز کی نفی ہوئی۔

تیغ لا سے قتلِ غیرِ حق ہوا
دیکھئے پھر بعد اس کے کیا بچا
پھر بچا اللہ باقی سب فنا
مرحبا اے عشق تجھ کو مرحبا

اے عشق! مرحبا کہ تو نے اللہ کے سوا ہر چیز کو مٹا کے رکھ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی یہ محبت نصیب ہو جائے تو زندگی کا مزہ آجائے۔ پھر محبوب کی یاد میں انسان کی آنکھ سے خود بخود آنسو نکلتے ہیں۔ خود بخود رونا آتا ہے۔ اللہ اکبر۔ اسلئے قیامت کے دن فُساق کے اعضاء ان کے گناہوں پر گواہی دیں گے اور قیامت کے دن عشاق کی آنکھوں

سے نکلے ہوئے محبت کے آنسوان کے دل کی محبت کی گواہی دے رہے ہوں گے۔اس دن ایک ایک آنسو کی قیمت بڑھے گی اس دن۔اللہ اکبر۔کہتے ہیں نا تیزاب سونے کو چمکا دیتا ہے۔تو جس طرح تیزاب سونے کو چمکا دیتا ہے۔اسی طرح اللہ والوں کی محبت بندے کے دل کو چمکا دیتی ہے۔

جہنم کی آگ بھی ڈرتی ہے:

ایک بات اور بھی ہے کہ ہم ڈرتے ہیں جہنم کی آگ سے اور جہنم ڈرتی ہے عشق الٰہی کی آگ سے۔اس لئے مومن عاشق جب پل صراط سے گزرے گا تو حدیث پاک میں ہے کہ جہنم کہے گی

اسرع یا مومن فا ن نو رك اطفء ناری

اے مومن! جلدی گزر جا، تیرے دل کے نور نے تو میری آگ کو بجھا ڈالا ہے۔ جہنم کی آگ عشق الٰہی کی آگ سے ڈرتی ہے۔

محبت الٰہی کی علامات:

اب محبت الٰہی کی علامات ہوتی ہیں۔ذرا توجہ سے سن لیجئے۔جس کے دل میں محبت الٰہی کی آگ ہو تو اس کی پہچان بہت آسان ہے۔سات نشانیاں ہمارے بزرگوں نے بتلائی ہیں۔

(۱)..... پہلی نشانی کہ جس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے وہ پھر ذکر مداومت کے ساتھ کرتا ہے۔اللہ کے ذکر پر اس کو دوام نصیب ہو جاتا ہے۔ہر لمحے اللہ کی یاد میں۔

خیالك فی عینی و ذکر ك فی فمی

ومثواك فی قلبی فاین تغیب

[اے مالک! تیرا دھیان اور تیرا تصور میری آنکھوں میں ہے، تیرا ذکر میرے ہونٹوں میں ہے، تیری تصویر میرے دل میں ہے تو بھلا مجھ سے کہاں چھپ

سکتا ہے؟]

ماں بیٹے کی محبت کی وجہ سے ایک گھنٹہ بھی اس کی باتیں سنائے تو نہیں تھکتی تو پھر مومن کو اللہ کی یاد میں ایک گھنٹہ بیٹھنا کوئی مشکل ہوتا ہے۔ اللہ کی یاد میں ایک گھنٹہ بیٹھنا کوئی مشکل نہیں۔ آج جو ہم کہتے ہیں کہ جی مراقبہ میں بس پانچ منٹ بیٹھتا ہوں کیونکہ وقت نہیں ملتا۔ اگر مجنوں سے کوئی پوچھے کہ لیلیٰ کو یاد کرتے ہو؟ آگے سے جواب دے کہ وقت نہیں ملتا تو سب کہیں گے بناوٹی مجنوں۔ جیسے ڈالڈا گھی آگیا ایسے مجنوں بھی ڈالڈا آگیا۔ اسے اللہ کے ذکر کے لئے وقت نہیں ملتا۔ واہ بھئی واہ۔ جس کے لئے زندگی ملی اس کے ذکر کے لئے فرصت ہی نہیں۔

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹادوں خانہء دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم سے تیرے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تادم آخر ورد زبان اے میرے الٰہ
لا الہ الا اللہ ، لا الہ الا اللہ

(۲)..... دوسری نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو رات کو اٹھ کر مناجات کی توفیق ملتی ہے..... نیم شب کی مناجات کی اس کو توفیق نصیب ہو جاتی ہے..... تہجد کا دوام نصیب ہوتا ہے..... تہجد کے وقت ان کا بستر ان کو اچھال دیتا ہے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں کہ ان کو بستر ہی اچھال دیتا ہے۔ تہجد کے وقت اٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اپنے اللہ کو مناتے ہیں۔

لیتك تحلو و الحیوۃ مریرۃ
لیتك ترضیٰ والانام غضاب

[اللہ تو راضی ہو جائے اگر چہ سارے لوگ ناراض ہو جائیں، تو میٹھا ہو جائے

اگر چہ ساری مخلوق مجھ سے کڑوی ہو جائے]

(۳).....تیسری نشانی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادات ان کے لئے آسان ہو جاتی ہیں۔آج کتنے طلباء ہیں جو باقاعدگی سے ایک پارہ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔اگر آپ کبھی دیکھیں گے تو ایسے بھی طلباء آپ کو مل جائیں گے کہ روزانہ ایک پارہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ مجھے ایک طالب علم ملا اس کو دورۂ حدیث کیے ہوئے نو سال ہو گئے تھے۔قرآن کا حافظ تھا، بیعت ہوا تو رونے بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا رو کیوں رہے ہو؟ کہنے لگا میں اللہ سے اتنا غافل ہو گیا ہوں کہ حافظ قرآن ہوں اور نو سال میں ایک قرآن پاک بھی نہیں پڑھ سکا۔رمضان آتے گزر جاتے لیکن میں ایسا خواہشات کے پیچھے لگا کہ کبھی توجہ ہی نہیں کی کہ قرآن پاک کا بھی کوئی حق ہے۔اور جب اللہ کی محبت ہوتی ہے تو تلاوت کرنی آسان، نماز پڑھنی آسان، کتابیں پڑھنی آسان، سب کام آسان ہو جاتے ہیں۔لیکن ہمیں نماز پڑھانے کے لئے ترغیب دینی پڑتی ہے کہ نفل پڑھ لو اشراق کے ایک حج اور عمرہ کا ثواب مل جائے گا۔ہم ثواب کی خاطر نماز پڑھتے ہیں اور یہ اللہ والے سواد کی خاطر نمازیں پڑھتے ہیں۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے
ہم ثواب و عذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے
عشق والے حساب کیا جانیں

عشق والوں کو حساب کتاب کا کیا پتہ۔وہ تو اللہ کی محبت میں نمازیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

(۴).....اور چوتھی علامت شعائر اللہ سے محبت ہوتی ہے۔کلام اللہ.....رسول اللہ..... بیت اللہ.....کامل اولیاء اللہ..... یہ سب شعائر اللہ ہیں۔بلکہ ان کاملین کے جہاں قدم لگ جاتے ہیں اللہ ان جگہوں کو شعائر اللہ میں شمار فرما لیتے ہیں۔ارشاد فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰه (البقرة: ۱۵۸)

[بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں]

اللہ سے محبت کی نشانی..... بیت اللہ سے محبت، کلام اللہ سے محبت، ایسا بندہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہو کر بیت اللہ کو جا کر دیکھتا ہے تو پھر اس کا طواف بھی اللہ کی محبت میں ڈوب کر کرتا ہے۔

اطوف علی جدار دیار لیلیٰ

اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا

وما حب الدیار شغفنا قلبی

ولکن حب من سکنت دیارا

گھر سے محبت نہیں ہوتی گھر والے سے محبت ہوا کرتی ہے۔ وہ اللہ کی محبت میں ڈوب کر بیت اللہ کے چکر لگا رہے ہوتے ہیں۔

(۵)..... پانچویں چیز۔ ان کو مومنین سے محبت ہوتی ہے۔ کس لئے؟ اس لئے کہ اللہ رب العزت نے حکم فرمایا۔ الحب للہ، من احب للہ وہ اس اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔ یہ خلافِ شرع محبت نہیں ہوتی بلکہ اللہ رب العزت کی رضا کے لئے ہوتی ہے۔

(۶).....ان کی چھٹی پہچان یہ ہے کہ وہ خلوت کے حریص ہوتے ہیں۔ جب دل میں اللہ کی محبت جوش مارتی ہے تو پھر تنہائی اچھی لگتی ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی ﷺ پر نبوت سے کچھ وقت پہلے ایسا وقت آیا کہ ان کو تنہائی سے محبت ہو گئی تھی۔ غارِ حرا میں ایک ایک ہفتہ ایک ایک مہینہ جا کر تشریف رکھتے تھے۔ اور بندے کا بھی یہی حال ہے۔

(۷).....اور ساتویں نشانی یہ ہے کہ وہ موت کے مشتاق ہوتے ہیں۔ موت سے ڈرتے نہیں بلکہ موت کو پسند کرتے ہیں۔ ساری دنیا موت سے ڈرتی ہے اور یہ اللہ

والے موت سے نہیں ڈرتے۔ بلکہ موت کے فرشتوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کیسا اچھا مہمان آیا، میں نے تیس سال تمہارے انتظار میں زندگی گزار دی۔ یہ کیفیت ہوتی ہے ان کی۔ ادھر تلوار کا وار چلتا ہے، گردن کٹتی ہے اور وہ کہنے لگتے ہیں فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَۃِ [رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا]

چنانچہ ایک بزرگ تھے ان کا نام تھا عبداللہ مخزومی رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ جنگِ یمامہ میں شریک ہوئے اور ان کے جسم کے ہر عضو پر زخم لگا اور خون بہنے لگا۔ شام کا وقت ہونے لگا اور خون نکلنے کی وجہ سے نڈھال ہو کر گر گئے اور بس چند لمحے تھے۔ تو کسی نے دیکھا کہ گرمی ہے، پسینہ ہے، پیاس ہے تو اس وقت میں اس نے پانی پیش کیا۔ اس مجاہد کو کہا' پی لیجئے۔ انہوں نے منہ بند کر لیا۔ اس نے پوچھا' عبداللہ! پانی کیوں نہیں پیتے؟ تو فرمایا میں روزے سے ہوں اور میں شربت دیدار سے اپنے روزے کو افطار کرنا چاہتا ہوں۔ جن کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے وہ اللہ رب العزت سے ملاقات کرنے کے لئے یوں مشتاق ہوتے ہیں۔

محبتِ الٰہی کے چار انعامات:

اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جس بندے کے دل میں اللہ کی محبت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کو چار انعام عطا فرماتے ہیں۔ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ چار انعام اللہ رب العزت اپنے محبّ کو عطا فرماتے ہیں۔

(۱)..... پہلا انعام..... بغیر خاندان کے اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرما دیتے ہیں۔ وہ دیکھنے میں ایک عام گھر کا بندہ ہوتا ہے، معمولی برادری کا، معمولی خاندان کا لیکن اس محبت کی وجہ سے اللہ بغیر کنبے، قبیلے اور خاندان کے، اپنے محبّ کو دنیا میں عزتیں عطا فرما دیتے ہیں۔ سادات بھی آکر ہاتھوں میں ہاتھ دے رہے ہوتے ہیں، حضرت! ہمیں بیعت کے لئے قبول کر لیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سید تھے

لیکن بیعت کی سیال سے ۔اللہ کی شان! عزت اللہ دیتا ہے۔کسی نے کہا کہ شاہ صاحب یہ کیا کیا؟ فرمایا ''میں جٹ دا بنا ساوا ڈٹھا ہے'' جٹ دا بنا۔جب بنا ساوا ہو جاتا ہے تو پھر ماشاء اللہ، اللہ سادات کو بھی بھیج دیتا ہے۔تو پہلا انعام بغیر خاندان کے عزت مل جاتی ہے۔

(۲).....اور دوسرا انعام، بغیر کسب کے اللہ ان کو علم عطا فرما دیتا ہے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا. (الکھف)

[پس پایا انہوں نے میرے بندوں میں سے ایک بندہ جسے ہم نے اپنے ہاں سے رحمت اور اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا]

یہ علم لدنی ہوتا ہے ۔اللہ ان کے سینوں میں ڈال دیتا ہے ۔ایسی معرفت کی باتیں اللہ ان کی زبان سے نکلوا دیتا ہے کہ علم والے بھی حیران ہوتے ہیں۔ ورثہ الله مالم یعلم اللہ وہ نعمت بھی عطا فرما دیتا ہے۔

(۳).....اور اللہ ان کو بغیر مشقت کے مال عطا فرما دیتا ہے۔رزق کی راہیں ان کے لئے کھول دیتا ہے۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳)

[اللہ ایسی جگہوں سے رزق دیتا ہے جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا]

(۴).....اور چوتھا انعام، بغیر جماعت کے اللہ ان کو انس عطا فرما دیتا ہے۔اکیلے بھی ہوں اللہ کی محبت میں مست ہوتے ہیں۔کوئی بھی ساتھ نہ ہو، پاس نہ ہو پھر بھی ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے اللہ کے انس میں، اللہ کی محبت میں وہ اپنا وقت گزار رہے ہوتے ہیں۔

جو حدیث پاک کا ایک ٹکڑا پڑھا گیا نبی ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا؟ الحب اساسی [محبت میری بنیاد ہے] اب ذرا غور کیجئے دین اسلام پورے کا پورا محبت کا

درس دیتا ہے۔ اللہ کی محبت، رسول اللہ ﷺ کی محبت، اولیاء اللہ کی محبت، ماں باپ کی محبت، اولاد کی محبت، مسلمان بھائی سے محبت۔ یوں لگتا ہے کہ چاروں طرف دین نے محبتوں کی خوشبوئیں پھیلا دی ہیں۔ اب ذرا عبادت کو دیکھیں کہ انسان عبادت کیوں کرتا ہے؟ عبادت کا مقصود کیا ہے؟ اللہ کی محبت حاصل کرنا۔

عمل.....محبت سے خالی، اجر سے خالی:

ذرا ایک مثال سے سمجھیں۔ اگر کسی کو کمپیوٹر پانی پلائے تو کیا کمپیوٹر کو ثواب ملے گا؟ جیسے آج کل روبوٹ بن گئے ہیں تو روبوٹ کسی کو پانی پلائے تو روبوٹ کو ثواب ملے گا؟ نہیں ملے گا۔ اور بندہ پلائے تو بندے کو ثواب ملے گا۔ اس لئے کہ مشین میں احساسات نہیں، جذبات نہیں۔ بندے کے اندر جذبات ہیں۔ تو جس طرح مشین کو اجر نہیں ملے گا اسی طرح مشینی عمل کرنے والے کو بھی اللہ کے ہاں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا [الدھر:۸]

[جو اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں]

اور مال خرچ کرتے ہوئے فرمایا

لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ (آل عمران:۹۲)

[نہیں پہنچتی تمہاری نیکی حتیٰ کہ تم وہ خرچ کرو جس سے تم محبت کرتے ہو]

تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو مشینی عملوں کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو محبت بھرے عملوں کی ضرورت ہے۔ پوری جماعت میں ایک بھی اللہ کی محبت میں ڈوب کر نماز پڑھنے والا ہوگا تو اس ایک کی برکت سے اللہ تعالیٰ سب لوگوں کی نماز کو قبول فرمالیں گے۔ اور آج ہمارے اعمال اسی محبت سے خالی نظر آتے ہیں۔ اسی لئے کہنے والے نے کہا:

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
وہ دل ،وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے

اعمال تو ہیں اعمال کے اندر جان نہیں ہیں۔ وہ جو اللہ کی محبت تھی جس میں ڈوب کر ہمارے اکابر زندگی گزارا کرتے تھے آج وہ محبت نظر نہیں آرتی۔ طلباء تو آج بھی ہیں لیکن اصل تو یہ دیکھنا ہے کہ کتنے طلباء ہیں جن کے اندر اللہ کی محبت بھری ہوئی ہے۔ طالب علم تو وہی کہلائے گا جو طالب مولا بن جائے گا۔ تو اللہ کی محبت کو اپنے دل میں بڑھا لیجئے پھر دیکھئے اللہ رب العزت کیا مہربانی فرماتے ہیں۔

محبوب کا نام بھی پیارا لگتا ہے:

جن کے دل میں محبت ہوتی ہے پھر ان کی زندگیاں کیسی گزرتی ہیں۔ ان کو اللہ کا نام بھی پیارا لگتا ہے۔ ان کو اللہ تعالی کا نام بھی اچھا لگتا ہے۔

ایک صاحب مجھے ملے جو کسی کو نہیں مانتے تھے۔ کچھ ہوتے ہیں نا ایسے جو کہتے ہیں کہ جی ہم نہیں کسی کی مانتے، ہم نہیں کسی کے پیچھے چلتے۔ تو وہ صاحب بھی کسی کو نہیں مانتے تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ آپ کیا ہر وقت اللہ کا نام..... اللہ کا نام کہتے رہتے ہیں؟ کیا ملتا ہے اللہ کے نام سے۔ اب بتاؤ!! ان کو سمجھ نہیں آتی کہ ہر وقت اللہ کا نام کیسے ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے زیادہ جواب دینا تو مناسب نہ سمجھا بس ایک شعر پڑھا

ہم رٹیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

ہم تو اللہ آپ کے نام کے عاشق ہیں۔ کہنے لگا، تمہیں اور کوئی کام نہیں؟ اللہ اکبر اس کی بات سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تو مجھے دیکھ کر کہتا ہے کہ پیر صاحب رو

کیوں رہے ہیں؟ میں نے کہا بھائی بس منت کرتا ہوں قیامت کے دن یہی گواہی دے دینا کہ اسے اللہ اللہ کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا۔ تم قیامت کے دن گواہی دے دینا' میرا بیڑا پار ہو جائے گا۔

دیوانگی عشق:

حضرت خواجہ فضل علی قریشی مسکین پوریؒ کی خانقاہ پر ایک دفعہ دو بوڑھے بیٹھے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔ اب لوگ بڑے حیران کہ بھائی یہ دونوں متبع شریعت وسنت اور ذاکر وشاغل بندے ہیں، نیک روحیں ہیں، یہ کیوں ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں۔ ایک صاحب ذرا قریب گئے کہ دیکھیں تو سہی۔ وہ حیران ہوئے کہ ان کی لڑائی کی بنیاد یہ تھی کہ ان میں سے کسی ایک نے دوسرے کو کہہ دیا تھا اللہ میڈا ہے (اللہ میرا ہے)۔ اب دوسرے کو بھی یہ بات عجیب سی لگی وہ اس کے گریبان کو پکڑ کے ذرا جھنجھوڑ کے کہتا ہے نہیں اللہ میڈا ہے۔ دونوں اس بات پر الجھ رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے اللہ میڈھا ہے وہ کہتا ہے اللہ میڈا ہے۔ یہ محبت ہوتی ہے۔ اللہ اکبر..... اللہ رب العزت ہمیں اپنی سچی محبت نصیب فرمائے۔

واقعی جب اللہ کی محبت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ مہربانی فرما دیتے ہیں۔ خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ے ہور کہانی مول نہ بھانی
الف ہکو ہم بس وے میاں جی

مجھے اور کوئی کہانی اچھی نہیں لگتی۔ بس ایک الف ہی کافی ہے، الف سے کیا مراد ہے؟ اللہ۔ ایک اللہ ہی کافی ہے

ے ب ت دی میں کوں لوڑ نہ کائی
الف لیوم دل کھس وے میاں جی

جو ماسوا ہیں ان نہ سب کو بے تے بنا دیا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں میرا دل بس الف میں ہی لگا ہوا ہے۔

؎ رانجھن میڈا میں رانجھن دی
روز اصل دی ہس وے میاں جی

الست بربکم ؟قالو بلیٰ ادھر وعدے ہو چکے

ذکر اللہ دا چرخہ چلاویں
ہئی شابش شابش وے میاں جی
عشقوں مول فرید نہ پھر سوں
روز نویں ہم چس وے میاں جی

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ نئی چس روز عطا فرمادیں۔ نبی ﷺ نے دعا مانگی،

الھم انی اسئلك حبك

[اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں]

یہ وہ نعمت ہے جو اللہ کے محبوب ﷺ نے بھی اللہ سے مانگی۔ تو آج کی محفل میں ہم بھی اللہ سے یہی نعمت مانگتے ہیں۔ اللہ! اپنی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دیجئے۔

؎ تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت میں زندہ رکھے۔ اپنے محبوب کی سچی محبت عطا فرمادے۔ زندگی ایسی بن جائے کہ موت کے فرشتے آئیں اور وہ اعضا ٹٹولیں تو سنت نبوی سے ان کو مزین پائیں اور جب دل ٹٹولیں تو اللہ کی محبت سے بھرا پائیں۔ (آمین ثم آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

شوق میری سواری ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيْهِ.
وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلشَّوْقُ مَرْكَبِيْ
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلشَّوْقُ مَرْكَبِيْ [شوق میری سواری ہے]

شوق کسے کہتے ہیں؟

شوق کا لفظ قرآن مجید میں تو استعمال نہیں ہوا، تاہم حدیث پاک میں استعمال ہوا ہے۔ علماء کے نزدیک شوق اس جذبے کو کہتے ہیں جو محبّ کو محبوب سے ملاقات کے لئے بے قرار کر دیتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے، یہ وہ حالت ہے، یہ وہ دل کا جذبہ ہے جو محبّ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے محبوب سے ملاقات کرے۔ اس کو عربی میں شوق کہتے ہیں۔

عشق کے گھوڑے کی سواری:

جیسے ہم اپنی زبان میں بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں تو عشق کے گھوڑے

پر سوار ہے۔ یہ جو الفاظ ہیں کہ فلاں تو عشق کے گھوڑے پر سوار ہے، یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ یہ محبت ایسی نعمت ہے کہ جس بندے کو نصیب ہو جائے تو اس کا دل اللہ رب العزت کی ملاقات کے لئے تڑپتا ہے۔ اس کے دل میں ایک اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مجھے جلدی میرے محبوب حقیقی سے ملاقات نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ (انشقاق:٦)

کہ اے انسان! تو نے درجہ بدرجہ چڑھنا ہے اور بالآخر ایک دن اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے۔ محبت والوں کے لئے زندگی کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ ہم ایسے بن جائیں کہ اللہ رب العزت کو پسند آ جائیں۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، رفتار گفتار، کردار سب کچھ ایسا ہو کہ اللہ رب العزت ہمیں پسند کر لیں۔ دلہن کو کیوں سجاتے ہیں؟ اس لئے کہ وہ پہلی نظر میں اپنے میاں کو پسند آ جائے۔ مومن اپنے ظاہر کو نبی علیہ السلام کی سنتوں سے سجاتا ہے اور اپنے من کو اللہ رب العزت کی معرفت سے سجاتا ہے تاکہ جب اللہ کے حضور پیش ہو تو اپنے مالک کو پسند آ جائے۔

نبی علیہ السلام کی دعا:

حدیث پاک میں سید الاوّلین والآخرین محبوب رب العالمین کی ایک عجیب دعا ہے کہ اللھم انی اسئلك لذة النظر الیٰ وجهك۔ اے اللہ! میں آپ سے آپ کے دیدار کی لذت طلب کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے چہرہ انور کے دیکھنے کی لذت مجھے نصیب ہو جائے والشوق الیٰ لقائك۔ اور آپ سے ملاقات کا شوق مجھے نصیب ہو جائے۔ اب یہ حقیقت میں امت کی تعلیم کے لئے تھا کہ اللہ رب العزت سے ملاقات کا شوق ہماری زندگی میں ہونا چاہیے۔

شوقِ ملاقات.....آرزوؤں کا محور:

کہتے ہیں، جی حرص ہونی چاہیے، تمنا ہونی چاہیے۔ ہم اس چیز کو تمنا بنائیں۔ آج ہم اپنی تمناؤں کو دیکھیں..... دنیا جہاں کا کباڑ ہم نے اپنی تمنا بنالیا ہے۔

تیری دعا سے قضا بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
تیری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
میری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے

ہماری آرزو، ہماری تمنا، اللہ رب العزت کی رضا بن جائے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع بن جائے..... یہ ہے مقصودِ زندگی۔

اس لئے حدیث پاک میں آتا ہے۔

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَائَهُ.

[جو شخص اللہ رب العزت سے ملاقات کرنے کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند فرماتے ہیں اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنے کو ناپسند فرماتے ہیں]

اب ہم اپنے دل کی کیفیت کو دیکھیں، اگر دل میں ایک شوق ہے، ایک ولولہ ہے، ایک جذبہ ہے جو ہمیں دن رات بے چین رکھتا ہے..... اگر اللہ رب العزت سے ملاقات کی تمنا ہر وقت ہمارے دل میں ہے..... اگر ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ ''دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو'' ایسی کیفیت ہے تو پھر زندگی بامقصد گزر رہی ہے۔

بلکہ حدیث پاک میں آتا ہے۔

اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰى لِقَائِىْ وَ اَنَا اِلَيْهِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا

''جان لو کہ میرے نیک بندوں کا شوق میری ملاقات کے لئے بہت بڑھ گیا اور میں ان کی ملاقات کے لئے ان سے بھی زیادہ مشتاق ہوں''

انسان کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس کے دل میں اللہ رب العزت سے ملاقات کا شوق ہو پھر زندگی با مقصد ہو جاتی ہے۔ ایسی اللہ رب العزت کی محبت نصیب ہو جو دل کو گرما دینے والی ہو۔ جو دل کو تڑپا دینے والی ہو۔ یہی انسان کا مقصدِ زندگی ہے۔

نبی علیہ السلام کا اشتیاق:

جیسے لوگ کہتے ہیں کہ تم نے فلاں چیز کو نہیں دیکھا تو تم نے دنیا میں آ کر کیا دیکھا؟ سچی بات تو یہ ہے کہ جس نے روزِ محشر اللہ رب العزت کا دیدار نہ کیا، اس نے پھر پیدا ہو کر کیا کیا۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ وہ اپنے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر میں آئی ہوئی تھیں۔ آپ لیٹ گئے۔ حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد مجھے اپنے رخسار کے اوپر کوئی گرم چیز محسوس ہوئی۔ میں نے جب دیکھا تو نبی علیہ السلام کی مبارک آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور میرے چہرے پر گر رہے تھے۔ میں نے کہا۔ مـا يبكيك ؟ اے اللہ کے نبی! آپ کیوں رو رہے ہیں۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا اے حفصہ! تم نہیں سن رہیں، صحن میں تمہارا بھائی عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ تہجد میں قرآن پڑھ رہا ہے۔ قرآن کی آیت پڑھ رہا ہے۔

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْن . (مطففین: ۱۵)

[ہرگز نہیں بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار کے دیدار سے اوٹ میں ہوں گے]

یہ مجرم اور کفار لوگوں کے بارے میں ہے کہ قیامت کے دن وہ اللہ رب العزت کا دیدار نہیں کر سکیں گے، وہ حجاب اور پردے میں رہ جائیں گے۔ تو اس آیت کو سن کر

محبوب کا دل تڑپ اٹھا کہ کتنی بڑی محرومی ہے کہ اللہ کے دیدار سے محروم ہو جائیں گے اور محبوب کی آنکھ سے آنسو آ گئے۔ پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

حَفْصَۃ ! اَنَا مُشْتَاقٌ وَفِیَّ اِشْتِیَاقٌ

[میں مشتاق ہوں اللہ سے ملاقات کا اور میرے اندر شوق بھرا پڑا ہے]

کمالِ شوق:

ایسی اللہ رب العزت کی محبت نصیب ہو جو دل کو گرما دینے والی ہو، جو دل کو تڑپا دینے والی ہو، یہی انسان کا مقصد زندگی ہے۔ اسی لئے جب اللہ رب العزت سے محبت کامل نصیب ہوتی ہے پھر ہر چیز اور ہر کام میں بندے کا دھیان اللہ ہی کی طرف رہتا ہے، کہتے ہیں۔ زلیخا کو یوسف علیہ السلام سے محبت تھی اس نے ہر چیز کا نام یوسف رکھ دیا تھا۔ اور یہی حال مومن بندے کا ہوتا ہے کہ جب اللہ رب العزت کی محبت اس پر غالب ہوتی ہے پھر اس کا ہر وقت دھیان اللہ ہی کی طرف رہتا ہے۔

؎ جگ میں آکر ادھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

دل کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کوٹ مٹھن والے۔ انہوں نے عجیب الفاظ کہے۔ یہ استعارا ہے مگر اصل میں مقصود اللہ کی محبت ہے۔ فرماتے ہیں:

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں
میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا قبلہ کعبہ مسجد منبر مذہب تے قرآن وی توں

میڈے فرض فریضے حج زکوٰتا ں
صوم صلوٰۃ اذان وی توں
میڈا زہد عبادت طاعت تقویٰ
علم وی توں عرفان وی توں
میڈاذکر وی توں میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں
میڈی آس امید تے کھٹیا وٹیا
میڈا تکیہ مان تران وی توں
میڈا دھرم وی توں میڈا بھرم وی توں
میڈا شرم وی توں میڈی شان وی توں
میڈا خوشیاں دا اسباب وی توں
میڈے سولاں دا سامان وی توں
میڈی مہندی کجل مساگ وی توں
میڈی سرخی بیڑا پان وی توں
میڈا حسن سوہاگ تے بھاگ وی توں
میڈا بخت تے نام نشان وی توں
میڈے ٹھڈھڑے ساہ تے مونج موجاری
میڈے ہنجواں دا طوفان وی توں
میڈا اول آخر اندر باہر
میڈا ظاہر تے پنہان وی توں
جے یار فرید قبول کرے
سرکار وی توں سلطان وی توں

یہ بندے کی کیفیت ہوتی ہے، محبوب کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے۔ یہ مومن کا مقصد زندگی ہے کہ اللہ رب العزت کی ایسی محبت ہو کہ اس کا دل اللہ رب العزت کی ملاقات کے لئے تڑپ جائے۔

ملاقات کی تیاری:

اللہ رب العزت سے ملاقات کے لئے بندے کو تیاری کرنا پڑتی ہے۔ آپ خود غور کریں کہ اگر صدر صاحب کسی بندے کو اپنے پاس بلائیں تو وہ جانے سے پہلے کپڑے بناتا ہے، مشورے کرتا ہے، سوچتا ہے کہ مجھے کیا باتیں کہنی ہیں۔ اس طرح وہ ملاقات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے۔ دنیا میں بھی دوست دوست کی ملاقات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے۔ بیوی خاوند کی ملاقات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتی ہے۔ اسی طرح مومن اپنے محبوب حقیقی کی ملاقات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے۔ دنیا کا دوست تو چہرے کو دیکھتا ہے مگر اللہ رب العزت بندے کے چہرے کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ بندے کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَ اَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ.

[بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتے تمہاری شکلوں صورتوں کو اور تمہارے اموال کو، وہ دیکھتے ہیں تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو]

اب جس چہرے کو دنیا دیکھتی ہے۔ اس کو تو ہم دن میں کتنی مرتبہ دھوتے ہیں۔ اور جس چہرے کو پروردگار دیکھتا ہے۔ کاش کہ توبہ کے ذریعے ہم اس دل کے چہرے کو بھی دھو لیتے۔ اس دل کو ہم نے کباڑ کا بورا بنا لیا ہے۔ اِدھر نظر پڑی اس کی محبت..... اُدھر نظر پڑی اس کی بھی محبت دل میں آ گئی۔ جیسے ڈریش کین ہوتے ہیں کہ جو کوئی فالتو چیز ہے اس میں ڈال دو۔ آج کے مومن کا دل ڈریش کین بنا ہوا ہے۔

جدھر نظر اٹھتی ہے اسی کی محبت آجاتی ہے۔

دل وقف کا مال ہے:

بھئی یہ دل تو اللہ رب العزت نے فقط اپنے لئے بنایا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید کی آیت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(التوبة:111)

[بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں کو اور مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا]

اب طالب علم کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے پاس جب کچھ استطاعت ہوتی ہے تو وہ پہلے گھر خریدتا ہے۔ ہر بندے کی یہ چاہت ہوتی ہے کہ میرے پاس کچھ بچت ہوگئی تو میں گھر خریدوں گا۔ مومن کا دل اللہ کا گھر ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں گھر کا تذکرہ تو نہیں کیا کہ میں نے مومن سے اس کے دل کو یعنی اپنے گھر کو خرید لیا۔ بلکہ فرمایا، میں نے مومن سے اس کی جان اور اس کے مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے..... دل کا تذکرہ کیوں نہ آیا؟ ..... علماء نے یہاں پر ایک نکتہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بندے کا دل اللہ کا گھر ہے۔ قلب عبد اللہ عرش اللہ ہے، اللہ کا عرش ہے۔ اللہ نے اس کو اپنے لئے خاص کرلیا، وقف کرلیا ہے اور جو وقف کی جائیداد ہوتی ہے شریعت میں اس کی بیع وشراع کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دل کو تو اپنے لئے وقف کرلیا۔ باقی جان اور مال بچا اس کو بھی جنت کے بدلے میں خرید لیا۔ لہٰذا یہ دل تو ہے ہی وقف کی جائیداد، اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر لی۔ اے میرے بندے تیرے دل میں بس میرا راج ہو، میری محبت چھائی ہوئی ہو۔ تیرے دل میں اللہ رب العزت کی محبت آجائے ..... اللہ کی محبت سما جائے

..... بلکہ تیرے دل میں اللہ کی محبت چھا جائے، یہ ہے مقصدِ زندگی۔

یہ کیفیت جب ہوتی ہے تو پھر بندے کے اندر ایک شوق، جذبہ اور ولولہ ہوتا ہے۔ اسے موت کا انتظار رہتا ہے۔ اسے اللہ سے ملاقات کا انتظار رہتا ہے اور پھر وہ نیک اعمال پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

ملاقات کیلئے نیک اعمال ضروری ہیں:

یاد رکھیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا. وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (الکھف:۱۱۰)

جو اللہ رب العزت سے ملاقات کی تمنا رکھتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ نیک اعمال کرے۔ نیک اعمال اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری کیلئے ہیں۔ آگے ایک بات اور فرمائی..... وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا..... اور کسی کو اللہ کی عبادت میں شریک نہ کرے۔ عبادت میں شریک نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم غیر سے محبت نہ کرنا۔ اگر اللہ سے ملاقات کی تمنا رکھتے ہو تو نیک اعمال کرو تا کہ تمہیں زیادہ سے زیادہ قرب نصیب ہو۔ دیکھیں! محفل میں فرنٹ سیٹ بھی ہوتی ہے اور درمیان والی بھی ہوتی ہے اور آخری بھی ہوتی ہے۔ جب اللہ رب العزت کے سامنے ملاقات کے لئے جنت میں جائیں گے تو فرنٹ سیٹوں پر تو انبیاء ہوں گے۔ پھر صدیقین ہوں گے، پھر جب عام لوگ شروع ہوں گے تو اب یہ بندے کے اعمال پہ منحصر ہے۔ جتنا نیکیوں کا زیادہ ذخیرہ ہوگا اتنا اس کو قرب کی جگہ ملے گی۔ تو اس قرب کی جگہ پانے کے لئے فرمایا۔ .....فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا..... مال زیادہ ہو تو فرسٹ کلاس کی بکنگ کرواتے ہیں۔ فرمایا کہ تم نیکیوں کا مال اکٹھا کر لو پھر ہماری بزم میں تمہیں بھی فرسٹ کلاس کی

سیٹیں مل جائیں گی۔ مگر ایک بات یاد رکھنا..... وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا ۔ اگر غیر سے محبت کرو گے تو پھر ہماری دید کے قابل نہیں رہو گے، پھر ہم تمہیں جنت میں داخلہ ہی نہیں دیں گے۔ اس لئے کہ غیر سے محبت کرنا ہمیں ذرا پسند نہیں۔ آج دیکھو نفسانی، شیطانی، شہوانی محبتیں دلوں میں بھری ہوئی ہیں۔ مخلوق کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں اور محبوب حقیقی کے دفتر سے اپنا نام کٹوا لیتے ہیں۔

ملاقات ہو کے رہنی ہے:

اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو کے رہنی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا..... مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا ..... جو اپنے رب سے ملاقات کی تمنا رکھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات ہونے ہی والی ہے۔ اسی تڑپ میں، اسی تمنا میں بندہ اپنی زندگی گزارتا ہے، دوڑ دوڑ کے نیک اعمال کرتا ہے۔ یاد رکھیں! غلام، باندی، نوکر، چاکر، مالک کا دل خوش کرنے کے لئے دوڑ دوڑ کے کام کرتے ہیں۔ مومن اسی طرح اپنے محبوبِ حقیقی کو خوش کرنے کے لئے بھاگ بھاگ کر نیکیاں کرتا ہے، وہ تھکتا ہی نہیں ہے۔

ملاقات کا شوق اور پیشی کا خوف:

عزیز طلباء! دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے اللہ رب العزت سے ملاقات کا شوق، یہ بندے کو نیکی پر برانگیختہ کر دیتا ہے، بندے کو نیک اعمال پر لگا دیتا ہے۔ اور ایک ہے اللہ رب العزت کے سامنے پیشی کا خوف، یہ بندے کو گناہوں سے بچا لیتا ہے۔ یہ دونوں نعمتیں ہیں۔ جب بندے کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق پیدا ہو جاتا ہے تو وہ مالک کو خوش کرنے کیلئے بھاگ بھاگ کر نیکیاں کرتا ہے اور جب انسان کو یہ ڈر ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے..... کیا چہرہ دکھاؤں گا تو پھر بندہ گناہوں سے اپنے

آپ کو بچالیتا ہے۔

عُشاق کی راتیں

اور یہ اللہ کی ملاقات کا شوق بندے کو نیک اعمال پر کھڑا کر دیتا ہے۔ یہ شوق مومن کو تھکنے نہیں دیتا، ہمارے اکابر رات کے اندھیرے کے اس طرح منتظر ہوا کرتے تھے جیسے دلہا دلہن سے ملاقات کے لئے رات کا منتظر ہوا کرتا ہے۔ وہ خلوت کے وقت کو جس میں وہ اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں اس طرح محبوب رکھتے ہیں۔ اسی لئے ابرار کی صبح تو سورج نکلنے سے ہوا کرتی ہے مگر مقربین کی صبح، سورج کے غروب ہونے پر ہوا کرتی ہے۔

کتنی چھوٹی رات:

ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کو عبادت کرتے ہوئے وقت کی کمی کا احساس رہتا ہے۔ ایک مرتبہ سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے سردیوں کی لمبی رات میں دو رکعت کی نیت باندھی۔ قرآن پڑھتی رہیں، پڑھتی رہیں، کچھ ایسا طبیعت میں ولولہ تھا، جذبہ تھا، شوق تھا کہ جب سلام پھیرا تو فجر کی اذان ہونے کا وقت بالکل قریب تھا..... دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور رونے لگ گئیں، دعا یہ کی کہ اللہ!..... میں نے تو دو ہی رکعت کی نیت باندھی تھی، تیری راتیں کتنی چھوٹی ہیں، میری دو رکعت میں تیری ساری رات ختم ہوگئی..... ان کو وقت کے کم ہونے کا شکوہ ہوا کرتا تھا۔

سچے عاشق کی رات:

اخلاق الصالحین میں علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ اے داؤد! جھوٹا ہے وہ

شخص جو میری محبت کا دعوی کرے اور رات آئے تو سو جائے ..... کیا ہر عاشق اپنے معشوق کے ساتھ تنہائی نہیں چاہتا۔ اگر ان کے دل میں میری محبت تھی تو ان کو چاہیے تھا رات کے آخری پہر اٹھتے اور میرے سامنے سر بسجود ہوتے، مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کرتے۔ جب دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے تو پھر رات کے آخری پہر میں بستر بندے کو اچھال دیتا ہے۔ بندہ کتنا ہی تھکا ہوا کیوں نہ ہو، نیند بہت زور کی آئی ہوئی ہو۔ مگر وہ رات کا ایسا وقت ہوتا ہے کہ بستر اچھال دیتا ہے اور اللہ کے بندے وضو کر کے اللہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اللہ رب العزت سے وہ محبت مانگیں جو ہمارے دل کو بے قرار کر دے اور ہمیں نیک اعمال پر کھڑا کر دے۔

امام ابوحنیفہؒ کا معمول:

اس لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ کا چالیس سال تک یہ معمول رہا کہ عشاء سے لیکر فجر تک تہجد میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اور جب رمضان المبارک آتا، ایک مہینے میں تریسٹھ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک قرآن مجید دن میں، ایک رات میں اور تین قرآن مجید تراویح کی نماز میں۔ جیسے پیاسے بندے کو بادام کا شربت دے دیا جائے تو رغبت اور شوق کے ساتھ گھونٹ بھرتا ہے۔ اور ہر ہر گھونٹ سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اللہ والے جب قرآن پڑھتے ہیں وہ قرآن کے ایک ایک لفظ کو پڑھتے ہوئے یوں انجوائے کر رہے ہوتے ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ اے اللہ!

دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ
رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ

محبت کی نشانی:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک باندی خریدی۔ وہ بیمار اور دبلی پتلی سی تھی، کم قیمت میں مل گئی۔ وہ سارا دن میری خدمت میں لگی رہتی اور رات آتی تو مصلے پر کھڑی ہو جاتی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ تہجد کے بعد وہ دعا کر رہی تھی۔ یا اللہ! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم!.....تو میں نے اونچی آواز میں کہا کہ اے لڑکی! یوں مت کہو۔ ایسے کہو اللہ! مجھے آپ سے محبت رکھنے کی قسم۔ جب میں نے یہ کہا تو وہ ناراض ہو گئی۔ کہنے لگی کیوں؟ اگر اللہ رب العزت کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو آپ کو یوں میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے بول ساری رات مصلے پر نہ جگاتا۔ محبت ہے تو اس نے مجھے جگایا ہے۔ محبت والوں کی تو یہ نشانی ہے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

آج تو شوق کی کمی اس حد تک ہو گئی کہ نماز بھی پڑھتے ہیں تو فقط فرض نماز..... جی یہ سنت غیر موکدہ ہے، یہ نفل ہے۔ نفلیں تو بالکل پڑھی ہی نہیں جاتیں۔ پتہ نہیں نماز پڑھنا اتنا بوجھ کیوں ہو گیا؟ جب بھی موقع ملے نفلیں ضرور پڑھیے۔ کیا پتہ زمین کے کس ٹکڑے پر کیا ہوا سجدہ میرے مالک کو پسند آ جائے۔

ستر سال کی عمر میں ستر طواف

اکابر میں سے ایک بزرگ تھے جن کی ستر سال عمر تھی اور وہ روزانہ ستر طواف کرتے تھے۔ ایک طواف کے سات چکر ہوتے ہیں اور ستر طواف کے چار سو نوے چکر ہو گئے۔ میلوں کے حساب سے فاصلہ بنتا ہے۔ اس سے بھی بڑی بات ہر طواف کے ساتھ دو رکعت نفل ہیں۔ تو ستر ضرب دو ایک سو چالیس نفل صرف طواف کے اور باقی عبادت اس کے علاوہ تھی۔ کیسے وہ اتنی عبادتیں کر لیتے تھے۔

ایک سوبیس سال کی عمر میں سوواں حج

چند سال پہلے کی بات ہے کہ یمن کے ایک آدمی، بڑے میاں حج میں شریک تھے۔ وہ کہنے لگے کہ جب میں بیس سال کا تھا تو میں نے پہلا حج کیا تھا۔ اور آج ایک سوبیس سال میری عمر ہے اور میں زندگی کا سوواں حج مکمل کر رہا ہوں۔ اور ان میں سے اسی حج اس نے پیدل چل کر کیے تھے۔ اللہ اکبر۔ کرنے والے بہت کچھ کر کے لے گئے۔ ہم تو دنیا کے جھنجھٹوں میں ہی الجھ کر اپنی زندگی کا وقت بے کار ضائع کر بیٹھے۔ اگر غور کریں گے تو ہمارا نامہ اعمال بہت خالی ہے۔

حضرت قاری رحیم بخشؒ کا معمول

حضرت قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ عمرے کے لئے تشریف لے گئے تو کچھ دن مکہ مکرمہ میں قیام رہا۔ فرماتے ہیں کہ جتنے دن مکہ مکرمہ قیام رہا، میں نے ہر نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ پہلی صف میں امام کے پیچھے ادا کی۔ ہمیں ایک نماز بھی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ پہلی صف تک جانا ہی اتنا مشکل ہے۔

اللہ کے پڑوسی

علامہ زمخشریؒ جنہوں نے تفسیر کشاف لکھی، وہ جب حرم شریف کی زیارت کے لئے گئے تو بیت اللہ شریف میں ان کا اتنا وقت گزرتا اتنا گزرتا کہ عرب لوگوں نے ان کا نام جار اللہ، اللہ کا پڑوسی رکھ دیا۔ کتنا وقت مسجد میں گزارتے ہوں گے کہ لوگوں نے ان کو جار اللہ کہنا شروع کر دیا۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کے سامنے مطاف میں بیٹھ کر پورے قرآن پاک کی تلاوت اس طرح کی کہ ایک آیت پڑھتا اور اگر وہ خوشخبری والی آیت ہے تو جنت کی دعا مانگتا اور اگر وعید

کی آیت ہے تو جہنم سے پناہ مانگتا۔ ایک ایک آیت پر دعا مانگتے مانگتے میں نے الف لام میم سے لیکر والناس تک پورا قرآن بیت اللہ کے سامنے پڑھا۔

ذوقِ نظر

جب تمنا دل میں ہوتی ہے تو پھر بندہ سوچتا ہے کہ میں اپنے رب کو کیسے منا سکتا ہوں۔ پھر آنکھوں سے جھڑی لگ جاتی ہے۔ جی ہاں۔

خود تو پردے میں ہیں اوروں کو ذوق نظر دیتے ہیں
اور بھی تیز میرے شوق کو کر دیتے ہیں
پہلے خود آگ لگا جاتے ہیں آ کر دل میں
پھر بجھانے کے لئے دیدہ تر دیتے ہیں

پہلے دل میں اپنی محبت کی آگ بھڑکا دیتے ہیں پھر بجھانے کے لئے دیدہ تر دے دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی واقعی یہ کیفیت تھی۔ جب دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہو تو پھر بندے کو اللہ کا وقت ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شاعر نے کہا۔

بجز از وصل ہر چیزے فضول است
ز صد دنیا مرا وصل قبول است
ز من پرسی دخول جنت چیست
مثال دوست در جنت دخول است

[وصل کے علاوہ ہر چیز فضول ہے، سو دنیاؤں کے مقابلے میں بھی مجھے وصلِ محبوب ہی قبول ہے، اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ جنت میں داخل ہونا کیا ہے؟ تو دوست کی ملاقات جنت میں داخل ہونے کا دوسرا نام ہے]

بناوٹی مجنوں

ہمیں آج ذکر میں بیٹھنے کے لئے پانچ منٹ کی فرصت نہیں ہوتی۔ اگر پوچھیں کہ مراقبہ کرتے ہیں۔ او جی وقت ہی نہیں ملتا۔ واہ بھئی واہ! مجنوں سے پوچھیں کہ جناب لیلیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ وہ آگے سے جواب دے کہ وقت ہی نہیں ملتا۔ تو ہر بندہ کہے گا بناوٹی مجنوں۔ ہمارا بھی یہی حال ہے۔

اللہ رب العزت کی ملاقات حقیقت میں جنت میں داخلے کا مقصود ہی یہی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کریں۔

مجھے اپنی پستی کی شرم ہے
تیری رفعتوں کا خیال ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں
اسے پھر بھی شوق وصال ہے

اے اللہ! گناہ گار بہت ہوں۔ مگر آپ سے ملاقات کا متمنی ہوں۔ ملاقات وہ جو بچھڑا ہوا دوست دوست کے ساتھ کیا کرتا ہے، میں ایسی ملاقات چاہتا ہوں اور واقعی ایسا ہی ہوگا۔

دلہن کی نیند سو جا.....

حدیث پاک میں آتا ہے کہ مومن بندہ جب فوت ہوتا ہے اور قبر میں پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرا یہ بندہ دنیا سے تھکا ماندہ آیا ہے..... سبحان اللہ..... جنہوں نے دنیا میں مجاہدے کیے ہوں گے، راتیں جاگ کر اللہ کے لئے گزاری ہوں گی، دین کے لئے اپنے جسم کو خوب تھکایا ہوگا، وہ جب قبر میں پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا ان فرشتوں کیلئے کہ یہ بندہ دنیا سے تھکا ماندہ آیا ہے۔ اس

سے کہو

نم کنومة العروس [دلہن کی نیند سوجا]

عروس عربی میں دلہن کو کہتے ہیں، تو دلہن کا نام لیا جائے گا کہ دلہن کی نیند سو جا۔ اب یہاں محدثین نے ایک بحث لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ میٹھی نیند سوجا، پرسکون نیند سوجا، آرام کی نیند سوجا مگر کہا گیا کہ دلہن کی نیند سوجا۔ فرماتے ہیں اس میں یہ راز ہے کہ جب دلہن سوتی ہے تو دلہن کو وہی جگاتا ہے جو اس کا خاوند، اس کا محبوب ہوتا ہے۔ یہ مومن آج قبر میں سو رہا ہے، کل قیامت کے دن اس کو وہی جگائے گا جو اس کا محبوب حقیقی ہوگا۔ دلہن کی آنکھ کھلتی ہے تو نظر خاوند کے چہرے پر پڑتی ہے، مومن کی آنکھ کھلے گی تو محبوب حقیقی کا دیدار ہوگا۔ تو میرے دوستو! کچھ لوگوں کو کہا جائے گا..... نم کنومة العروس..... اور ایسے نہ ہو کہ کسی کو کہہ دیا جائے۔ نم کنومة المنحوس (منحوس کی نیند سوجا)۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت سے اس کی محبت مانگیں۔

لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ غیر محرم پر گناہ کی قدرت پالے یعنی ایسا موقع ہے کہ اگر وہ چاہے تو غیر محرم کے ساتھ گناہ میں ملوث ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر وہ اللہ کے خوف سے ڈر جاتا ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔ جی ہاں! گناہ کی دعوتیں ملتی ہیں..... کبھی بے پردہ چلنے والی عورتیں دے رہی ہوتی ہیں..... کبھی تصویریں دعوتِ گناہ دے رہی ہوتی ہیں..... کبھی انٹرنیٹ پر دعوتِ گناہ مل رہی ہوتی ہے تو اس دعوتِ گناہ کے جواب میں جو کہے گا..... انی اخاف اللہ..... میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یا یوسف علیہ السلام کی طرح کہے گا..... معاذ اللہ..... میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کو اللہ رب العزت، س کے

سے کہو

نم کنومة العروس [دلہن کی نیند سوجا]

عروس عربی میں دلہن کو کہتے ہیں، تو دلہن کا نام لیا جائے گا کہ دلہن کی نیند سو جا۔ اب یہاں محدثین نے ایک بحث لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ میٹھی نیند سوجا، پرسکون نیند سوجا، آرام کی نیند سوجا مگر کہا گیا کہ دلہن کی نیند سوجا۔ فرماتے ہیں اس میں یہ راز ہے کہ جب دلہن سوتی ہے تو دلہن کو وہی جگاتا ہے جو اس کا خاوند، اس کا محبوب ہوتا ہے۔ یہ مومن آج قبر میں سو رہا ہے، کل قیامت کے دن اس کو وہی جگائے گا جو اس کا محبوب حقیقی ہوگا۔ دلہن کی آنکھ کھلتی ہے تو نظر خاوند کے چہرے پر پڑتی ہے، مومن کی آنکھ کھلے گی تو محبوب حقیقی کا دیدار ہوگا۔ تو میرے دوستو! کچھ لوگوں کو کہا جائے گا..... نم کنومة العروس .....اور ایسے نہ ہو کہ کسی کو کہہ دیا جائے۔ نم کنومة المنحوس (منحوس کی نیند سوجا)۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت سے اس کی محبت مانگیں۔

لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ غیر محرم پر گناہ کی قدرت پالے یعنی ایسا موقع ہے کہ اگر وہ چاہے تو غیر محرم کے ساتھ گناہ میں ملوث ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر وہ اللہ کے خوف سے ڈر جاتا ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔ جی ہاں! گناہ کی دعوتیں ملتی ہیں .....کبھی بے پردہ چلنے والی عورتیں دے رہی ہوتی ہیں .....کبھی تصویریں دعوتِ گناہ دے رہی ہوتی ہیں..... کبھی انٹرنیٹ پر دعوتِ گناہ مل رہی ہوتی ہے تو اس دعوتِ گناہ کے جواب میں جو کہے گا..... انی اخاف اللہ ..... میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یا یوسف علیہ السلام کی طرح کہے گا.....معاذ اللہ..... میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کو اللہ رب العزت اس کے

بدلے اپنے دیدار کی لذت عطا فرمائیں گے۔ آج چند لمحوں کی لذتوں کی خاطر ہم اپنے آپ کو اللہ کے دیدار سے محروم بنا لیتے ہیں۔

لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی

کیا فائدہ ملتا ہے اِدھر اُدھر نظر اٹھانے کا۔ چند لمحوں کی خاطر اللہ کے دفتر میں ہمارا کیا نام لکھا جاتا ہوگا۔ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے دل میں اللہ رب العزت کی محبت کو بسالیں۔

مومن کی بے قراری

اسی لئے دنیا میں مومن کا دل اللہ کی ملاقات کیلئے بے قرار رہتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین فرزندِ ارجمند حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ تصوف اضطراب کا دوسرا نام ہے۔ جو تصوف میں لگتا ہے اس کا دل اللہ رب العزت کی ملاقات کے لئے ہر وقت مضطرب رہتا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ

لَا مَلْجَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْه .

زمین اپنی پوری فراخی کے باوجود اس کے لئے تنگ ہو جاتی ہے۔ اس کو اللہ سے ملاقات کا یوں جی چاہتا ہے۔

اسی لئے تو مومن نمازیں پڑھتا ہے۔ نماز کا مقصد کیا بتایا گیا؟۔ فرمایا،

اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّك تَرَاهُ

تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاك

اگر یہ کیفیت حاصل نہیں تو کم از کم ایسے تو نماز پڑھو کہ گویا اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ ہماری نہ یہ حالت ہے نہ وہ حالت ہے تو پھر ہماری نماز کیسی؟۔

محبت کا چراغ

جیسے چراغ روشن ہو جائے تو کیڑے مکوڑے سب بھاگ جاتے ہیں اسی طرح محبت کا چراغ اگر دل میں روشن ہو جائے تو یہ جو ماسوا کی محبتوں کے کیڑے مکوڑے ہیں یہ سب بھاگ جائیں گے۔ اس لیے محبت کا چراغ روشن کر لیجئے۔ ایسے بندے کو پھر بس اللہ رب العزت کی ملاقات چاہیے۔ یہ بیمار عشق ہوتا ہے۔ وہ کسی نے کہا۔

دیکھی نبض جو میری تو کاغذ لیا
کچھ دیر سوچا عشق کا بیمار لکھ دیا
قربان کیوں نہ جاؤں میں ایسے طبیب پر
نسخے میں جس نے شربت دیدار لکھ دیا

طبیب نے نسخہ لکھا کہ اس کو تو شربت دیدار چاہیے۔ یہ بندے کی کیفیت ہونی چاہیے۔

شربتِ دیدار سے افطار

عبداللہ مخذومی رحمۃ اللہ علیہ جنگ یمامہ میں شریک تھے، اتنے زخمی ہوئے کہ جسم کے ہر عضو پر زخم آیا۔ خون نکل رہا ہے اور عصر کے قریب کا وقت ہے۔ سارے دن کی گرمی میں وہ جہاد کرتے رہے۔ کسی نے دیکھا تو پانی لایا۔ عبداللہ پانی پی لو۔ عبداللہ نے اپنے ہونٹ بند کر لیے، منہ بند کر لیا۔ اس نے پوچھا، عبداللہ شدت کی پیاس، گرمی ہے، پانی کیوں نہیں پیتے؟ عبداللہ نے جواب دیا، میں روزے کی حالت میں ہوں۔ اور اب شربت دیدار سے روزہ افطار کرنا چاہتا ہوں۔ بندے کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

موت کے منتظر عاشق

اسی لئے اللہ والوں کو موت پیاری لگتی ہے۔ دنیا دار موت سے ڈرتے ہیں، اللہ

والے موت کے منتظر ہوتے ہیں۔ ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور بتایا کہ اللہ رب العزت نے بھیجا ہے کہ میں آپ کی روح کو قبض کروں۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے ایک سوال پوچھا۔ فرمایا،

هل رأيت خليلا يقبض روح خليله.

[کیا تم نے کسی خلیل کو دیکھا ہے جو اپنے خلیل کی روح کو قبض کر رہا ہو]

تو ملک الموت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے، اے اللہ! آپ کے خلیل تو یہ کہہ رہے ہیں کہ کیا تم نے کسی خلیل کو دیکھا ہے جو خلیل کی روح کو قبض کر رہا ہو۔ اللہ رب العزت نے فرمایا، جاؤ اور میرے خلیل کو کہہ دو۔

هل رأيت خليلا يكره لقاء خليله.

کیا تم نے کسی دوست کو دیکھا ہے جو دوست سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہو۔ تو ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ میری روح کا نکلنا، میرے رب کی ملاقات کا ذریعہ ہے۔ فرمانے لگے..... ملك الموت! اجل اجل ..... جلدی کر جلدی کر روح کو قبض کر لے مجھے میرے اللہ کے پاس لے چل۔

عشق کے بیماروں کا علاج

جن کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے ان کے دل کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ ان کو اللہ رب العزت کا دیدار چاہیے۔ موت کے وقت طبیب آتے ہیں کہ فلاں ٹیکہ دے دو، فلاں ڈرگ دے دو جب کہ انہیں دید کی تمنا ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا:

؎ بر سر بالین من برخیز اے نادان طبیب
درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

[اے میرے پاس بیٹھے ہوئے نادان طبیب! جو عشق کے درد مند ہوتے ہیں، ان کو دیدار کے سوا اور کوئی دارو نہیں چاہیے ہوتا]

ایک نعت ہے۔

ساڈے ول سوہنڑیاں نگاہواں کدوں ہونڑیاں
دسو منظور اے دعاواں کدوں ہونڑیاں
عشق دے بیماراں نوں دارو کوئی نہیں چاہی دا
انہاں دا علاج ہے دیدار سوہنڑے ماہی دا
عشق کے بیماراں نوں شفاواں کدوں ہونڑیاں
ساڈے ول سوہنڑیاں نگاہواں کدوں ہونڑیاں

جن کے دل میں محبت ہوتی ہے وہ تو فقط دیدار چاہتے ہیں۔

اپنے یار کو منالیا.....

نقشبندی سلسلہ کے ایک بزرگ تھے۔ اللہ کی شان کہ ان پر آخری گھڑیاں آگئیں۔ ان کی ایک دو تین سال کی بیٹی تھی جس کا نام حفصہ تھا۔ وہ اپنے ابو کے پاس آیا کرتی تھی اور ان کے سینے پر لیٹ جاتی تھی، کھیلتی تھی، باتیں کرتی تھی۔ آخری وقت میں جب وہ آئی اور اپنے ابو کے سینے پر لیٹی تو ابو نے اس کو کوئی Responce (توجہ) نہ دی۔ وہ بچی تھی ایک دو دفعہ اس نے ابو کو متوجہ کرنے کی کوشش کی جب وہ متوجہ نہ ہوئے تو وہ ان کے سینے سے اتری اور دوسرے کمرے میں جا کر رونا شروع کر دیا۔ ماں نے پوچھا بیٹی کیوں رو رہی ہے۔ اس نے کہا، ابو مجھ سے نہیں بولتے اور میں نے ابو سے نہیں بولنا، میں نے بھی کٹی کر لی ہے، میں ابو سے نہیں بولوں گی۔ ماں اس بچی کو لے کر اپنے میاں کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ دیکھیں آپ حفصہ سے کیوں نہیں بولتے؟ حفصہ کہہ رہی ہے میں نے ابو سے نہیں بولنا۔ آپ ذرا بولیں ناں حفصہ کو منالیں۔ جب بیوی نے کہا کہ آپ حفصہ کو منالیں تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور

فرمانے لگے۔کون سی حفصہ اور کیسی حفصہ؟ ہم نے تو اپنے یار کو منالیا..... لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ..... کلمہ پڑھا اور ان کی روح پرواز کر گئی، یہ اللہ والوں کی زندگی ہوتی ہے۔آخری وقت میں بس اللہ کی محبت ان کے دل میں ایسی بھری ہوتی ہے کہ بس غیر کی محبتوں سے دل خالی ہو جاتا ہے۔اللہ رب العزت ہمیں بھی قیامت میں اپنا دیدار عطا فرمادے۔

پہلے ''جار'' پھر دار

رابعہ بصریہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اپنا گھر کیوں نہیں بنا لیتیں؟ تو انہوں نے کہا:

الجار ثم الدار (پہلے پڑوسی پھر گھر)

پہلے پڑوسی کو مناؤں گی، پڑوسی مان گیا تو پھر گھر بھی پاس بنالوں گی۔اسی لئے آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا جو فرعون کی بیوی تھیں، ایمان لے آئیں۔انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایک بڑی پیاری دعا مانگی۔ ان کی دعا اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے کلام کا حصہ بنالیا۔دعا مانگی:

رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ.

[اللہ جنت میں اپنے قرب کا مقام عطا فرمادے]

صرف جنت کا گھر نہیں مانگا بلکہ اللہ رب العزت کے قرب کا مقام مانگا۔یہ ہے اصل چیز کہ اپنے قرب کا مقام عطا فرمادے۔اللہ رب العزت ہمیں بھی یہ نعمت نصیب فرمادے۔اس لئے جب مومن قیامت کے دن اٹھے گا تو آواز آئے گی۔

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○ (الفجر: ۲۷۔۳۰)

[اے اطمینان والی روح اپنے رب کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا]

موت کے وقت مومن کی کیفیت

اس لئے مومن کو جب موت آتی ہے تو وہ ہشاش بشاش ہوتا ہے۔

؎ نشانِ مردِ مومن بات گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

اس کے لبوں پہ تبسم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے محبوب کی طرف جا رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی جب وفات ہوئی تو ان کے خلیفہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب شعر لکھا۔ فرماتے ہیں۔

؎ خروے سینی بدن تو تنہا می روی
سخت بے مہری کہ بے ما می روی

[اے نازک بدن والے! آپ اکیلے جا رہے ہیں، یہ تو بڑی بے وفائی کی بات ہے کہ میرے بغیر جا رہے ہیں]

؎ اے تماشا گاہے عالم رو تو
تو کجا بہر تماشہ می روی

[اے وہ شخص! کہ ساری دنیا کے لئے آپ کا چہرہ تماشہ گاہ تھا اور وہ آپ کے چہرے پر نظریں جمائے رکھتی تھی۔ اب تو کس کا تماشہ دیکھنے کے لئے جا رہا ہے]

جن کے چہروں کو ساری دنیا دیکھتی ہے۔ وہ جب فوت ہونے لگتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ اب ہم محبوب حقیقی کا چہرہ دیکھنے کے لئے جا رہے ہیں۔

ایک نکتہ کی بات

آج کے نوجوان جنت اس لئے مانگتے ہیں کہ حوریں ملیں گی، پھل اور میوے ہونگے اور وہاں دودھ اور شرابِ طہور کی نہریں ہوں گی اس لیے بڑے خوش ہوکر جنت مانگتے ہیں۔ ذرا نکتہ سمجھ لیں کہ مہمان کے آنے پر خوشی بچوں کو بھی ہوتی ہے اور بڑوں کو بھی۔ لیکن بچوں کو خوشی اس لئے ہوتی ہے کہ دعوت ہے، پلاؤ پکے گا، حلوہ پکے گا، آئس کریم منگائی جائے گی اور ہماری بھی باری آجائی گی۔ بچوں کو تو خوشی اس لئے ہوتی ہے۔ جب کہ گھر کے بڑوں کو خوشی اس لئے ہوتی ہے کہ مہمان آرہا ہے، ملاقات ہوگی، کچھ دیر کے لئے ایک دوسرے سے گپ شپ ہوگی۔ اسی طرح جو نوجوان جنت کو اس لئے چاہتے ہیں کہ حوریں ملیں گی، پھل ملیں گے، کھانے پینے کی چیزیں ہوں گی، یہ بچوں کی خوشی ہے۔ اور جو سمجھ دار اور بالغ نظر ہوتے ہیں، وہ جنت کو اس لئے طلب کرتے ہیں کہ جنت اللہ رب العزت کی ملاقات گاہ کا دوسرا نام ہے۔

جنت.....اللہ تعالیٰ کا مہمان خانہ

آج محبوب نے ملاقات کرنی ہو تو گھر کو سجایا جاتا ہے، مہمان نے آنا ہو تو گھر کو سجایا جاتا ہے۔ جیسے ہم اپنی حیثیت کے مطابق اس جگہ کو سجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی ملاقات کی جگہ کو سجایا اور اس کا نام جنت رکھ دیا۔

وَ اللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَام (یونس: ۲۵)

[اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی والے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے]

ہم بھی کارڈ بھیجتے ہیں۔ یہ اللہ کا قرآن بھی ہمیں کارڈ دے رہا ہے۔ جیسے کہتے ہیں نا کہ Entery by invitation کہ دعوت نامے کے ذریعے ہی داخلہ ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے بندوں کو انوائیٹ کردیا..... واللہ یدعوا الیٰ دار

السلام..... اللہ اکبر۔اب جب مومن قرآن مجید میں پڑھتا ہے کہ اللہ نے جنت کی طرف بلایا ہے، کیا وہ پھر پیچھے ہٹ سکتا ہے؟ اچھا کسی کو فون آئے، محبوب بلائے کہ آجایئے۔تو وہ بندہ ہر صورت پہنچے گا چاہے کام سے چھٹی کرنی پڑے۔کہ جی پیغام آیا ہے۔اللہ کی طرف سے پیغام آگیا۔تو کیا مومن اس پیغام پر آمین نہیں کہے گا۔اس کیلئے ہر ممکن کوشش کرے۔اس لئے کسی نے کیا اچھے شعر لکھے۔

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
ورنہ پھر ہم سے گفتگو نہ کرے
یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
ورنہ پھر ہم سے گفتگو نہ کرے
دیکھ لے جلوہ تیرا جو اک بار
غیر کی پھر وہ آرزو نہ کرے
تیری چوکھٹ کا مانگنے والا
شکوے دنیا کے رو برو نہ کرے
پڑھ کے یدعوا کا لفظ پھر مومن
کیسے جنت کی جستجو نہ کرے

محبوب نے فرمادیا۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ اللہ تمہیں سلامتی والے گھر کی طرف بلاتا ہے۔محبوب کی انویٹیشن پر اب مومن کو جنت کی تیاری کرنی چاہیے اور اپنے آپ کو ملاقات کے لیے تیار کرنا چاہیے۔اب اپنی نمازوں کی حفاظت کرنا اور ہر معاملے میں شریعت وسنت پر عمل کرنا یہی ملاقات کی تیاری ہے۔یہ گویا اپنے آپ کو محبوب کی دید کے قابل بنانا ہے۔

؎ پڑھ کے یدعوا کا لفظ پھر مومن
کیسے جنت کی جستجو نہ کرے

اللھم انا نسئلك الجنة ونعوذبك من النار.

مزید نعمت

اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ جنت کی نعمتیں تو ملیں گی ہی..... ولدینا مزید .....ہم مزید نعمت بھی عطا فرمائیں گے۔ وہ مزید نعمت کیا ہوگی۔ اللہ کا دیدار ہوگا۔ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ (یونس:۲۶)

[نیکوکاروں کو بہترین اجر بھی ملے گا اور اس سے بھی زیادہ دیا جائے گا]

یہ زیادتی کیا ہوگی؟ یہی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ اس کی تفصیل تو بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیسے ہوگا۔ احادیث کی مختلف کتب میں اس کا تذکرہ آیا ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کا دیدار کیسے ہوگا۔

جنت کا بازار حسن

جنتِ عدن میں اللہ تعالیٰ مومنین کو دعوت دیں گے کہ آؤ۔ مگر اس سے پہلے ایک بازار ہوگا..... بازارِ حسن کہ جہاں مومن جائے گا تو اس کو من پسند کا حسن مل جائے گا۔ جیسے آج شادی کی تقریب کے لئے لوگ تیار ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ایک بازار ہی بنا دیا۔ اور حسن بھی کیسا؟ من پسند کا۔ بندے کا جیسا جی چاہے گا جیسی سوچ ہوگی ویسا اس کا جسم بن جائے گا۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ ہر بندہ کیسا حسن پسند کرے گا۔ وہ من پسند حسن لے کر اللہ کی ملاقات کے لئے جائے گا۔ واہ میرے مولا! شادیوں پر تو کریمیں لگا لگا کے لوگ جاتے ہیں مگر شکل تو وہی رہتی ہے۔ دل چاہتا ہے

کہ حور کی بچی نظر آئے چاہے اندر سے پکی چڑیل صورت کیوں نہ ہو۔ مگر وہاں معاملہ کچھ اور ہوگا، وہاں تو من پسند کا حسن ملے گا۔ ایسی آنکھیں ہوں، ایسی گردن ہو، ایسے میرے رخسار کی جھلک ہو، ایسے میرے ہونٹ ہوں، ایسے میرے دانتوں کی چمک ہو۔ سبحان اللہ۔ کیا حسن بے مثال ہوگا جو بندے کو اس کی پسند پر اللہ تعالیٰ عطا فرمادے گا۔ اور پھر وہ اس حسن کو لے کر جائیں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

دیدار کی کیفیت

اور جب اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ بادل آئیں گے۔ اور آکر خوشبو کا چھڑکاؤ کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا روم فریشنر ہے۔ ہم بھی روم فریشنر چھڑک دیتے ہیں نا جب مہمان آتے ہیں۔ تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ بادل آئیں گے اور مشک وگلاب کا سپرے ہو جائے گا۔ ماشاءاللہ، محفل معطر ہو جائے گی۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ o فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ o

(القمر:۵۵)

[بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہوں گے، عزت کے مقام میں قادرِ مطلق بادشاہ کے حضور میں]

کیا وہ محفل ہوگی، اس محفل کی تمنا میں زندگی گزارنی چاہیے۔ علماء نے لکھا ہے کہ وہ دیدار بے جہت، بے کیف، بے شبہ اور بے مثال ہوگا۔ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ دیدار کیسا ہوگا۔

قرآن مجید میں آیا ہے۔

یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ یُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

(القلم:۴۲)

[جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور سجدے کے لیے بلایا جائے گا تو (کافر) نہیں کرسکیں گے]

صرف پنڈلی کھلے گی تو جو بھی ایمان والے ہوں گے، وہ سب سجدے میں گر جائیں گے۔ او پنڈلی کے حسن کو دیکھ کر سجدے میں جانے والو! جب چہرے کا حسن دیکھو گے تو کیا حال ہوگا۔

حال کیا ہو گا بھلا ان کا تیری دید کے دن
جن کے دل جوش میں آئے ہیں تیرے نام کے ساتھ

اللہ تیرا نام سن کے جن کے دل مچلتے ہیں، جب آپ کا دیدار کریں گے پھر ان کے دلوں کا کیا حال ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو ایک نور کی آندھی اٹھے گی اور مومن کے چہرے پر جیسے مٹی کی تہہ چڑھ جاتی ہے، نور کی تہہ چڑھ جائے گی۔ اس سے مومن کے حسن میں اتنا اضافہ ہوجائے گا کہ جب لوٹ کے آئے گا تو جنتی مخلوق مومن کے حسن کو ستر سال تک ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہ جائے گی۔ او بھئی! جہاں خادموں کے حسن کا یہ حال ہے وہاں جنت کے وارثوں کے حسن کا کیا حال ہو گا۔

روایات میں آتا ہے کہ جنتیوں میں سے بعض کو صرف ایک مرتبہ اللہ کا دیدار ہو گا، بعض کو ہر سال میں ایک دفعہ دیدار ہوگا۔ بعض کو ہر جمعہ کے دن دیدار ہوگا۔ اور بعض کو روزانہ دیدار ہوگا۔ اور وہ اندھا جو دنیا میں نابینا پیدا ہوا ماں کے بطن سے اور اس نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ صبر اور شکر کے ساتھ زندگی گزاری۔ روایت میں آتا ہے کہ یہ اندھا جب جنت میں جائے گا۔ ہمہ تن اس کے سامنے اللہ کی تجلی سامنے رہے گی، ایک لمحے بھی غائب نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، یہ وہ بندہ ہے جس

نے دنیا میں میرے غیر کو دیکھا ہی نہیں۔ یہ جب چاہے میرا دیدار کر سکتا ہے۔ ہم اِدھر اُدھر دیکھتے پھرتے ہیں، اللہ کا دیدار پاک نگاہوں کو ہوگا۔

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے
کیسے دنیا بھر کے ہو جائیں حسین میرے لئے
اب تو ذوقِ حسن اپنا یوں کہے ہو کر بلند
حسن اوروں کے لئے حسن آفرین میرے لئے

اللہ تعالیٰ بھی کیا کہیں گے؟ او حسن کی پوجا کرنے والو! حسن کے پیچھے بھاگنے والو! حسن کے پیچھے بھاگتے ہو اور حسن عطا کرنے والے کی تمنا نہیں رکھتے۔ اے اللہ! جب آپ نے حسن کو پیدا کر دیا تو پھر آپ کے اپنے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا..... اللہ جمیل..... اللہ بہت خوبصورت ہے۔ ہمیں اللہ رب العزت اپنا دیدار عطا فرما دے۔

اس لئے فرمایا۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝ (السجدہ: ۱۷)

[پھر کوئی نہیں جانتا کہ ان کے عمل کے بدلے میں ان کی آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے]

کوئی بھی نہیں جانتا کہ اللہ نے ان مومنوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے جنت میں کیا سامان تیار کر رکھا ہے۔ دل کی لذت کا نام نہیں لیا، دل کے سکون کا نام نہیں لیا؟ فرمایا ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے ہم نے کیا بنا رکھا ہے؟ ایسا دیدار ہوگا آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ دل کو سکون ہو جائے گا۔

وَ فِیْ ذَالِكَ فَلْیَتَنَا فَسِ الْمُتَنَا فِسُوْنَ (مطففین:۲۶)

[رغبت کرنے والوں کو اس میں رغبت کرنی چاہیے]

نکتے کی بات

اب یہاں پر ایک عجیب نکتہ علماء نے لکھا ہے، توجہ فرمایئے گا۔ مومن کو اللہ تعالیٰ کا دیدار تو ہوگا لیکن دیدار ختم کیسے ہوگا۔ اس لئے کہ اگر ہم یوں کہیں کہ اللہ تعالیٰ تھوڑے وقت کے لئے دیدار کروائیں گے پھر حجاب آجائے گا تو اس میں بخل کا شبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جو کنجوس آدمی ہوتا ہے وہ نعمت دیتا ہے تو تھوڑی سی۔ تو اگر مومنین دیدار کرنے کے لئے تڑپ رہے ہیں مگر دیدار کرانے والا تھوڑی دیر دیدار کروا کے آگے پردے کر لے، اس میں شبہ بخالت ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنا دیدار کرواتے رہیں لیکن مومن اللہ تعالیٰ کی بجائے جنت کی اور نعمتوں میں مشغول ہوں تو یہ مومن کے لئے باعث ندامت ہے، باعثِ ملامت ہے۔ یہ کیسا مومن ہے کہ دیدار ہو رہا ہے اور یہ اس کی بجائے جنت کی نعمتوں میں لگ گیا۔ ارے جب دیدار ہوتا ہے تو عاشق پیچھے نہیں ہٹا کرتا ہے۔ مکھی کو دیکھو حلوائی کی دکان پر جاتی ہے، وہ بار بار اڑاتا ہے پھر مٹھائی پر آکر بیٹھ جاتی ہے۔

تو خواہی نا آختی عاشقاں وخواہی دامن اندر کش
مگس ہر گز نخواہد رفت از دکان حلوائی

وہ شہد کی مکھی حلوائی کی دکان سے نہیں جاتی تو مومن پھر اللہ کے دیدار سے کیسے پیچھے ہٹیں گے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ تو اگر مومن ہٹ جائیں تو یہ باعثِ ملامت ہے اور اگر اللہ رب العزت دیدار بند کروا دیں تو یہ وجہ بخالت نظر آتی ہے، تو پھر دیدار کیسے ختم ہوگا؟ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب لکھا ہے کہ اللہ رب العزت کی تجلیات دو طرح کی ہیں۔ ایک جمال کی تجلی اور ایک جلال کی تجلی۔ جب

جمال کی تجلیات ہوں گی تو مومن اللہ کے دیدار سے لطف اندوز ہوں گے اور جب جلال کی تجلی آنے لگ جائے گی تو مومن اس وقت جنت کی نعمتوں میں مشغول ہو جائیں گے۔ نہ الزام اِن کو دے سکتے ہیں نہ الزام اُن کو دے سکتے ہیں۔

آج وقت ہے:

آج وقت ہے اللہ رب العزت سے یہ نعمت مانگیے۔ اللہ کی ملاقات کا شوق ہونا چاہیے۔ ایک بزرگ تھے۔ رمضان کے چاند کا مسئلہ تھا تو کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت عید کب ہوگی؟ وہ اس وقت جذبے میں تھے۔ فرمانے لگے ''جب دید ہوگی تب عید ہوگی''۔ تو مومن کا بھی یہی حال کہ جب اللہ رب العزت کی دید ہوگی تب عید ہوگی۔ یہ وہ نعمت ہے کہ جس کی امید پر ایمان والے پوری زندگی گزارتے ہیں۔

اس لئے ایک روایت میں آتا ہے کہ حساب کتاب جب شروع ہوگا۔ کچھ لوگ ہوں گے جو جنت کے دروازے پر پہنچے ہوئے ہوں گے اور جنت کے داروغوں سے پوچھیں گے، دروازہ کب کھلے گا؟ تو رضوان بھی حیران ہوگا۔ اللہ یہ کچھ لوگ یہاں پہنچ گئے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں کہ دروازہ کب کھلے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اچھا پوچھو یہ کون ہیں۔ تو رضوان پوچھیں گے تم کون لوگ ہو؟ وہ کہیں گے ہم اللہ کی یاد میں اپنی زندگیاں گزارنے والے، ہماری تمنا اللہ کا دیدار تھا، اللہ کی ملاقات تھی۔ ساری رات ہم اسی لئے عبادت کرتے تھے اور اسی لئے ہم اپنے دن گزارتے تھے اور اتنی عبادتوں کے بعد ہم اس تجلی گاہ کے دروازے پر آپہنچے، ہم پوچھ رہے ہیں دروازہ کب کھلے گا؟ محبوب کا دیدار کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، رضوان میرے یہ بندے سچ کہتے ہیں۔ یہ میری یاد راتوں میں کیا کرتے تھے اور ان کو موت بھی میری یاد میں آئی، ان کی امیدوں کا منتہا بھی میں ہی تھا، میری خاطر یہ زندگی گزارتے تھے ان کو بغیر حساب کتاب جنت میں داخل کردے۔

وَاللّٰہِ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ
اِلَّا وَ اَنْتَ فِیْ قَلْبِیْ وَ وَسْوَاسِیْ
وَلَا جَلَسْتُ اِلٰی قَوْمٍ اَحُدِّثُھُمْ
اِلَّا وَ اَنْتَ فِیْ حَدِیْثِیْ بَیْنَ جُلَاسِیْ
وَ لَا ذَکَرْتُکَ مَحْزُوْنًا وَ لَا طَرِبًا
اِلَّا وَ حُبُّکَ مَقْرُوْنٌ بِاَنْفَاسِیْ
وَلَا ھَمَمْتُ بِشُرْبِ الْمَاءِ مِنْ عَطَشٍ
اِلَّا رَاَیْتُ خَیَالًا مِنْکَ فِیْ الْکَاسِ
وَلَوْ قَدَرْتُ عَلَی الْاِتْیَانِ زُرْتُکُمْ
سُحْبًا عَلَی الْوَجْہِ اَوْ مَشْیًا عَلٰی رَأْسِ

[ان کا ترجمہ یہ بنے گا کہ اللہ کی قسم! کبھی سورج طلوع نہیں ہوا اور کبھی غروب نہیں ہوا مگر یہ کہ تو میرے دل میں اور میرے خیال میں ہوتا ہے۔ اور میں کبھی کسی مجلس میں نہیں بیٹھا مگر یہ کہ اس مجلس میں تیرا ہی تو ذکر ہو رہا ہوتا ہے۔ اور میں نے کبھی تیرا ذکر نہیں کیا خوشی اور غم کی حالت میں مگر یہ کہ تیری محبت میرے سانسوں میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اور میں نے کبھی پانی نہیں پیا مگر اس حال میں کہ پانی کے پیالے میں بھی تیرا ہی تصور کر رہا ہوتا ہوں۔ اور اے محبوب! اگر مجھے اجازت ہوتی تیری زیارت کو آؤں تو میں اپنے رخسار اور سر کے بل چلتا ہوا تیری ملاقات کو پہنچ جاتا۔]

اللہ ہمیں بھی اپنی ایسی سچی محبت عطا فرمادے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

ذکر اللہ میرا مونس ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

وقال رسول الله ﷺ ذِكْرُ اللّٰهِ اَنِيْسِىْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

یادِ الٰہی، کلام الٰہی کی روشنی میں:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

ذِكْرُ اللّٰهِ اَنِيْسِىْ

[اور اللہ کا ذکر میرا مونس ہے]

مونس غمخوار کو کہتے ہیں۔ غم کی حالت میں جو تسلی اور سکون دے وہ انسان کا مونس کہلاتا ہے۔ جس سے انسان انس پائے۔ ذکر کا لفظ تو حدیث میں بہت جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔ اس کے کئی معنی ہیں۔ اس کا ایک معنیٰ تو ہے۔ ''اللہ تعالیٰ کی یاد''۔ جیسے فرمایا:

فَاذْكُرُوْنِىْ اَذْكُرْكُمْ.

[تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا]

اور بعض اوقات ذکر کا لفظ قرآن مجید کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ o (الحجر: ۹)

یہاں پر یہ لفظ قرآن مجید کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مگر ہم آج جو ذکر کا لفظ استعمال کریں گے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر میرا مونس ہے، میں اس سے راحت لیتا ہوں، انس پکڑتا ہوں، مجھے تسلی مل جاتی ہے اور میرے غم دور ہو جاتے ہیں۔ واقعی اللہ کا ذکر مومن کے لئے زادراہ کی مانند ہے۔ جس کو دکھا کر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول بن سکتا ہے۔ یہ وہ پانی ہے جو کھیتی کو دیا جائے تو کھیتی ہری بھری ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر انسانوں کے لئے بہت فوائد رکھتا ہے۔ چنانچہ اس سے انسان کو قلبی امراض کی شفا ملتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

ذِكْرُ اللّٰهِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ

(کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر وہ دلوں کی شفاء ہے)

ذکر دل کی بیماریوں کو دور کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لئے کسی شاعر نے کہا

فَاِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَيْنَا بِذِكْرِكُمْ

فَنَتْرُكُ الذِّكْرَ اَحْيَانًا فَنَنْتَكِسُ

[جب بھی ہم مریض بن جاتے ہیں تو اس کا علاج ہم آپ کی یاد سے کرتے ہیں۔ اور اگر ہم آپ کے ذکر کو بھول جائیں تو ہم اپنے منہ کے بل گر جاتے ہیں]

قرآن مجید میں بھی کہا گیا

نَكِسُوا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

[اپنے سروں کے بل گر جاتے ہیں]

فنائے نفس کا مطلب ہے کہ اگر ہم آپ کے ذکر کو احیانا بھول جائیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے منہ کے بل گر گئے ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہماری ہر روحانی بیماری

کا علاج ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر مقید بھی فرمایا اور مطلق بھی فرمایا۔ مقید اس طرح سے کہ فرمایا۔

سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا. [صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو]

اس میں قید لگا دی گئی۔ اور مطلق ذکر کے بارے میں فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب:۴۱)

[اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو]

تو ذکر کثرت کے ساتھ کرنے کا بھی حکم ہے۔ اور ذکرِ کثیر کی تفسیر یہ ہے کہ

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ

(آل عمران:۱۹۱)

(میرے وہ بندے جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے مجھے یاد کرتے ہیں)

یعنی ہر حال میں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ کہ میرے بندے مجھے کثرت سے یاد کریں۔

شیطان سے حفاظت میں ذکر اللہ کی اہمیت

اسی لئے جب شیطان انسان پر حملہ آور ہوتا ہے تو پہلے وہ ذکر سے غافل کرتا ہے۔ اس لئے جب انسان ذکر سے غافل ہوتا ہے تو پھر اس کی نمازوں پر بھی شیطان حملہ آور ہو جاتا ہے

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ.

(المائدۃ:۹۱)

[بے شک شیطان تو چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہاری آپس میں رنجش اور دشمنی ڈلوادے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے تو تم کو ان کاموں سے باز رہنا چاہیے]

تو شیطان تمہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔ ذکر کا تذکرہ پہلے آیا۔ اسی لئے کہ جب انسان ذکر میں غافل ہوتا ہے تو پھر اس کی نمازوں پر بھی شیطان حملہ آور ہو جاتا ہے۔ یہ غفلت ہی تو ہوتی ہے کہ کبھی فجر کی نماز نہیں ملتی۔ مدرسے میں رہتے ہیں تو ساری نمازیں پانچ وقت کی پابندی سے پڑھتے ہیں اور جب باہر آتے ہیں تو پانچ وقت کی پابندی نہیں ہو پاتی۔ کبھی فجر کی نماز گئی تو کبھی عشاء کی۔ اصل میں ذکر کی کمی کی وجہ سے انسان غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ پھر شیطان اس کو نماز پڑھنے سے بھی بالآخر روک دیتا ہے۔ اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے آپ سے ہی بھلا دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ

(الحشر: ۱۹)

[اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو اللہ کو بھول گئے۔ پس وہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے]

ان کو اپنی اصلاح کی بھی فکر نہیں چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ کتنے لوگ ہیں جب اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوتے ہیں تو اپنا سنورنا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔ ان کو سنورنے کا شوق ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک آدمی نے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے لیا۔ اس نے کہا، میں تو قیامت کے دن مطالبہ کروں گا تو لینے والا کہتا ہے کہ بھلا بندہ! وہاں تو اتنے لوگ میرا گریبان پکڑنے والے ہوں گے کہ تجھے ہاتھ لگانے کی جگہ ہی نہیں ملے گی۔ کتنی غفلت کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ کہے ہاں بھئی تیرا

حق تجھے واپس کرتا ہوں۔ آگے سے بہانے بازی کر رہا ہے۔ شیطان اس کو بہانے سکھا رہا ہے۔ اگر اسے ہاتھ رکھنے کی جگہ نہیں ملے گی تو کیا اس کو اس کا حق نہیں ملے گا۔ اپنی اصلاح اور اپنے آپ کو اچھے بنانے سے بالکل غافل وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ ان کے اپنے آپ سے ہی بھلا دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کثیر کے ساتھ فلاح ملنے کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعہ:۱۰)

[اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم فلاح پانے والے بن جاؤ]

اب آخر کوئی تو اس میں تاثیر ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ تم کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے انسان کو فلاح نصیب ہوتی ہے۔

ایک عام دستور:

ایک عام دستور ہے کہ آدمی جب اپنے کسی دشمن پر قابو پاتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس سے مہلک ہتھیار چھین لیتا ہے۔ جب فوجی آدمی کسی دشمن کو قابو کریں تو سب سے پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ کہتے ہیں ''ہینڈز اپ''۔ یعنی ہاتھ کھڑے کرلو۔ اور ہاتھ کھڑے کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی ہتھیار میرے خلاف استعمال نہ کر سکے۔ اسی طرح شیطان بھی جب بندے پر قابو پانا چاہتا ہے تو وہ بھی مہلک ہتھیار کو چھین لیتا ہے۔ یعنی اللہ کی یاد، اللہ تعالیٰ قرآن عظیم الشان میں فرماتے ہیں۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ (مجادلہ:۱۹)

[ان پر شیطان غالب آ گیا اور شیطان نے انہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا]

جب بھی شیطان غالب آتا ہے تو بندے سے اللہ کے ذکر والا مہلک ہتھیار چھین لیتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر شیطان کے مقابلے میں ہمارا دفاعی ہتھیار ہے جو بندہ غافل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں۔

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف:۳۶)

[اور جو کوئی رحمٰن کی یاد سے غفلت اختیار کرے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے]

شیطان اس کا سنگی اور ساتھی بن جاتا ہے۔

ذکر کثیر کے فوائد:

جو لوگ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام پاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا. (الاحزاب:۳۵)

[کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے]

یہ نعمتیں کثرت ذکر سے ملتی ہیں اور ذکر نہ کرنے سے انسان خسارے میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝ (منافقون:۹)

[اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال و اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارہ پانے والے ہیں]

جو اللہ کی یاد سے غافل ہوگا وہی خسارہ اٹھانے والا بن جائے گا۔ اس لئے

انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرے۔ یہ ذکر ہمارے پاس ہتھیار ہے اور یہ ہمیں شیطان سے بچانے کا ایک بہت بڑا عمل ہے۔

توجہ فرمایئے گا کہ ابرہہ اپنے لشکر کو لے کر چل رہا تھا کہ میں بیت اللہ شریف پر قبضہ کرلوں پھر اس کو گرادوں۔ اللہ تعالیٰ نے ابابیل بھیج دیئے۔ ارشاد فرمایا،

وَ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلo تَرْمِيْهِم بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ o فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاكُوْلo (فیل: ۳۔۵)

[ہم نے ان کی طرف ابابیل بھیجے جو ان کی طرف پتھر پھینکتے تھے اور نشانہ لگاتے تھے۔ ہم نے انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح بنادیا]

جس طرح اللہ تعالیٰ کے گھر پر ابرہہ قبضہ جمانے کے لئے چلا تو پرندوں نے کنکریاں پھینکی جنہوں نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کردیا اسی طرح مومن کا دل بھی اللہ کا گھر ہے۔ شیطان ابرہہ آج بھی اللہ کے اس گھر پر قبضہ جمانے کے لئے ڈیرے لگانے کے لئے کوششیں کرتا ہے۔ جب بھی وہ حملہ آور ہو ہم اللہ کا ذکر کرنے والے بن جائیں۔ ہم لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کریں، اللہ کا ذکر کریں۔ یہ کلمات ایسے پتھر بن جاتے ہیں جو شیطان کے لشکر کو بالکل کھائے بھوسے کی مانند بنا دیتے ہیں۔ اس طرح اللہ کا ذکر کر کے اللہ کے گھر کی حفاظت کیجئے۔

اللہ کا ذکر کثرت سے کیجئے شیطان قریب بھی نہیں پھٹک سکے گا۔ شیطان دور بھاگے گا۔ اس گھر کو لات منات سے خالی کر لیجئے۔ یہاں پر بھی لات ومنات ہوتے ہیں۔ کوئی بندہ ہوا، کوئی بندی ہوئی، کوئی گاڑی ہوئی، کوئی دنیا کا مال ہوا۔ پتہ نہیں کیا کیا چیزیں لات منات بنی ہوتی ہیں۔ بندے کو ان چیزوں سے محبتیں ہوتی ہیں جو اللہ سے بندے کو غافل کردیتی ہیں۔ دل کو ان لات اور منات سے پاک کر لیجئے اور اپنے رب کے سامنے دعا مانگیے کہ

ترکت اللات والعزیٰ جمیعا

کذالك یفعل الرجل البصیر

[بصیرت والا بندہ ایسا ہی کیا کرتا ہے کہ دل کو لات ومنات سے پاک کر لیتا ہے]

جس کو بصیرت ہوتی ہے وہ بندہ ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ دل کو لات منات سے پاک کر لیجئے۔ دل کی صفائی کر لیجئے۔

دل کی صفائی کرنا بندے کی ذمے ہے:

آج اگر اطلاع ملے کہ جی فلاں مہمان آرہے ہیں تو گھروں یا مدرسوں میں صفائی شروع ہو جاتی ہے۔ مہمان کے اکرام اور احترام میں صاف جگہ بناتے ہیں۔ یہ دل اللہ کا گھر ہے۔ اس گھر میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات اترتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اس گھر کو دنیا کی محبت اور گناہوں کی معصیت جیسی ظلمتوں سے پاک صاف کر لیں۔

یہاں پر ایک طالب علم کے ذہن میں ایک نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ مالک مکان تو اپنے مکان کی صفائی خود کرتا ہے، اس کو صاف رکھتا ہے، اگر یہ دل اللہ کا گھر ہے تو اللہ تعالیٰ خود اسے صاف رکھیں۔ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مالک تو اللہ ہے مگر اس نے ہمیں تھوڑی دیر کے لئے کرایے کی مانند بٹھا دیا۔ ہم کرایہ دار ہیں اور جو کرایہ دار ہوتا ہے اس کے ذمے گھر کی صفائی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی زندگی میں اپنے دل کو گناہوں کی معصیت اور ظلمت سے صاف رکھنا ہے۔ ویسے بھی دنیا کا دستور ہے کہ جب مہمان گھر میں آئے تو صفائی مہمان کے ذمے نہیں ہوتی بلکہ میزبان کے ذمے ہوتی ہے۔ بندہ تو میزبان ہے۔ اللہ دل میں مہمان کی طرح ہے۔ فرمایا ''نہ میں زمینوں میں سماتا ہوں نہ آسمانوں میں سماتا ہوں میں مومن بندے کے دل میں سما جاتا

ہوں'' اس لئے ہمیں اس دل کو پاک صاف کرنے کی ضرورت ہے۔

شیطان راندۂ درگاہ کیوں ہوا؟

ایک اور علمی نکتہ سنیے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو کیوں دھتکارا؟ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْم (الحجر:۳۴)

[نکل جا یہاں سے، پس بے شک تو مردود ہے]

چنانچہ شیطان کو جنت سے نکال دیا گیا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے بندے! میں نے تیری خاطر شیطان کو جنت سے نکال دیا، یہ تیرا بھی دشمن ہے اور میرا بھی دشمن ہے، کیا تو میری خاطر اس شیطان کو اپنے دل سے باہر نہیں نکال سکتا؟ میں نے تیری خاطر اس کو نکال دیا تو بھی میری خاطر شیطان کو اپنے دل سے دور کر دے۔ اور شیطان کو دل سے دور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ رب العزت کا ذکر کثرت سے کریں۔ جب ذکر کثرت سے کریں گے شیطان کا داؤ نہیں چلے گا۔ حدیث پاک میں ہے،

اَلشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ تَعَالٰى خَنَسَ وَ اِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ (بخاری)

[شیطان آدمی کے دل پر جما ہوا بیٹھا رہتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب غافل ہوتا ہے تو یہ وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے]

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کی سونڈ ہوتی ہے۔ جب دل ذکر کر رہا ہوتا ہے تو یہ کچھ عمل نہیں کر سکتا۔ جیسے ہی دل غافل ہوتا ہے یہ فوراً اپنی سونڈ دل کے اندر داخل کر کے انجیکشن کی طرح شیطانی وساوس بندے کے اندر داخل کر

دیتا ہے۔ اب جو نوجوان کہتے ہیں کہ جی وسوسے بڑے آتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ شیطان کا ٹیکہ پکا لگا ہوا ہے۔ بعض اوقات تو ڈاکٹر ٹیکہ لگاتے ہیں اور کئی دفعہ بوتل لگا دیتے ہیں۔ وہ بوتل ایک ہی دفعہ لگتی ہے۔ جو کہے کہ مجھے تو شیطانی وساوس بہت آتے ہیں وہ سمجھ لے کہ شیطان اپنی بوتل فٹ کر چکا ہے۔ اب خون میں قطرہ قطرہ ملتا رہتا ہے اور انسان کے دل میں شیطانی وساوس اور نفسانی وشہوانی خیالات کثرت سے آتے چلے جاتے ہیں۔ اس مصیبت سے جان چھڑایئے۔ یہ ہمارے لئے زہر ہے۔ یہ ہمیں اللہ سے دور کر دیتی ہے اور جو چیز بھی اللہ سے دور کر دے وہ چیز ہمارے لئے بہت نقصان دہ ہے۔ اس لئے کہ

لِکل شیء اذا فارقت له عوضا

ولیس لله ان فارقت من عوضا

[اگر تو کسی چیز سے جدا ہو جائے تو تیرے لئے اس کا کوئی نہ کوئی بدل موجود ہے۔ اگر تو اللہ سے جدا ہو گیا تو اس کا تجھے کوئی اور بدل نہیں مل سکتا]

چنانچہ دعا بھی مانگیں۔ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں آتا ہے کہ رات تہجد میں اٹھتی تھیں اور اللہ سے دعا مانگتی تھیں۔

''اے اللہ! جس طرح آپ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک دیا اسی طرح شیطان کو مجھ پر مسلط ہونے سے روک دے۔''

اس طرح دعا مانگیں پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کیسے شیطان کو دور بھگاتے ہیں۔

شیطان کتے کی مانند:

اگر آپ کسی کے گھر جائیں اور راستے میں کتا بیٹھا ہو تو بچنے کے دو طریقے ہیں۔ یا تو آپ خود کتے کے ساتھ الجھ پڑیں۔ آپ اس کو ماریں اور وہ آپ کو کاٹنے بھاگے۔ اب دیکھیں کون جیتتا ہے؟ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ مالک کو ہی کہہ دیں کہ

اس کو ذرا اشارہ کر دیجئے۔ تو مالک کے ایک اشارے پر کتا دبک کر بیٹھ جاتا ہے۔ شیطان کی مثال کتے کی مانند ہے۔ اگر یہ نیکی کے راستے میں ہمارے لئے رکاوٹ بنتا ہے تو ہم اپنے مالک سے فریاد کریں۔ اے مالک الملک! اس مردود کو ذرا اشارہ کر دیجئے تاکہ یہ دفع دور ہو جائے اور ہمارے لیے راستہ چھوڑ دے۔ جب اللہ نے ارادہ فرما لیا تو اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے ہتھکنڈوں سے بالکل محفوظ فرما لے گا۔ قرآن گواہی دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَان (الحجر: ۴۲)

[جو میرے بندے ہیں شیطان! تیرا ان کے اوپر کوئی قابو چل ہی نہیں سکتا]

تو بھئی ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں بھی ایسا دل دیجئے۔ ہمیں بھی ایسی نعمت عطا فرما دیجئے کہ شیطان ہمارے قریب بھی پھٹکنے نہ پائے۔ ہم گناہ کرنا تو کجا گناہ کے موقع سے بھی بچ جائیں اور اللہ کے سامنے یہ فریاد کریں۔

الٰہی غمِ حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں میرے مولا!
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

اے اللہ! میں نہیں بچ سکتا۔ میں بہت کمزور ہوں۔ میرے مولا! مجھے گناہ کے مواقع سے بچا لے۔ جب انسان اللہ کے سامنے یوں فریاد کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو گناہوں سے بچا لیا کرتا ہے۔

اختتام عمل پر ذکر کی تلقین:

ذکر اتنا عظیم عمل ہے کہ اس کو ہم تمام اعمال میں سے بڑا عمل کہہ سکتے ہیں۔ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عمل کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا

قرآن پڑھا ہے؟ جواب دیا، جی حضرت! پڑھا ہے۔ فرمایا کہ کیا اللہ کا فرمان نہیں ہے؟

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ [اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے]

یقیناً یہ افضل الاعمال ہے بلکہ شریعت نے ہر عمل کے اختتام پر ذکر کا حکم دیا ہے۔ مثال کے طور پر۔

☆.....اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (جمعہ:۱۰)

[پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ]

نماز کے اختتام پر ذکر کا حکم دیا جا رہا ہے۔

☆.....روزہ عبادت ہے۔ جب روزے ختم ہو جاتے ہیں۔ تو عید کے موقع پر بھی فرمایا۔

وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ . [اللہ کی تکبیر بیان کرو]

یعنی اللہ کی عظمت کو بیان کرو۔ تو اختتام صیام پر بھی ذکر کا حکم دیا گیا۔

☆.....اسی طرح اختتام حج پر بھی ذکر کا حکم، فرمایا:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرۃ: ۲۰۰)

[پھر جب تمام مناسک ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ]

تو حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد بھی ذکر کا حکم دیا گیا۔

☆.....اسی طرح جب انسان اپنے کام سے فارغ ہو پھر بھی اسے ذکر کا حکم دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو فرماتے ہیں۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ

[جب آپ فارغ ہوں تو ریاضت کیجئے اور اپنے رب کی طرف دل لگائیے]

☆..... نبی علیہ السلام پوری زندگی دین کا کام کرتے رہے۔ جب آخری وقت آیا تو ذکر کا حکم دیا گیا۔

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ o وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِی دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًاo فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ o (النصر: ۱۔۳)

یہاں ذکر کا حکم ہے کہ اللہ کی تسبیح بیان کیجئے۔ اسی کو تو ذکر کہتے ہیں۔

حتیٰ کہ زندگی کے اختتام پر بھی ذکر کا حکم ملا۔ جب نبی علیہ السلام سے ایک آدمی نے پوچھا کہ مجھے کوئی بہت افضل عمل بتا دیجئے، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

ان تفارق الدنیا ولسانك رطب من ذکر الله .

[تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو]

کتنی عجیب بات ہے کہ انسان دنیا سے جدا ہو رہا ہو تو آخری عمل اللہ کا ذکر ہو۔

اس طرح دوسری حدیث میں آتا ہے۔

مَنْ کَانَ آخِرُ کَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه دَخَلَ الْجَنَّة.

[جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہو گیا]

اس لیے تمنا یہ ہونی چاہیے کہ آخری لمحے میں ہماری زبان پر لا الہ الا اللہ کے الفاظ ہوں۔

جن لوگوں نے محنت کی، ان کو اللہ نے یہ نعمت عطا فرمائی۔ چنانچہ ایک نقشبندی بزرگ ننھے میاں بھوپالی تھے ان کی عجیب موت آئی۔ جب آخری وقت آیا تو کہنے لگے وہ دیکھو عزرائیل آ گئے۔ لوگ حیران ہوئے۔ پھر کہنے لگے، اچھا السلام علیکم۔ یہ

الفاظ کہہ کر پھر پڑھنے لگے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس کے ساتھ ہی ان کی روح قبض ہوگئی۔ اللہ اکبر کبیرا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

كَمَا تَعِيْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ

[تم جس حال میں زندگی گزارو گے تمہیں اسی حال میں موت آئے گی]

جو لوگ اپنی زندگی میں ہر وقت اللہ کی یاد کی کوشش کرتے ہوں گے، یقین ہے کہ اللہ رب العزت مہربان ہیں، ان کی زندگی کے استقامت والے عمل کی وجہ سے اللہ ان کو موت بھی ذکر میں عطا فرمائیں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ ساری زندگی ذکر کی محنت کرے اور آخری وقت اس کا غفلت کے ساتھ آجائے۔ ہم اللہ کی یاد میں زندگی گزاریں گے تو ہمیں موت بھی اللہ کی یاد میں آئے گی۔

عجیب واقعہ:

چنانچہ ایک بزرگ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے محدث تھے۔ ان کا بڑا عجیب واقعہ ہے۔ ان کے ایک شاگرد کی نئی نئی شادی ہوئی۔ ابتدائی دنوں میں ہی ایک دن اس کو گھر جانے میں دیر ہوگئی تو بیوی اس سے ناراض ہونے لگ گئی کہ آپ تو جاتے ہیں تو آپ کو پیچھے کوئی یاد ہی نہیں ہوتا۔ اس نے کہا، اللہ کی بندی! میں تو علم حاصل کرنے کے لئے گیا تھا۔ اس نے کہا، تجھے کیا علم ملے گا، تیرے استاد کو تو کچھ آتا جاتا نہیں۔ جب اس خدا کی بندی نے غصے میں استاد کے بارے میں یہ کہا تو یہ بھی نوجوان تھا، بھڑک اٹھا اور اس کو کہنے لگا کہ اگر میرے استاد کو ایک لاکھ حدیثیں یاد نہ ہوں تو تجھے میری طرف سے تین طلاق۔ اب رات تو انہوں نے الگ الگ گزار لی۔ صبح بیوی نے پوچھا کہ آپ نے مشروط طلاق دی تھی۔ اب بتائیں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اس نے کہا یہ تو میں استاد سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ چنانچہ اپنے استاد کے پاس آیا۔ ڈر

بھی لگ رہا تھا۔ شرم بھی آ رہی تھی۔ حضرت کو ساری بات بتائی تو وہ مسکرائے اور فرمانے لگے، جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا وقت گزارو۔ اس لئے کہ ایک لاکھ حدیثیں مجھے اس طرح یاد ہیں جیسے لوگوں کو سورۃ فاتحہ یاد ہوا کرتی ہے۔

یہ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے دین کا اتنا کام کیا، ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کے آخری لمحات تھے۔ اس وقت ان کے شاگرد قریب بیٹھے تھے۔ شاگرد سوچتے تھے کہ ہم کلمے کی تلقین کیسے کریں..... شریعت کا حکم ہے کہ جو بندہ موت کے قریب ہو، اسے کلمے کی تلقین کرنی چاہیے۔ تلقین سے مراد یہ ہے کہ کلمہ یاد کروانا چاہیے۔ یوں نہیں کہنا چاہیے کہ تو کلمہ پڑھ۔ کیونکہ اگر وہ انکار کر دے گا تو مجرم بنے گا بلکہ اس کے سامنے خود ذرا مناسب آواز سے کلمہ پڑھ دینا چاہیے تاکہ اس کو اپنا سبق یاد آ جائے۔ اس کو تلقین کہتے ہیں۔ آج کے زمانے میں تو بہت کم لوگ تلقین کرتے ہیں۔ سب سے بڑی مصیبت تو ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ اِدھر مرنے والا ایمرجنسی میں پہنچا، اُدھر انہوں نے بے ہوشی کے ٹیکے لگا دیئے۔ یاد رکھنا کہ جب کوئی آدمی مرنے کے قریب ہو تو ڈاکٹر کو سختی سے منع کریں کہ اس کو بے ہوشی کا ٹیکہ نہ لگائے۔ اگر اس نے لگا دیا تو بندے کے پاس کلمہ پڑھنے کی توفیق ہی نہیں ہوگی۔ ایسے موقع پر کہا جاتا ہے کہ جی اس کو تکلیف نہیں ہوگی۔ اگر اس کو تکلیف ہوگی تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔ پتہ نہیں اللہ تعالیٰ موت کی سکرات کی وجہ سے اس کے کن کن کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دے۔ یاد رکھیں کہ آپ کسی بندے کے پاس ہوں تو اس کو بے ہوشی کا ٹیکہ نہ لگانے دیں اور اس بندے کو آپ تلقین کریں یعنی اونچی آواز میں کلمہ پڑھ دیں۔ کلمہ پڑھنے سے اس کو یاد آ جائے گا اور وہ بھی کلمہ پڑھنا شروع کر دے گا۔ ہم نے دیکھا کہ بندہ آخری وقت میں اضطراب میں ہوتا ہے اور ایک بیٹا آ کر پوچھتا ہے، ابا! کیا حال ہے، دوسرا آ کر کہتا ہے ابا! مجھے پہچانا۔ او خدا کے بندے! ساری

زندگی تو وہ تمہیں پہچانتا رہا، اب تو اس کو اپنے رب کو پہچاننے دو۔ اوپر والے لوگ مرنے والے کے مرنے کو عذاب بنا دیتے ہیں۔ ایسے موقع پر اس کو بار بار ڈسٹرب نہ کریں، بس پاس رہیں اور ذرا مناسب آواز سے کلمہ پڑھ دیں۔ آپ کا فریضہ پورا ہو جائے..... اب طلباء سوچنے لگے کہ یہ تو ہمارے استاد ہیں ہم ان کو کلمہ کیسے یاد دلائیں۔ بڑا مشکل کام ہے کہ جنہوں نے ساری زندگی دوسروں کو کلمہ یاد دلایا۔ اب ان کو کلمہ کیسے یاد دلایا جائے۔

چنانچہ ان میں سے ایک نے سوچا کہ جس حدیث پاک میں کلمے کا تذکرہ ہے، ہم وہ حدیث پاک ان کے سامنے پڑھ دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ روایت کی مجھ کو فلاں نے اور اس کو فلاں نے اور اس کو فلاں نے۔ جب انہوں نے دو تین راویوں کا نام پڑھا۔ تو اس حالت میں بھی استاد سمجھ گئے کہ یہ کون سی حدیث پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس سے آگے راوی کا نام انہوں نے خود پڑھنا شروع کر دیا کہ اس نے فلاں سے روایت کی اس نے فلاں سے اس نے نبی علیہ السلام سے روایت کی کہ من کان آخر کلامه لا الٰه الا الله بس اتنا کہا اور ان کی روح نکل گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں داخل فرما دیا۔ ہم بھی زبان پر کلمے کا ذکر رکھا کریں۔ لا الٰہ الا اللہ کو پڑھنا آسان بنائیں۔

خاتمہ بالخیر سے محرومی کی وجہ:

بندہ کی زبان پر لا الٰہ الا اللہ جلدی جاری نہیں ہوتا۔ ملتان کے ایک ڈاکٹر صاحب نے ایک کتاب لکھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے کئی سال ایمرجنسی میں ڈیوٹی دی اور سینکڑوں انسانوں کو اپنے سامنے مرتے دیکھا۔ میں ان کو تلقین کرتا تھا مگر ان میں سے زیادہ لوگ وہ ہوتے تھے کہ تلقین کے باوجود کلمہ پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتے

تھے۔ایسے لگتا تھا کہ زبان پر فالج ہو گیا۔اب وہ پڑھنا بھی چاہیں تو پڑھ نہیں سکتے۔ اس گاڑی کا اسٹیرنگ اللہ تعالیٰ نے ساری زندگی تیرے ہاتھ میں دیا۔تو نے اس کو کلمے پر استعمال نہ کیا، اب موت کے وقت اس پر فالج ڈال کے سٹیرنگ کا کنٹرول ہی تجھ سے واپس لے لیا گیا۔تو اس سے پہلے کہ زبان فالج زدہ بنے۔ہم اپنی زبان سے اللہ کے کلمے کو کثرت سے پڑھیں۔چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہیں۔اور کبھی کبھی ساتھ محمد رسول اللہ بھی پڑھا کریں۔طلباء کو بالخصوص آتے جاتے چلتے پھرتے یہ ذکر کثرت کے ساتھ کرنا چاہیے۔اس کو اپنی روحانی غذا بنالیں۔

بے ہوشی میں کلمہ طیبہ کا ورد:

دستور یہ ہے کہ جس عمل کو بندہ زندگی میں کثرت کے ساتھ کرتا ہے، بے ہوش بھی ہو جائے تو اس عمل کو کرنا آسان ہوتا ہے۔چنانچہ ایک بزرگ آپریشن کے لئے تھیٹر میں گئے تو ڈاکٹر بتانے لگا کہ ہم نے ان کو بے ہوش کیا تو بے ہوشی کی حالت میں بھی وہ اپنی انگلیوں پر تسبیح پڑھ رہے تھے۔اگر ہم ہوش میں کلمہ پڑھیں گے تو موت کی بے ہوشی میں بھی خود بخود زبان سے یہ کلمہ جاری ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذاکرین ہی کو عقلمند فرمایا ہے۔چنانچہ فرمایا۔

لَآيَاتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَاب (آل عمران:۱۹۰)

[نشانیاں ہیں عقلمند لوگوں کے لئے]

اور عقلمند لوگ کون ہیں۔فرمایا

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ

(آل عمران:۱۹۱)

[وہ بندے جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ رب العزت کو یاد کرتے ہیں]

ذکرِ الٰہی روح الاعمال ہے:

اللہ تعالیٰ کا ذکر روح الاعمال ہے۔ جیسے ہمارے جسم میں ایک روح ہے ایسے ہی اللہ کا ذکر روح الاعمال ہے۔ اگر اللہ کا ذکر نہ ہو تو اعمال بے جان ہو جاتے ہیں۔ اعمال میں سے سب سے اعلیٰ عمل نماز ہے جو فرائض میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ (طه: ۱۴)

[نماز قائم کیجئے میری یاد کی خاطر]

تو نماز کا مقصود اللہ کی یاد ہوا۔ اور جس نماز میں اللہ کی یاد نہیں وہ نماز ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے نماز روح الاعمال ہے۔

ایک صحابی نبی علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ کہنے لگے، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے ایک ایسا عمل بتا دیجئے۔ جس پر میں مرتے دم تک عمل کرتا رہوں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

[تیری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہنی چاہیے]

جس کا کھایئے اس کے گیت گایئے۔

کنگ پیتے ہیں ساگ کھاتے ہیں
اللہ سائیں کے گیت گاتے ہیں

اللہ کے گیت گایئے یعنی اللہ کا ذکر کیجئے۔ اللہ کا ذکر دل اور زبان دونوں سے کیجئے۔

جنت کے باغ:

یہ جو ذکر کے حلقے ہیں ان کو ریاض الجنۃ کہا گیا۔ ریاض الجنۃ ایک تو مسجد نبوی میں

ہے۔اس کی کتنی بڑی شان ہے۔لیکن اللہ کی شان ہے کہ جہاں چند اللہ کے بندے اللہ کی یاد کے لئے بیٹھیں اس کو بھی ریاض الجنۃ کہا۔فرمایا:

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَرْتَعُوْا.

[جب تم جنت کے باغوں میں چلوتو چرلیا کرو]

اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ذکر کے حلقے جنت کے باغ ہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب بھی لوگ اللہ کی یاد میں اکٹھے ہوتے ہیں۔

نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّكِیْنَةُ وَ حَفَّتْ عَلَیْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ.

[ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے ملائکہ ان کو ڈھانپ لیتے ہیں]

اس محفل میں برکتیں بڑی ہوتی ہیں اور پھر جب ملائکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں تو رپورٹ دی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں، میرے یہ بندے کیوں اکٹھے تھے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ! یہ لوگ آپ کو یاد کرنے کے لئے اکٹھے تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔گواہ رہنا میں نے ان سب کے گناہوں کی بخشش فرمادی۔ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے۔یا اللہ! ایک بندہ تو راستہ گزرنے والا تھا۔وہ ویسے ہی کھڑا ہو گیا تھا۔وہ کوئی ذکر کی نیت تو لیکر نہیں آیا تھا۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

هُمْ رِجَالٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ.

[یہ میرے وہ بندے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں ہوسکتا]

میں نے اس کی بھی مغفرت کردی۔

ذاکر زندہ کی مانند ہے:

حدیث پاک میں فرمایا گیا۔

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْكُرُ رَبَّهٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَ الْمَیِّتِ

[جو شخص ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی مانند ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال مردہ کی مانند ہے]

فرشتے تو ہر لمحہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْطُرُوْنَ (الانبیاء:۲۰)

[وہ دن رات اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، ان کے لئے افطار نہیں ہے]

اب فرشتوں کا تو حال یہ ہو کہ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جبکہ اس دنیا انسان کے سوا جو کچھ ہے بھی ہے وہ اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

(الاسراء : ۴۴)

[اور جو کوئی بھی چیز ہے وہ اللہ کی تسبیح اس کی حمد بیان کر رہی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے]

یہ فضائیں، یہ ہوائیں، یہ مٹی، یہ درخت، یہ شجر، یہ حجر یعنی ساری مخلوق اپنے پروردگار کا ذکر کر رہی ہے۔ اب اگر انسان ذاکر بن جائے تو ساری مخلوق کے ساتھ اس کا بھی شمار ہو جائے۔ ہم بھی زندوں میں شمار ہو جائیں اور اگر ذکر نہیں کریں گے تو مردوں میں شمار ہوں گے۔ اللہ کو یاد کیجئے اور اپنا نام زندہ لوگوں میں لکھوا لیجئے۔

یاد کا مقام:

اسی لئے یاد کا مقام انسان کا دل ہوتا ہے۔ ایک ماں کا بیٹا سعودیہ گیا ہوا ہے، وہ فون کرتا ہے تو ماں جواب دیتی ہے۔ بیٹا! میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے۔ وہ کبھی یہ نہیں کہتی کہ میری زبان تجھے بہت یاد کرتی ہے۔ ہمیشہ یہی کہے گی کہ میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یاد کا مقام انسان کا دل ہے۔ زبان سے صرف اس کا

اظہار ہوا کرتا ہے۔ہم بھی اللہ کی یاد کو اپنے دل میں بسالیں۔ ہمارا دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہر وقت مشغول رہے۔لوگ پوچھتے ہیں کہ ہر وقت اللہ کیسے یاد رہ سکتا ہے جبکہ دنیا کے کام بھی کرنے ہوتے ہیں۔

ایک آدمی سڑک پر سفر کر رہا ہے۔اچانک اس کے سامنے ایک ایکسیڈنٹ ہوتا ہے۔اب اس منظر کی چھاپ بندے کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہے۔اب وہ جا تو گھر رہا ہوتا ہے سوچ ایکسیڈنٹ کے بارے میں رہا ہوتا ہے۔گھر پہنچتا ہے تو بیوی بچوں کو ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتاتا ہے۔دوست کا فون آتا ہے اس کو ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتاتا ہے۔حتیٰ کہ جب شام کو بیوی بچوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھتا ہے تو اس وقت بھی یہی کہتا ہے کہ میں کیا کروں بس مجھے وہ منظر بھول ہی نہیں رہا۔

یاد رکھیں جس طرح وہ منظر بندے کے ذہن میں نقش ہو گیا، اسے اب وہ بھولتا ہی نہیں، اسی طرح اللہ والوں کے دلوں پر اللہ کا نام ایسے نقش ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کو بھولتے ہی نہیں۔اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت ان کی توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔

اللہ کے ذکر کی تاثیر:

جب بار بار اللہ کے لفظ کا دھیان کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے نام سے ہمارے دلوں میں برکت آئے گی۔ایک عقلی دلیل ہے کہ اگر ایک نل لیک ہو اور اس کے نیچے اگر چپس بھی ڈالی ہو تو پانی کا قطرہ قطرہ جہاں گرتا ہے وہاں نیچے سوراخ بن جاتا ہے۔اب پانی کا نرم قطرہ اگر پتھر پر گرتا رہا تو وہ پتھر میں راستہ بنالیتا ہے، اگر اللہ کا نام کسی بندے کے دل پر بار بار آتا رہے گا تو کیا اللہ کا نام اس پتھر دل میں راستہ نہیں بنائے گا۔اللہ کا نام بھی راستہ بنالیتا ہے۔اس میں اثرات ہیں۔یہ بندے کے

دل میں اپنی جگہ بنالیتا ہے۔

ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ تھے۔ایک مرتبہ ان کی محفل میں وقت کا ایک بڑا مفکر موجود تھا۔ بہت بڑا عقل والا تھا۔اس کا نام بوعلی سینا تھا۔حضرت نے اسم ذات کے فضائل سنانے شروع کر دیئے کہ اسم ذات سے انسان کا دل صاف ہو جاتا ہے، انسان کے اندر نیکی آجاتی ہے، انسان کو عبادت میں لذت ملتی ہے، انسان کے اندر سے حسد، بغض، کینہ سب کچھ نکل جاتا ہے۔ جب آپ نے اتنے فضائل سنائے تو حکیم صاحب کو بڑی حیرانی ہوئی۔اس نے بھرے مجمع میں پوچھا کہ یہ ایک لفظ اتنے اثرات پیدا کر دیتا ہے۔تو حضرت نے فرمایا..... ''اے خر! تو چہ دانی''۔اے گدھے! تجھے کیا پتہ ..... جب بھری محفل میں اس کو گدھا کہا گیا تو حکیم صاحب کے تو پسینے چھوٹ گئے۔ جب حضرت نے دیکھا کہ پسینے آرہے ہیں تو فرمایا، حکیم صاحب! پسینہ آرہا ہے؟ بولا، حضرت! آپ نے لفظ ہی ایسا بولا ہے کہ اس لفظ کی وجہ سے میرے تن بدن میں عجیب کیفیت ہوگئی۔حضرت نے فرمایا کہ میں نے ایک لفظ ''گدھا'' بولا، اس نے تیرے تن بدن میں تاثیر پیدا کر دی۔کیا اللہ کے نام میں اتنی بھی تاثیر نہیں کہ تیرے بدن میں کوئی اثر پیدا کرے۔آج مٹھائی کا نام لو تو منہ میں پانی آجاتا ہے، اچار کا نام لو تو منہ میں پانی آجاتا ہے۔اوکھٹائی اور مٹھائی کے نام سے منہ میں پانی لانے والو! کیا اللہ کے نام میں اتنی بھی تاثیر نہیں ہے؟ خدا کے بندو! فرق اتنا ہے کہ اندر محبت نہیں ورنہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کا تو نام لینے میں مزا آتا ہے۔

ذکر سے متعلق اعتراضات کا جواب:

☆.....اب کئی لوگ پوچھتے ہیں۔کہ یہ ذکر مراقبے کہاں سے ثابت ہیں۔قرآن

پڑھیے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً (الاعراف: ۲۰۵)

[ذکر کر اپنے رب کا اپنے نفس میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے]

مفسرین نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اپنے دل میں اللہ کو یاد کر۔ دل میں اللہ کو یاد کرنے کا نام ہی تو مراقبہ ہے۔ یہاں و اذکر (ذکر کر) امر کا صیغہ ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا۔ یعنی اللہ کا ذکر دل میں بیٹھ کر کرو۔ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً۔ گڑگڑاتے ہوئے اور خفیہ انداز سے۔ اسی کو تو مراقبہ کہتے ہیں۔

☆.....اب کہتے ہیں کہ یہ اللہ اللہ کا ذکر کہاں سے آ گیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود فرماتے ہیں۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ [ذکر کر اپنے رب کے نام کا]

اور رب کا نام ہے اللہ۔ ہم اگر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں کون سی برائی ہے۔ تمہیں اچھا لگے نہ لگے، ہمیں اچھا لگتا ہے۔

☆.....پھر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ حرف ندا ہونا چاہیے۔ جیسے یا اللہ۔ جب بچہ ماں کے لئے تڑپتا ہے تو وہ کہتا ہے۔ امی!.....امی!۔ وہ کوئی حرف ندا ساتھ نہیں لگاتا۔ خود بخود پتہ ہوتا ہے کہ حرف ندا ساتھ ہے۔ مگر اس ایک لفظ ''امی'' میں تاثیر ہوتی ہے کہ ماں فوراً بچے کے پاس آجاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جو بندہ اللہ کی محبت میں ڈوب کر اللہ اللہ پکارتا ہے، اللہ کی رحمت جوش میں آکر اس بندے کی مصیبتوں کو ٹال دیا کرتی ہے۔ اگر ماں پیار کے لئے آجاتی ہے تو وہ جس کو دنیا کی ماؤں سے ستر گنا زیادہ پیار ہے، کیا وہ اللہ تعالیٰ متوجہ نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نام میں برکت ہے۔

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ [برکت والا نام ہے تیرے رب کا]

☆..... کہتے ہیں کہ کیا بے مطلب پڑھتے رہتے ہیں۔ تو بھائی سن لو!

ہم رٹیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

ہم اللہ کے نام کے عاشق ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ بس اللہ کا نام ہماری زبان پر جاری رہے۔

☆..... ایک صاحب پوچھنے لگے، یہ اللہ اللہ کا ذکر کہاں سے آیا؟ میں نے اس سے کہا کہ دیکھو حدیث پاک میں ہے:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَالُ فِى الْاَرْضِ اَللّٰه اَللّٰه

[اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوسکتی جب تک ایک بھی بندہ دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا ہے]

تو نبی علیہ السلام نے ایک سے زیادہ دفعہ کہا۔ اب یہ دو لفظ تو حدیث سے ثابت ہیں۔ ہم بھی دو دو دفعہ کہتے ہیں ..... اللہ اللہ ..... اللہ اللہ ..... اللہ اللہ۔ جب حدیث میں آ گیا تو اب ہمیں اللہ اللہ کہنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ ہم اس لفظ کو سینکڑوں دفعہ کہیں، کسی کو کیوں پریشانی ہو رہی ہے۔ اللہ کی شان دیکھو، ذکر کوئی کرتا ہے پریشانی کسی کو ہوتی ہے۔

اچھا بھئی! تم اپنی اولاد کا ذکر کرو، کاروبار کا ذکر کرو، مشینری کا ذکر کرو، ہم اپنے رب کا تذکرہ نہیں کر سکتے۔ تم جہاں بیٹھو اپنی محبوب چیزوں کا تذکرہ کرو۔ ہم بھی جہاں بیٹھیں گے اپنے محبوب کا تذکرہ کریں گے۔ ہمیں اللہ کے نام سے محبت ہے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کریں گے۔ دل میں بھی کریں گے اور زبان سے بھی کریں گے۔ چنانچہ کچھ ایسے سلسلے ہیں کہ جن میں لسانی ذکر کیا جاتا ہے اور کچھ ایسے ہیں جن میں قلبی ذکر

کیا جاتا ہے۔ الحمد للہ ہم قلبی ذکر بھی کرتے ہیں اور لسانی بھی کرتے ہیں۔ اللہ اللہ کا ذکر قلبی طور پر کرتے ہیں۔ اور ایک سبق لا الٰہ الا اللہ کا آتا ہے جس میں ہزاروں مرتبہ دن میں اپنی زبان سے لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ دل پر ضربیں لگاتے ہیں۔ اس سے پھر دل صاف ہوتا ہے۔

ایک صاحب کلمے کا ذکر کر رہے تھے۔ کوئی صاحب آ گئے، کہنے لگے کہ یہ حدیث سے ثابت نہیں۔ انہوں نے عجیب جواب دیا۔ کہنے لگے کہ مرنے والے کو کلمہ کی تلقین کی جاتی ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کی جاتی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میں بھی اپنے نفس کو کو ہر لمحے کلمے کی تلقین کر رہا ہوں۔ ممکن ہے اگلے لمحے ہی اس کو موت آ جائے۔

روحانیت کی دنیا کا نورانی قاعدہ:

آج اس ذکر کو نفلی کام سمجھ لیا گیا۔ نفلی کام اپنی جگہ، اس کی تاثیر کو دیکھو کہ اس کی تاثیر سے فرائض کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ ذکر کیوں سکھاتے ہیں، یہ کہاں سے سبق آ گئے۔ اگر کوئی بچہ نورانی قاعدہ پڑھ رہا ہو اور اگر کوئی پوچھے کہ قاری صاحب کسی حدیث میں آیا کہ نبی علیہ السلام نے صحابہ کو یہ پڑھایا۔ کسی صحابی نے نورانی قاعدہ پڑھا؟۔ ہم اس کو کہیں گے، خدا کے بندے! ہم تو ایک مشق کروا رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے بچے کو قرآن کا پڑھنا آسان ہو جائے گا، بالکل اسی طرح ہم جو یہ ذکر کے اسباق کراتے ہیں، یہ روحانیت کی دنیا کا نورانی قاعدہ ہے۔ اس سبق کو پڑھنے کے بعد پھر بندے کو ہر وقت اللہ کی یاد کرنی آسان ہو جاتی ہے۔ اور یہ اللہ کا حکم ہے:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ . (النساء: ۱۰۳)

[اللہ کو یاد کرو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے]

وساوس سے بچنے کا آسان طریقہ:

اچھا ایک مثال توجہ سے سنیں ۔ ایک آدمی باکسنگ کا مقابلہ کرنا چاہے تو وہ اس کے لئے تیاری کرتا ہے۔ چنانچہ وہ ورزش کرے گا اور کبھی وہ ایک چمڑے کے بنے ہوئے تکیے کو مکے مارے گا تا کہ اس کے اندر مقابلے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ خوب مشق کر لینے کے بعد جب وہ مقابلے کے لئے رِنگ میں اترے گا تو اپنے مخالف پر غالب آجائے گا اور اگر کوئی بندہ جو مقابلہ تو طے کر لے اور کہے کہ رِنگ میں جائیں گے تو دیکھی جائے گی تو پھر رِنگ میں اس کا تماشہ دنیا دیکھے گی۔ کیوں کہ اس نے محنت اور تیاری نہیں کی۔ بالکل اسی طرح اللہ رب العزت نے ہمیں فرمایا کہ..... اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ [میری یاد کی خاطر تم نماز قائم کرو].....اب اگر بندہ سوچے کہ میں جب اللہ اکبر کہہ کر کے نماز کے رنگ میں داخل ہو جاؤں گا تو دیکھا جائے گا۔ تو پھر اس کو تو نفسانی شیطانی خیال آنے ہی ہیں کیونکہ اس نے تیاری جو نہیں کی۔ یاد رکھنا یہ لوگ جو ذکر میں بیٹھتے ہیں یہ اپنے اندر یکسوئی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اپنی توجہ کو مرکوز کرنے کی رنگ سے باہر محنت کرتے ہیں۔ جب یہ کر لیتے ہیں پھر نماز کے وقت مصلے پر آ کر اللہ اکبر کہتے ہیں تو شیطانی، نفسانی اور شہوانی وساوس سے فارغ ہو کر فقط اللہ کی یاد میں ڈوب کر عبادت کرتے ہیں۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ .

اس کیلئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ ہم اگر اللہ رب العزت کا ذکر کثرت کے ساتھ کریں گے۔ تو ہمیں اللہ رب العزت اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔

وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (الاحزاب :35)

اور کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے]

ذکر نہ کرنے پر وعید:

اس کے برعکس ذکر نہ کرنے والے کے لئے وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا. (الجن:۱۷)

[جو اعراض کرے گا اپنے رب کی یاد سے اس کو چڑھتا ہوا عذاب دیا جائے گا]

گویا قرآن سے ثابت ہے کہ ذکر سے غافل ہونے پر عذاب ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اتنا نفلی بھی نہیں ہے کہ نہ کریں گے تو کچھ نہیں ہوگا۔ ذکر نہیں کریں گے تو عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ اس لئے کہ اللہ کی یاد سے غفلت میں وقت گزارا ہوگا۔

دین کا کام کرنے والوں کو ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔ چاہے وہ تعلیم تعلم کا کام کر رہے ہوں، چاہے وہ دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہوں، چاہے وہ جہاد کا کام کر رہے ہوں، کوئی بھی کام دین کا کر رہے ہوں۔ ان کو ذکر کے ساتھ کرنا چاہیے۔

اب ذرا توجہ سے بات سنئے گا..... قرآن عظیم الشان..... اساتذہ بھی متوجہ ہوں..... اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا اور اس وقت کتنی عظیم ہدایات دیں۔ ہدایت دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں اور دی جا رہی ہے انبیاء کو جن کی اتنی شان ہے۔ فرمایا:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ (طٰہٰ:۴۲)

[دونوں جایئے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیوں (معجزات) کو لے کر اور یاد رکھنا تم دونوں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہونا]

انبیاء کو اگر یہ تلقین کی جا رہی ہے تو جو انبیاء کے نائب بننے کی تمنا رکھتے ہوں، ان کے لئے بھی یہی ہدایت ہوگی۔ اس لئے ہمیں چاہیے ہم بھی ہر وقت اللہ کی یاد میں

رہیں۔ جو دعوت کے راستے پر نکلتا ہے، وہ اس کافر کے سامنے جا کر اللہ کے دین کو پیش کرتا ہے۔ اگر وہ نہیں مانتا تو پھر اس کے ساتھ نمٹنا پڑتا ہے۔

لہٰذا کئی مرتبہ ایسا وقت آجاتا ہے کہ کفر اور اسلام کے درمیان جہاد کا موقع پیش آ گیا۔ وہ کیسا عجیب وقت ہوتا ہے کہ بندہ دشمن کے سامنے ہے، ذرا سی بھی غفلت سے دشمن کا وار چل سکتا ہے، گردن کٹ سکتی ہے اور جان نکل سکتی ہے۔ اتنا محتاط ہونے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الانفال:۴۵)

[اے ایمان والو! جب تمہارا آمنا سامنا (کافر) جماعت کے ساتھ ہو جائے تو تم جم جاؤ اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ]

اب آپ سوچیے کہ عین حالتِ جہاد میں جب گردنیں کٹ رہی ہیں، لاشیں گر رہی ہیں، خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں، اس حال میں بھی اللہ سے غافل نہیں ہو سکتے تو پھر ہم اپنے دستر خوان پر پھل کھاتے ہوئے اور اپنی مجلسوں میں گپیں لگاتے ہوئے اللہ کی یاد سے کیسے غافل ہو سکتے ہیں۔

حضرت خواجہ مجذوبؒ کا واقعہ:

حضرت خواجہ محمد مجذوب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفہ تھے۔ ایک دفعہ مجلس میں بیٹھے ہوئے انہوں نے لطیفے سنانے شروع کر دیئے اور اتنے لطیفے سنائے کہ لوگوں کے ہنس ہنس کے پیٹ دوہرے ہو گئے۔ حالت بری ہو گئی۔ اتنے لطیفے سنائے اور ایک گھنٹہ لطیفے سنانے کے بعد اچانک سیریس ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ بتاؤ ان لطیفوں کے سننے کے دوران تم میں سے کون اللہ کی طرف متوجہ رہا۔ ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو غافل ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ الحمدللہ

میں نے ایک گھنٹہ لطیفے سنائے میں ایک لمحے بھی اللہ سے غافل نہیں ہوا۔ یہ اللہ والے ہوتے ہیں کہ جن کے دل ہر وقت اللہ کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ اسی کا نام اللہ کا ذکر ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اندر کی شہوت اور غصہ قابو میں آجائیں۔ حرص، بخل، عجب، کینہ، حسد یہ سب کنٹرول میں آجائیں تو ان تمام روحانی بیماریوں کے لئے اللہ کا ذکر دوا اور تریاق ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

ذِكْرُ اللّٰهِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ .

[اللہ کا ذکر دلوں کے لئے شفاء ہے]

نسخے کو استعمال کیجئے پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیسے شفا عطا فرماتے ہیں۔

فاذکرونی اذکرکم کے اسرار و رموز

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ

[تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا]

(۱).....اب یہاں بات سمجھانے والی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم مجھے یاد کرو کہ پڑھتے رہو.....اللہ اللہ اللہ.....اور میں اس کے جواب میں کہوں گا..... بندہ بندہ بندہ.....اللہ تعالیٰ ایسے نہیں یاد کرتے۔ اللہ کا یاد کرنا کچھ اور معنی رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر۔

ایک بندے نے پلاٹ تقسیم کرنے ہیں اور کسی بے چارے کو چاہئیں۔ اب وہ جا کر ملتا ہے۔ ان کی منت سماجت کرتا ہے اور واپس آجاتا ہے۔ پھر دوبارہ فون کر کے کہتا ہے کہ جب فیصلہ ہو تو ہمیں بھی یاد رکھنا۔ اس کے یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہمارے حق میں فیصلہ کر دینا۔ بالکل یہی مطلب اس بات کا ہے کہ فَاذْكُرُوْنِیْ

اَذْکُرْکُمْ میرے بندو! تم میرے حکموں پہ عمل کرتے ہوئے مجھے یاد کرو گے تو میں اللہ، تم بندوں کو یاد کر کے حالات کو تمہارے لئے ساز گار بنا دوں گا۔ تمہیں خوشیوں کے حالات دے دوں گا۔ تم مجھے عمل کے وقت یاد کرنا، میں اللہ، اعمال کی توفیق دینے کے وقت تمہیں یاد کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ان سے نیک کام کرواتے رہتے ہیں۔ وہ اگر دنیا کے کام میں لگنا بھی چاہیں تو اس کام میں بھی اللہ ان کو دین کے کام میں لگا دیتا ہے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ ان کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں میں رزق تقسیم فرماتے ہیں اسی طرح اعمال کی توفیق بھی بندوں میں تقسیم فرماتے ہیں۔ اب کسی کو تہجد کی توفیق نصیب نہیں تو کسی کو تکبیرِ اولیٰ کی توفیق نصیب نہیں۔ کسی کو روزانہ تلاوت کی توفیق نصیب نہیں اور کسی کو آنکھیں غیر محرم سے بچانے کی توفیق نصیب نہیں۔ یہ توفیقیں کیسے ملیں گی۔ آیئے ذکر کیجئے اور پھر دیکھئے کہ اللہ نیک اعمال کی توفیقیں کیسے عطا فرماتا ہے۔

(۲)..... ''فاذکرونی اذکرکم'' کا ایک معنیٰ تو یہ بنتا ہے کہ اے میرے بندو! تم مجھے فرش پہ یاد کرو گے تو میں پروردگار تمہیں عرش پر یاد کروں گا اور دوسری بات فرمائی کہ اے بندو! تم میرے حکموں کی اطاعت کے وقت اگر مجھے یاد کرو گے تو تمہارے کاموں کے وقت میں مخلوق کو تمہارا مطیع اور فرمانبردار بنا دوں گا۔ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ اللہ والوں کے کام پتہ نہیں لوگ کیوں کر دیتے ہیں۔ بھئی، انہوں نے کسی کو زبردستی غلام تو نہیں بنایا ہوتا۔ لوگ بھاگ بھاگ کر خدمت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اللہ کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں اس کے بدلے اللہ اپنی مخلوق کو اس کی خدمت پر لگا دیتے ہیں۔

ہارون الرشید ایک مرتبہ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا مسجد کی طرف دیکھ رہا تھا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ آئے اور مسجد میں داخل ہونے لگے تو دو طالب علم بھاگے۔ ایک چاہتا تھا کہ میں حضرت کے جوتے اٹھاؤں اور دوسرا چاہتا تھا کہ میں حضرت کے جوتے اٹھاؤں۔ اللہ کی شان کہ جب انہوں نے جوتے اتارے تو ایک جوتے پہ ایک کا ہاتھ اور دوسرے پہ دوسرے کا ہاتھ آ گیا۔ اب دستور تو یہی تھا کہ جس کا ہاتھ آ گیا وہ اٹھائے۔ سمجھدار اور نیک نیت تھے۔ ان میں سے ایک نے جلدی سے اپنا رومال بچھا لیا تو دونوں جوتے اس کے اندر رکھ دیئے۔ اب ایک نے ایک طرف سے رومال پکڑا اور دوسرے نے دوسری طرف سے رومال پکڑا اور اس شان سے حضرت کے جوتوں کو لے کر چلے۔ ہارون الرشید نے ٹھنڈی سانس لی۔ زبیدہ کے پوچھنے پر کہا کہ یوں تو دنیا ہمیں بادشاہ کہتی ہے لیکن ہمارے جوتے اٹھانے کے لئے بھلا کون جھگڑتا ہے۔ یہ اللہ والوں کی شان ہوتی ہے کہ ان کے جوتے اٹھانے کے لئے لوگ جھگڑتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے حکموں کی اطاعت کے وقت اپنے رب کو یاد رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کے موقعوں پر لوگوں کو ان کا مطیع بنا دیتا ہے۔

لوگ اپنے بچے کو کہتے ہیں کہ بچہ یہ نہیں کرنا۔ بچہ سنتا ہی نہیں اور اللہ والے وہی لفظ کہہ دیتے ہیں تو بچہ فوراً مان جاتا ہے۔ بیوی کہتی رہی، سگریٹ چھوڑ دو اور خاوند نے جواب دیا، تمہیں چھوڑ سکتا ہوں لیکن سگریٹ نہیں چھوڑ سکتا۔ اور یہ بندہ جب بیعت ہوتا ہے تو چند دن کے اندر از خود سگریٹ چھوڑ دیتا ہے۔ یہ اللہ والوں کی صحبت کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ عملوں کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

(۳).....انسان اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا رہے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کثرت سے اعمال کی توفیق ملتی ہے۔

ایک بزرگ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن خیال آیا اور میں نے اللہ سے دعا کی، اے اللہ! جنت میں جس نے میری ساتھی بننا ہے، دنیا میں مجھے دکھا

دے۔فرمایا گیا، اچھا فلاں جگہ چلا جا، ایک عورت ملے گی، وہ جنت میں تمہاری بیوی بن جائے گی۔ یہ وہاں پر گئے تو دیکھا کہ ایک عورت مصلے پہ بیٹھی نفلیں پڑھ رہی ہے اور اس کی بکریاں چر رہی ہیں اور بکریوں کے ساتھ بھیڑیا بھی بیٹھا ہے اور بھیڑیا بکریوں کو کچھ نہیں کہہ رہا۔ یہ بڑے حیران ہوئے۔اس عورت کے قریب پہنچ کر سلام کیا تو وہ فرمانے لگیں عبد الواحد وعدہ تو قیامت کے بعد جنت کا ہے تم ابھی کیسے آ گئے۔ سمجھ گئے کہ یہ کوئی بہت فراست اور بصیرت رکھنے والی اللہ کی مقبول بندی ہے۔ اس سے پوچھا کہ مجھے ایک بات سمجھ نہیں آ رہی۔ یہ بھیڑیا بکریوں کو کچھ نہیں کہہ رہا۔تو اس نے جواب دیا، عبد الواحد! جب سے میں نے اپنے اللہ سے صلح کر لی اس وقت سے بھیڑیے نے میری بکریوں سے صلح کر لی ہے۔آج لوگ کہتے ہیں کہ اولاد بات نہیں مانتی۔ اللہ سے صلح کر لو، اللہ کی ہر بات مانو پھر دیکھو کہ اولاد تمہاری بات کیسے نہیں مانتی ہے ۔ کوئی 80% دین پر تو کوئی 90% اور کوئی 95% دین پر، لیکن 100% زندگی دین پر کوئی نہیں ہوتی۔ وہ جو کمی یا کوتاہی ہوتی ہے، اس کا اثر منعکس ہو کر اولاد میں نظر آتا ہے۔ دل تنگ ہوتا ہے بچے بات نہیں مان رہے ہوتے۔ کاش وہ کمی جو ہم نے چھوڑی ہے وہ ہم پوری کر دیتے۔ اللہ اولاد کو ہمارا مطیع و فرمانبردار بنا دیتا۔

کئی دفعہ بندے کی آزمائش ہو جاتی ہے۔ مگر عام دستور یہی ہے کہ جو اللہ کا فرمانبردار بن جائے گا اللہ تعالیٰ مخلوق کو ان کا فرمانبردار بنا دے گا۔ اسی لئے فرمایا! فاذکرونی اذکرکم (اے میرے بندو! تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا)

(۴).....ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ تم میرے نام کا احترام کرو گے تو میں تمہارے نام کو عزتیں عطا فرما دوں گا۔ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے تو ایک کاغذ پر اللہ کا نام لکھا ہوا پڑا دیکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ

زمین پر پڑا ہے تو کاغذ کو اٹھا کر اوپر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ولی کو الہام فرمایا، جاؤ! بشر حافی کو کہہ دو کہ تم نے میرے نام کو فرش سے اٹھا کر اپنے سر کے قریب تک اونچا کیا، میں تمہارے نام کو فرش سے اٹھا کر عرش تک اوپر کر دوں گا۔ اللہ نے ان کو اپنا ولی بنا دیا اور ولایت کا نور عطا فرما دیا۔

(۵).....فرمایا، اے میرے بندے! تم معصیت سے بچنے کے لئے مجھے یاد کر لینا تو مصیبت سے بچانے کے لئے میں تمہیں یاد کر لوں گا۔ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں، اللہ، ان کو مصیبتوں سے بچاتا ہے۔ ایک عورت گھر میں بیٹھی کھا رہی تھی۔ اللہ کی شان کہ بھوک بھی بہت تھی اور دروازے پر کسی سائل نے صدا بھی لگا دی کہ اللہ کے نام پر کھانا دے دو۔ اس خدا کی بندی نے وہ لقمہ جو ہاتھ میں تھا منہ میں ڈالنے کی بجائے وہ بھی رکھ دیا اور بچی ہوئی روٹی سائل کو دے دی۔ پھر اس عمل کو بھول گئی۔ اللہ کی شان ایک مرتبہ یہ کہیں سفر پہ جا رہی تھی اور اس کا بچہ ساتھ تھا۔ یہ نماز پڑھنے لگی یا کسی کام میں مصروف ہوئی۔ بچہ قریب تھا، درختوں میں سے ایک بھیڑیا نکلا اور بچے کو منہ میں اٹھا کے بھاگا۔ جیسے ہی وہ بھاگا، ماں کے دل سے آہ نکلی۔ یک دم ایک بڑا طاقت ور انسان ظاہر ہوا اور اس کو دیکھ کر اس بھیڑیے نے بچے کو منہ سے نکال دیا اور خود بھاگ گیا۔ ماں نے جا کر بچے کو اٹھا لیا اور اس بندے سے پوچھا کہ خدا کے بندے! تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں اللہ کا فرشتہ ہوں۔ ایک موقع پر تم نے منہ کا نوالہ نکال کر اللہ کے لئے فقیر کو دے دیا تھا، آج اللہ تعالیٰ نے بھیڑیے کے منہ سے نوالہ نکال کر تمہیں واپس عطا فرما دیا۔ تو ہم اگر اپنی زندگی میں اللہ کو یاد کریں گے تو اللہ رب العزت ایسی مصیبت کے وقت میں ہمیں یاد کرے گا۔

(۶).....فرمایا میرے بندو! فاذکرونی اذکرکم۔ تم راحت کے وقت میں مجھے یاد کرنا میں زحمت کے وقت میں تمہیں یاد کروں گا۔ تم خوشی کے حال میں مجھے یاد کرنا

میں تمہارے غم کی حالت میں تمہیں یاد کروں گا۔ میں تمہارا مونس وغم خوار بن جاؤں گا۔ میں تمہیں دنیا میں سکون عطا فرمادوں گا۔

(۷).....ایک اور بزرگ نے بیان کیا:

فاذکروا نی فی مھدکم اذکرکم فی لحدکم.

[تم اگر اپنے پنگھوڑوں یعنی نرم بستروں میں مجھے یاد کروگے میں پروردگار قبر کی تاریکی میں تمہیں یاد کروں گا]

اطمینان قلب کا قرآنی نسخہ:

آج اللہ تعالیٰ کا ذکر ہم کثرت سے کریں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸)

[جان لو اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے]

؎ نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

اللہ کو یاد کرنے سے دل کو سکون ملتا ہے، دل کو تسلی مل جاتی ہے۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے نام کو یاد کریں، پھر دیکھئے اس کی کیا برکتیں ہمیں نصیب ہوں گی۔

؎ کتنی تسکین ہے وابستہ تیرے نام کے ساتھ
نیند کانٹوں پر بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

اللہ کے نام میں کیا لطف ہے اور کیا مزہ ہے۔ اسی لئے کسی عارف نے کہا:

؎ اللہ اللہ ایں چہ شیریں ہست نام
شیر و شکر می شود جانم تمام

کہ یہ اللہ اللہ کتنا میٹھا نام ہے جب میں یہ لیتا ہوں تو میرے بدن میں یوں مٹھاس آجاتی ہے جیسے دودھ میں شکر کو ڈال دو تو پورا دودھ میٹھا ہو جاتا ہے۔

؎ اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے
عاشقوں کا مینا اور جام ہے

جیسے لوگ جام پیتے ہیں تو ان کو نشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کو اللہ کے نام کی شراب الست کا نشہ چڑھ جاتا ہے۔ اس اللہ کے نام میں کیا برکتیں ہیں۔ ذرا اس کو یاد کر کے دیکھ لیجئے اور مزہ پایئے۔

؎ اللہ ہو کے بڑے مزے
جو بھی چاہے وہ چکھ لے

اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

وَذِكْرُ اللّٰهِ اَنِيْسِيْ. [اور اللہ کا ذکر میرا انیس ہے]

یعنی ذکر میرا مونس ہے۔ مجھے غم کی حالت میں مصیبت کی حالت میں اللہ کو یاد کرنے سے سکون نصیب ہوتا ہے۔

ذکر اللہ کو اپنا غمخوار بنائیں:

جب کوئی پریشانی یا مصیبت آئے تو ہمیں اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ قرآن بھی اللہ کا ذکر ہے، تلاوت کریں، نماز پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرۃ:۴۵)

[تم میری مدد پاؤ اللہ کے صبر کے ساتھ اور اللہ کی نماز پڑھنے سے]

جب بھی کوئی مصیبت کا لمحہ آئے، اللہ کا ذکر بھی کثرت سے کیجئے۔ زبان سے بھی دل سے بھی۔ پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ مصیبتوں کو کیسے ٹال دیتا ہے۔ مخلوق کے سامنے شکوے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اپنے رب کے سامنے ہاتھ اٹھا لیجئے۔ حالات تو اللہ نے بدلنے ہیں۔ جب ہماری فریاد پہنچ جائے گی، اللہ تعالیٰ حالات کو بدل دیں

گے۔ ہم بھی اللہ کے ذکر سے انس پائیں اور اللہ کے ساتھ محبت کر کے اپنے غموں کا مداوا حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری تمام پریشانیوں کو دور فرما دے اور اللہ تعالیٰ ہمیں خوشیوں بھری دین والی اور اپنے قرب والی اعمال سے بھری ہوئی زندگی نصیب فرمادے۔ (آمین ثم آمین)

وآخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العٰلمين .

اعتماد میرا خزانہ ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ

وقال رسول الله ﷺ اَلثِّقَةُ كَنْزِىْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اعتماد کسے کہتے ہیں:

کسی پر بھروسہ کرنا اور کسی کی بات کو سچ سمجھ کر بغیر دلیل کے اس کو قبول کر لینا۔ اس کو اعتماد کہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ

اَلثِّقَةُ كَنْزِىْ [اعتماد میرا خزانہ ہے]

اگر آپ انسانی زندگی کو دیکھیں تو ہر شخص کسی نہ کسی پر اعتماد ضرور کرتا ہے۔ اعتماد کیے بغیر زندگی گزر ہی نہیں سکتی۔ چار و ناچار کسی نہ کسی پر اعتماد کرنا ہی پڑتا ہے۔

اعتماد کے زاویے:

اب اس اعتماد کے کئی زاویے ہیں۔

(۱) بچے کا والدین پر اعتماد

ایک زاویہ تو یہ ہے کہ بچہ اپنے والدین پر اعتما کرتا ہے۔ اس لئے چھوٹے بچے کو

ماں کسی چیز سے منع کر دیتی ہے تو اگر چہ اس کا دل اس چیز کو حاصل کرنے کو کر رہا ہوتا ہے لیکن وہ رک جاتا ہے۔ کئی گھروں میں دیکھا کہ بچے کو ٹافی اور میٹھی چیزیں مائیں نہیں کھانے دیتیں تو بچے نہیں کھاتے۔ حالانکہ طبعًا بچے کو میٹھے کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ ماں نے منع کر دیا اس لئے بچہ اس میٹھی چیز کو نہیں لیتا۔ اس کو ماں پر اعتماد ہوتا ہے کہ جو ماں کہہ رہی ہے مجھے وہی کرنا ہے۔ اسی طرح باقی معاملات میں بھی جو ماں باپ اسے کہتے ہیں وہی کرتا ہے۔ اس کی اپنی عقل سمجھ فیصلہ نہیں کر سکتی۔ وہ فقط ماں اور باپ کے چہرے کو دیکھ کر فیصلے کرتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ:

ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا۔ کچھ بڑا ہو گیا تو ان کے ہاں ایک اللہ والے آئے۔ یہ اپنے بیٹے کو ان کے پاس لے کر گیا۔ ان بزرگوں کے پاس کھانے کے لئے میٹھی چیز تھی، انہوں نے بچے کو پیش کی تو بچے نے انکار کیا۔ انہوں نے دوبارہ دی، بچے نے اپنے ابا کی طرف دیکھتے ہوئے پھر انکار کیا۔ جب بچے نے ایسا کیا تو ان بزرگوں کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے۔ والد کو بڑا محسوس ہوا۔ کہنے لگا حضرت یہ بچہ ہے آپ محسوس نہ کریں۔ پھر اس نے بچے کو کہا بیٹا لے لو، بچے نے لے لی۔ اس نے پوچھا حضرت! آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آئے؟ کہنے لگے کہ مجھے یہ خیال آیا کہ یہ چھوٹا سا بچہ ہے لیکن اس کے اندر باپ کی اتنی اطاعت ہے کہ باوجود میٹھے کی رغبت کے جب تک باپ نے اشارہ نہیں کیا اس وقت تک اس نے میٹھی چیز کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ جبکہ میں تو اتنی بڑی عمر کو پہنچ کر بھی چھوٹے بچے کی طرح بھی نہ ہوا۔ ہم لوگ جو گلی بازار میں پھرتے ہیں تو ہمارے سامنے بھی تو نیلی پیلی مٹھائیاں پھر رہی ہوتی ہیں۔ کاش کہ ہم ان کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنے رب کی طرف دیکھتے کہ ہمارے رب کا حکم کیا ہے۔

بچہ پگھلی ہوئی دھات کی طرح ہے:

اس لئے کہتے ہیں کہ چھوٹا بچہ سیال مادے کی طرح ہوتا ہے ۔ Molten Metal (پگھلے ہوئے لوہے) کی طرح ہوتا ہے۔اس لوہے کو جس سانچے میں ڈھال دو وہ وہی شکل اختیار کر لیتا ہے۔چھوٹے بچے کو آپ جس طرح کی تربیت دیں وہ بچہ ویسا ہی بن جاتا ہے۔آج کل چھوٹے بچے کو سمجھانے بیٹھو تو ماں فوراً کہتی ہے چھوٹا ہے بڑا ہو کے ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ بہت ہی غلط فلسفہ ہے۔گویا یہ کہنا چاہتی ہیں کہ دیوار ٹیڑھی بن رہی ہے بننے دو اونچی ہو کے ٹھیک ہو جائے گی۔ جو دیوار اپنی بنیاد سے ٹیڑھی ہوگی اگر وہ ثریا تک بھی جائے گی تو ٹیڑھ پن بڑھتا ہی جائے گا۔چھوٹی عمر تربیت کی عمر ہوتی ہے،اس وقت کی سختی بعد کی عمر میں انسان کے لئے فائدہ کا سبب بنتی ہے۔اسی لئے بچپن کی باتیں انسان کو پچپن میں بھی نہیں بھولا کرتیں۔

باہر ملکوں میں ہم نے ایک چیز دیکھی کہ جو لوگ مسلمان ملکوں سے جاتے ہیں۔ وہاں جاتے ہی کئی مرتبہ الٹے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ڈانس کریں گے،شراب پئیں گے،فحاشی کے کام کریں گے،حرام کھانے لگ جائیں گے۔سارے کام کر لیں گے مگر ان کو اگر کوئی کہے کہ تم دین اسلام کو چھوڑ دو تو وہ دین کو نہیں چھوڑیں گے۔کافی عرصہ ہم اس بات پر سوچتے رہے کہ یہ ظاہر کی زندگی تو کافروں جیسی اختیار کر لیتے ہیں مگر ایمان کو نہیں چھوڑتے،اس کی وجہ کیا ہے؟۔پھر یہ بات دل میں آئی کہ یہ جو باقی چیزیں ہوتی ہیں۔وہ انہوں نے بڑے ہو کر اپنائی ہوتی ہیں،ان کی جڑیں کم گہری ہوتی ہیں۔اس لئے یہ جاتے ہی ان اعمال کو چھوڑ کر کفر کے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔لیکن ایمان انہوں نے ماں کی گود سے حاصل کیا ہوتا ہے۔اس ایمان کی جڑیں اتنی گہری ہوتی ہیں کہ باوجود تمام حرام کاموں کے مرتکب ہونے کے وہ دین سے ہٹنے کا نام نہیں لیتے۔اس لئے بچپن کی عمر بہت قیمتی ہوا کرتی ہے۔بچوں کو سیکھنا چاہیے اور

بڑوں کو سکھانا چاہیے۔

(۲) شاگرد کا استاذ پر اعتماد

ایک اعتماد شاگرد اپنے استاذ پر بھی کرتا ہے۔ دنیا کے کسی شاگرد کو دیکھو، اپنے استاد پہ اعتماد کرے گا۔ جب اس کو استاد پڑھائے گا کہ یہ حرف زبر کی وجہ سے ایسے اور پیش کی وجہ سے ایسے پڑھا جاتا ہے تو شاگرد ویسا ہی پڑھے گا۔ اس کو اپنے استاد پر اعتماد ہوتا ہے کہ میرا استاد مجھے جو پڑھا رہا ہے وہ ٹھیک پڑھا رہا ہے۔ شاگرد اپنے استاد پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی ہر بات مانتا ہے۔ اس لئے کہ دین کی بنیاد ہی اعتماد پر ہے۔ اگر اعتماد نہ ہو تو دین کی تو بنیادیں ہی ہل جائیں۔ اسی لئے شاگرد استاد پر اعتماد کرتا ہے اور استاد کے طریقے پر چلتا ہے۔ یہ جو استاد کے نقش قدم پر چلنا ہے اسی کا نام دوسرے الفاظ میں تقلید ہے۔

تقلید کسے کہتے ہیں؟

کسی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی بتائی ہوئی بات پر چل دینا، یہ تقلید کہلاتا ہے۔ اسی لئے ہمارے اکابر نے فرمایا کہ عامی (عام بندے) کو چاہیے کہ ائمہ کرام نے جو بتایا بس اس کے اوپر چلتے رہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیوں چلیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ

[ان لوگوں کے راستے پر چل جنہوں نے میری طرف رجوع کیا]

تو قرآن ہمیں اس بات کا حکم دے رہا ہے۔ یہ واتبع یہ امر کا صیغہ ہے اور حکم خدا ہے۔ اسی اتباع کا نام تقلید ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو بس قرآن و حدیث کو مانتے ہیں۔ تو بھئی اللہ تعالیٰ

بھی کہہ سکتے تھے کہ قرآن اور حدیث کی سبیل پہ چلو۔ لیکن فرمایا..... مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ..... جنہوں نے میری طرف رجوع کیا ان کے راستے پر تم چلو، ان کی پیروی کرو، ان کے نقش قدم پر چلو اور جو نہ چلے اس کے لئے قرآن مجید میں وعید سنائی گئی۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا. (النساء: ۱۱۵)

[اور جو مومنین کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور جہنم میں داخل کریں گے جو بری جگہ ہے]

لہٰذا کسی کے پیچھے چلنے کا حکم دیا اور جو نہیں چلتا اس کے لئے عذاب کی خبر سنا دی۔ اس لئے جو کسی کی مان کر چلنے والے ہیں وہ تو اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہیں۔ اور اپنے بڑوں کے حکم پہ چلتے ہیں۔ یہاں بڑوں سے مراد کوئی فاسق فاجر نہیں بلکہ بڑوں سے مراد وہ جو متقی اور پرہیز گار ہیں، جن کے تقویٰ اور جن کے زہد و انابت پر وقت کے تمام علماء نے اپنی مہر لگائی۔ ایسے اللہ کے مقبول بندوں کے راستے پر چلنا ہم اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ہم اس کو حکمِ خدا سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ہم اپنے ائمہ کے بتائے ہوئے رستے پر چلتے ہیں۔ ان ائمہ نے ہمیں اپنے پیچھے نہیں چلایا بلکہ انہوں نے ہمیں اللہ کے حکم پر، قرآن اور حدیث کے رستے پر ہی چلایا ہے۔ وہ خود بھی اسی راستے پر چلے اور ہمیں بھی انہوں نے اسی پر چلنے کی تلقین کی۔ اسی کا نام تقلید ہے۔

تقلید کے لغوی معنی:

چنانچہ تقلید کے لغوی معنی ہیں پیروی کرنا۔ اور تقلید کے شرعی معنی ہیں کسی عالم کے قول کو اِس حسنِ ظن پر مان لینا کہ ٹھیک بتا رہے ہیں۔ اس کو تقلید کہتے ہیں۔ دنیا کا کوئی بندہ بھی تقلید کے بغیر نہیں ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم کسی کی نہیں مانتے، وہ بھی مانتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی محدث کی رائے پر جس نے کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف مان

لیا تو اس نے اس محدث کی پیروی کی۔ لہٰذا اس نے بھی اس محدث کی تقلید کی۔ جو ہر بات بخاری شریف میں سے دیکھ کر بتاتے ہیں، وہ کیسے کہتے ہیں کہ ہم کسی کی نہیں مانتے۔ تقلید تو وہ بھی کر رہے ہیں۔ جب کسی محدث کی رائے پر انہوں نے کسی حدیث کو صحیح مان لیا یا ضعیف مان لیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس کی تحقیق کے اوپر اعتماد کر لیا۔ اسی کا نام تقلید ہے۔ اسی طرح کسی امتی کے بنائے ہوئے اصولِ تفسیر، اصولِ حدیث یا اصولِ فقہ کو قبول کر کے ان کے مسائل کو قبول کر لینا اسی کا نام تقلید ہے۔

معتزلہ کا مذہب:

اور جو کہے کہ میں تو کسی کی نہیں مانتا تو یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ سنئے معتزلہ وہ لوگ تھے جو اہلِ سنت والجماعت کے راستے سے ہٹ گئے۔ اعتزال سے معتزلہ کا لفظ نکلا۔ یہ راستے بھٹکنے والے لوگ تھے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے۔

و حکی عن بعض المعتزلة انه قال لا یجوز للعامی حتیٰ یعرف علة الحکم.

کہ عام بندے کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ کسی عالم کے قول پر وہ عمل کر لے حتیٰ کہ وہ اس کے علتِ حکم کو نہ جان لے۔

یعنی جب تک وہ کسی علتِ حکم کو نہ جانے کسی عالم کی بات کو قبول کر کے اس پر چلنا ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جو کہتے ہیں کہ ہم تو علتِ حکم کی وجہ سے بات مانیں گے تو وہ گویا معتزلہ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ رہے ہیں اور جو اعتماد کر کے اہل علم کی بات کو مان لے وہ بنے گا اہل سنت والجماعت۔ الحمد للہ۔ اللہ کی رحمت ہے کہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں۔

آج کل ان کے مفتی حضرات نے فتوے دینا شروع کر دیئے ہیں۔ ہم جب ان

کے فتووں کو دیکھتے ہیں تو بڑے حیران ہوتے ہوں ۔ کہ انہوں نے کیسے فتوے دینے شروع کر دیئے۔ تو اگر یہ لوگ بھی پڑھ کے مانتے ہیں..... تو پھر تقلید کس کو کہتے ہیں۔ گویا یہ ائمہ کی تقلید تو نہیں کرتے لیکن اپنے مسجد کے امام کی تقلید ضرور کرتے ہیں۔ کوئی بندہ ایسا ہوسکتا ہے جو کہے کہ میں نے زندگی میں کبھی کسی سے قرآن پڑھا نہ حدیث پڑھی لیکن میں علم جانتا ہوں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ جو کسی سے پڑھے گا وہ اس کی بات کو مانے گا۔ وہ اس کے پیچھے چلے گا۔ اسی کو تقلید کہتے ہیں۔

ایک اعتراض کا جواب:

عام طور پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو پیدا ہوئے تھے 80 ہجری میں، اپنی مسند ارشاد پر بیٹھے 120 ہجری میں اور فوت ہوئے 150ھ میں، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر ان تک بھی تو لوگ عمل کرتے تھے، وہ کس کی پیروی کرتے تھے۔ یہ ایسا جال ہے کہ جس میں عام طلباء بھی پھنس جاتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ صحابہ سے لے کر ائمہ تک لوگ کس کی پیروی کرتے تھے؟

جواب سنئے۔ صحابہ کرام نے نبی علیہ السلام کی حیات مبارک میں آپ کی پیروی کی۔ وہ جو بات بتلاتے تھے اس پر عمل کرتے تھے۔ جب نبی علیہ السلام نے پردہ فرما لیا تو صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ بقول حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، اس میں جو عالم اور صاحبِ فتویٰ تھے ان کی تعداد ایک سو انچاس تھی۔ تو ایک سو انچاس (۱۴۹) وہ صحابہ تھے جو بڑے عالم سمجھے جاتے تھے اور ان کا فتویٰ چلتا تھا اور باقی ان سے پوچھا کرتے تھے۔ تو گویا وہ اس وقت کے امام تھے اور باقی سب مقلد تھے۔ پھر عالم اعلم کی پیروی کرتے تھے۔ جو تھوڑے علم والے تھے وہ زیادہ علم والوں کی پیروی کیا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے ان کے تین درجے بنائے جاسکتے ہیں۔

مکثرین:۔ یہ سات تھے جن کی طرف کثرت سے رجوع کیا جاتا تھا۔ ان کے فتاوی

کثیر تھے اور ان کے قول کے آنے پر باقی حضرات اپنے قول سے رجوع کر لیتے تھے۔

متوسّطین: یہ بیس اصحاب تھے، ان سے بھی لوگ پوچھا کرتے تھے اور انہوں نے بھی کچھ فتاوی دیئے لیکن مکثرین سے کم۔

مقلّدین: ایک سو بائیس حضرات ایسے تھے کہ انہوں نے فتوے دیے مگر بہت تھوڑے باقی انہوں نے اکثر دوسروں کے فتوے کو قبول کیا۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کے زمانہ میں عالم اعلم کی پیروی کرتے تھے۔ سارے اللہ کے بزرگ بندے تھے۔ لیکن جس کا جتنا علمی مقام اونچا ہوتا تھا۔ اس کی بات کو اتنا مستند سمجھا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر مکہ مکرمہ کے لوگ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول پہ فتویٰ لیتے تھے۔ پورے مکہ مکرمہ میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ چلا کرتا تھا۔ پھر جب تابعین آگئے تو انہوں نے صحابہ کی پیروی کی۔ تبع تابعین نے تابعین کی پیروی کی۔ تو پچھلے اگلوں کی پیروی کرتے آئے۔ چھوٹے بڑوں کی پیروی کرتے تھے۔ جو علم میں بڑے تھے ان کے کہنے پر چلتے آئے۔ چنانچہ ائمہ نے بھی اپنے بڑوں سے علم پایا۔

ائمہ نے کس کی تقلید کی؟

اب اگر کوئی سوال پوچھے کہ چاروں ائمہ نے کس کی تقلید کی؟ تو جواب یہ کہ انہوں نے بہت سارے مسائل میں اپنے علماء اور اساتذہ کی تقلید کی۔

☆..... چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حج کے مسائل میں عطا ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کے قول پہ فتویٰ دیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

قلته تقليدا لعطا [میں نے عطا کی تقلید میں یہ بات کہی]

یہ عطا ابن ابی رباح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے قول پر فتویٰ دیا۔ ایک جگہ فرمایا:

قلته تقليدا لعمر . [میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا]

ایک جگہ فرمایا

انما قلت بقول زید [میں نے زید رضی اللہ عنہ کے قول پہ فتویٰ دیا]

☆.....امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کنویں کے پانی کے جو مسائل لکھے تھے ان میں تو اپنے اساتذہ ہی کے مسائل یعنی فتاویٰ پر حکم دیا۔ چنانچہ کتاب میں لکھا ہے۔

وَهٰذا اَبُو حنيفه قال فِی مسائل الأبارِ ليس معه الا تقليدا من تقدمه من التابعين

[ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کنویں کے پانی کے مسائل میں یہ فرمایا کہ ان کے پاس اپنے تابعین جو گزر گئے، ان کی تقلید کے سوا اور کوئی چارا نہیں]

کیونکہ اس سے پہلے ان مسائل کے صحیح جواب دیئے جا چکے تھے۔

☆.....آگے امام مالک کے متعلق لکھا ہے کہ

وهٰذا مالك لا يخرج من اهل المدينه.

[اور یہ امام مالکؒ ہیں جو اہل مدینہ کے عمل سے باہر نکلتے ہی نہیں]

ہر بات میں اہل مدینہ کے عمل پر فتویٰ دیتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ ان ائمہ کرام نے اپنے اساتذہ کی تقلید کی، انہوں نے اپنے بڑوں کی، انہوں نے صحابہ کی، انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کی۔

☆.....حتیٰ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی غیر منصوص مسائل میں اپنے بڑوں کی تقلید کی۔ مثال کے طور پر بخاری شریف میں کئی جگہ آپ لکھا ہوا پڑھیں گے۔

قال ابراهيم . (ابراہیم نخعیؒ نے یہ کہا)

قال الحسن البصری . (حسن بصریؒ نے یہ کہا)

ان کے یہ قول انہوں نے کیوں لکھے؟ اس لیے کہ ان مسائل میں انہوں نے ان

ائمہ کے قول کو قبول کر لیا۔ تو جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کی تقلید کرتے تھے ان مسائل میں تو پھر ہمارے لئے اس میں کیا رکاوٹ ہے تو معلوم ہوا کہ یہ ائمہ بھی اپنے سے بڑوں کی تقلید کرتے تھے۔

ائمہ کرام نے کن مسائل میں تقلید کی؟

اس معاملے میں ایک سوال اور سن لیں۔ بات جب چلی تو کھل ہی جائے، طلباء کے لئے اہم بات ہے۔ سوال یہ ہے کہ تقلید کن مسائل میں ہوتی ہے۔ دیکھیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود مجتہد کا درجہ رکھتے تھے مگر محدث تھے حدیث پر کام زیادہ تھا۔ لیکن آپ بہت سارے مسائل میں دوسرے ائمہ کا قول لے لیا کرتے تھے۔ تو جو عالم ہوتا وہ آخر تقلید کس میں کرتا ہے؟

ایک ہوتے ہیں وہ مسائل جن کو منصوصہ کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں کہ جو قرآن وحدیث میں وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے۔ مثال کے طور پر فرض نمازیں پانچ ہیں۔ اب اس میں کوئی اگلی بات ہے ہی نہیں۔ یہ بات آچکی اور سب کو معلوم ہے لیکن بعض ایسے مسائل ہوتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں وضاحت سے نہیں آئے ہوتے، ان کو مسائل غیر منصوصہ کہتے ہیں۔ یا اگر آئے ہیں تو کہیں نہ کہیں ان میں تعارض پایا جاتا ہے۔ ٹکراؤ ہوتا ہے۔

اس لئے مجتہد دو طرح کے مسائل میں کام کرتا ہے۔ ایک مسائل غیر منصوصہ میں دوسرا مسائل منصوصہ متعارضہ میں۔ یعنی ایسے منصوصہ مسائل جن میں تعارض یا ٹکراؤ ہے۔ غیر معلومۃ التقدیم والتاخیر، یہ پتہ نہیں کہ نبی علیہ السلام نے پہلے کون سا عمل کیا بعد میں کون سا عمل کیا۔ مثلاً شروع شروع میں نماز میں سلام کا جواب دے دیا جاتا تھا لیکن بعد میں نبی علیہ السلام نے منع فرما دیا۔ اب پہلا قول سلام کا جواب دینے کا ہے اور بعد کا قول سلام کا جواب نہ دینے کا ہے۔ تو جو بعد کا قول ہوتا ہے وہ پہلے کو منسوخ

کر دیتا ہے، اس لئے بعد والا قول لیا کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی مسئلہ ہے تو منصوصہ لیکن متعارضہ ہے۔ اس کے ساتھ ٹکراؤ پایا جا رہا ہے اور یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ اس میں تقدم کس کو ہے تاخر کس کو ہے۔ یہ پتہ کون لگائے گا؟ مجتہد لگائے گا یہ فقیہ لگائے گا۔ اس لئے فقیہ کا دائرہ کار مسائل غیر منصوصہ میں ہوتا ہے یا مسائل منصوصہ غیر معلوم التقدیم والتاخیر میں جو متعارضہ ہوں۔ تو ایسے میں ہر ایک کو کسی نا کسی فقیہ کے پاس جانا پڑے گا۔ اس لئے اپنے بڑوں کی مان کر چلنے کے سوا بندے بندے کے پاس چارہ نہیں۔

اعتماد دین کی بنیاد ہے:

دین نام ہی اعتماد کا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر نبی علیہ السلام پر اعتماد نہ کرتے تو کیا ان کو دین ملتا؟ دین ملا ہی اعتماد سے۔ اسی طرح تابعین نے صحابہ پر اعتماد کیا۔ اب جس بندے میں بداعتمادی آ جائے اس کا تو دین خطرے میں ہے۔ اس لئے جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم مقلد ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہم اپنے بڑوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں کہ ہم تو مقلد نہیں، وہ کیا کہہ رہے ہوتے ہیں؟ دوسرے لفظوں میں وہ اپنے بڑوں پر بداعتمادی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بداعتمادی سے بچائے اور اپنے بڑوں پر اپنے علماء پر اعتماد والی زندگی نصیب فرمائے۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اِعلَمْ اَنَّ الدِّیْنَ اِنَّمَا هُوَ التَّقْلِیْدُ.

[جان لو کہ دین تقلید کا دوسرا نام ہے]

اور یہ تقلید اصحاب رسول اللہ ﷺ سے آگے چلی ہے۔ انہوں نے نبی علیہ السلام پر اعتماد کیا اور ان پر تابعین نے اعتماد کیا اور ان پر تبع تابعین نے اور اس طرح یہ سلسلہ آگے چلا۔ اور یہ اعتماد کیوں کیا جاتا ہے اللہ کا حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ

پیروی کرو ان لوگوں کے راستے کی جنہوں نے میری طرف انابت کی۔

یہ تو قرآن پاک کی آیت تھی۔ اب نبی علیہ السلام کا فرمان سن لیجئے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ

اِتَّبِعُوْا سَوَادَ الْاَعْظَمَ

[تم بڑی جماعت کی پیروی کرو]

سوادالاعظم کہتے ہیں بڑے گروپ کو۔ اب دین اسلام میں جو بڑی جماعت ہے وہ ائمہ اربعہ کے اتباع کرنے والوں کی جماعت ہے۔ تو یہ سوادالاعظم ہے۔ اور حدیث پاک میں آیا کہ اگر تم ان سے ہٹو گے

من شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ

تو اللہ رب العزت ہمیں ان اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۳) مرید کا شیخ پر اعتماد

اعتماد کا ایک تیسرا زاویہ بھی ہے کہ۔ مریض اپنے ڈاکٹر پر اعتماد کرتا ہے۔ مریض ہمیشہ ڈاکٹر کے پاس جا کر بیٹھتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ دوائی دے دیں۔ اور اگر مریض پوچھنے لگ جائے کہ اس دوا کے دینے کی دلیل کیا ہے تو کیا اس کا علاج ہو جائے گا یا اس کا بخار اتر جائے گا، ہرگز نہیں۔

ہر مریض ڈاکٹر کو دیکھتا ہے کہ وہ معروف ڈاکٹر ہے یا نہیں۔ مقبول ڈاکٹر ہے یا نہیں۔ اگر وہ عوام الناس میں مقبول ہے، دوسرے ڈاکٹروں نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ لوگ اس کے تجربے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو پھر بندے کے لئے اس پر

اعتماد کرنا کافی ہے۔ اب اگر اس پر اعتماد کرلیا جائے اور اس سے جا کر دوائی لے لی جائے تو ان شاء اللہ بخار اتر جائے گا۔

جس طرح مریض اپنے ڈاکٹر پر اعتماد کرتا ہے اسی طرح ایک مرید بھی اپنے شیخ پر اعتماد کرتا ہے۔ یہ جو شیخ کے ساتھ بیعت کا تعلق ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اعتماد ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی زندگی نیکی تقویٰ میں گزاری، اللہ والوں کی صحبت پائی اور اللہ والے لوگوں نے تصدیق کردی کہ اب یہ اوروں کو بھی اللہ اللہ سکھانے کے قابل ہے۔ اب بڑوں کی تصدیق کافی ہے۔ چنانچہ جو لوگ متبع شریعت وسنت لوگوں پر اعتماد کر کے زندگی گزارتے ہیں۔ وہ بامراد ہوتے ہیں۔ ان کو اللہ رب العزت کی محبت بہت جلدی نصیب ہو جاتی ہے۔ بلکہ مولانا رومؒ نے تو ایک عجیب بات کہی۔ وہ فرماتے ہیں۔

؎ لمبے سجادہ رنگی کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود زرسم و راہ منزلہا

[اگر تجھے شیخ کہے کہ تو اپنے مصلے کو شراب سے رنگین کرلے اس لئے کہ سالک اصلاح کے طریقوں سے واقفیت نہیں ہے۔]

شاہ عبدالعزیزؒ اور ایک عالم کا واقعہ:

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاگرد تھا جو عالم تھا۔ وہ ایک دفعہ حضرت کے پاس آیا اور اس نے آ کے کہا کہ حضرت! یہ شعر ہے جس نے بھی یہ شعر کہا لگتا ہے اس نے بہت زیادہ اس میں افراط وتفریط سے کام لیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جیب سے کچھ پیسے نکالے اور اس عالم کو دیئے اور کہا کہ بھئی! یہ پیسے لے جاؤ اور بازار چلے جاؤ جہاں جسم فروش عورتیں ہوتی ہیں، وہاں جا کر یہ کہنا کہ پیسے میں دیتا ہوں لیکن جو کوئی نئی عورت آئی ہے مجھے اس سے ملاؤ۔ اب وہ اتنے

بڑے فقیہ اور شیخ لیکن انہوں نے یہ فرمادیا۔ پیسے تو اس نے لے لیے مگر جب باہر نکلا تو کہنے لگا میں تو یہ کام نہیں کرسکتا۔ مگر جانتا تھا کہ میرے شیخ بہت بڑے متقی انسان ہیں۔ اگلے دن پھر حضرت کی صحبت میں پہنچا۔ حضرت نے پوچھا کہ کل گئے تھے؟ نہیں حضرت نہیں گیا تھا۔ فرمایا، بھئی نقصان اٹھاؤ گے، آج چلے جاؤ تمہارے پاس وقت کم ہے۔ جب دوبارہ کہا تو اس نے پیسے لیے اور چلا گیا۔ اس نے جب جا کر یہ الفاظ کہے تو بتانے والے نے اس کو بتایا کہ ہاں ہمارے ہاں ایک عورت نئی پہنچی ہے۔ کل سفر سے آئی تھی تھکی ہوئی تھی۔ آج ہم آپ سے اس کو ملا دیتے ہیں۔ جب وہ ملنے کے لئے سامنے آئی تو عالم صاحب نے دیکھا کہ ان کی سگی بیٹی تھی۔

دراصل دو دن پہلے بیٹی کی شادی ہوئی تھی اور انہوں نے اس کو اپنے خاوند کے ساتھ روانہ کیا۔ برات نے کسی دوسرے شہر جانا تھا، راستے میں جنگل میں کچھ ظالم ڈاکوؤں نے قافلے کو لوٹ لیا۔ انہوں نے دلہن کو بھی وہاں سے اغوا کیا اور یہاں لاکر بیچ دیا۔ باپ کو تو ابھی تک پتہ ہی نہیں تھا واقعے کا۔ اب جب باپ نے بیٹی کو دیکھا تو بیٹی باپ سے چمٹ گئی۔ ابو! شکر ہے آپ یہاں آگئے میرے ساتھ تو یہ گزری۔ تو باپ اپنی بیٹی کو لے کر گھر آیا اور پھر اس نے آکر شاہ عبد العزیزؒ کے پاؤں پکڑ لئے۔ اور کہا کہ حضرت واقعی متبع سنت بزرگ اگر کوئی بات کہتے ہیں تو اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ آپ کی اس بات نے میری عزت کو بچالیا۔

اگر کوئی فاسق و فاجر بندہ ہو تو وہ شیخ بننے کا اہل بھی نہیں ہے۔ اگر متبع سنت ہے تو بھئی! اس پر اعتماد کیجئے۔ اور اگر وہ باتیں ہی دین کی بتا رہا ہے تو پھر تو اس پر آنکھ بند کر کے چلتے جانا چاہیے۔ اب کئی لوگوں کو تو اس میں ہی تردد رہتا ہے کہ درود شریف کی دو تسبیح کیوں بتائیں، یہ تو کسی حدیث میں نہیں ہے۔ اب اگر یہ یہی سوچتا رہے گا تو پھر وہ کیا پائے گا۔

اس لئے ہمارے مشائخ نے کہا کہ مرید کو چاہیے۔

كَالْمَيِّتِ بَيْنَ يَدِ الْغَسَّالِ .

جس طرح میت غسل دینے والے بندے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ وہ جیسے چاہتا ہے اس کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے۔ مرید کو چاہیے اپنے آپ کو اس طرح شیخ کے حوالے کر دے۔ اسی لئے اعتماد کرنے والے بندے تھوڑے ہوتے ہیں اور بے یقینے زیادہ۔ محبت والے تھوڑے اور عقیدت والے زیادہ۔

ایک سبق آموز واقعہ:

ایک بزرگ تھے، جن کے لوگ بہت عقیدت مند تھے۔ چنانچہ بادشاہ کو بھی اطلاع ملی کہ جناب ان کے بہت لوگ مرید ہیں۔ یہ کہیں آپ کے لئے (Threat) نہ بن جائیں، کل کو مشکل نہ پیدا ہو جائے۔ بادشاہ نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ آپ کے بہت زیادہ شاگرد کیوں بن رہے ہیں۔ انہوں نے کہا میرے تو شاگرد اتنے زیادہ نہیں ہیں۔ کہنے لگا لاکھوں میں ہیں۔ انہوں نے کہا میرے شاگرد تو کوئی ایک یا دو ہیں بس۔ بادشاہ نے کہا، نہیں۔ انہوں نے کہا آپ تصدیق کر لیں۔ بادشاہ نے پوچھا کیسے تصدیق کروں؟ انہوں نے کہا آپ ایسا کریں کہ ایک میدان میں لوگوں کو بلائیں اور مجھے وہاں ایک ملزم کی شکل میں حاضر کریں۔ اور اعلان کریں کہ انہوں نے کوئی بہت بڑا جرم کیا ہے اور اب ان کو قتل کیا جائے گا۔ اگر مجمع میں سے کوئی بندہ ان کی خاطر جان دینا چاہے تو ان کی جگہ پر وہ آجائے۔ آپ کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ محبت کرنے والے کتنے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے پورا ایک پروگرام بنایا۔ اس نے لوگوں کو بلوایا اور قریب ایک ٹینٹ بھی لگوا دیا اور ٹینٹ میں اس نے ایک دو بکرے بھی رکھ لیے۔ اب اس نے لوگوں میں اعلان کیا کہ لوگو! ان کا جرم ہے یا تو ہم ان کو ذبح کریں گے اور اگر تم میں سے کوئی ہے جو ان کی جگہ اپنے آپ کو پیش کر دے تو وہ آگے

آجائے ہم اسے ذبح کر دیں گے اور یہ بچ جائیں گے۔ اب کون آئے۔ محبت کی تو قلعی کھل گئی۔ پورے مجمع میں سے ایک بندہ آگے بڑھا اور اس نے کہا کہ میرے شیخ کو چھوڑ دیں ان کی جگہ میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔ انہوں نے اس بندے کو پکڑا اور ٹینٹ میں لے گئے اور وہاں جا کر اس کو تو باندھ دیا اور اس کی جگہ ایک بکرا ذبح کیا، اس طرح کہ خون ٹینٹ میں سے نیچے کی طرف بہہ کر نکلا۔ اب سارے مجمع نے خون بہتا ہوا دیکھا تو سمجھ گئے کہ بندے کو تو ذبح کر دیا گیا۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ بھئی اب ایک اور بندہ چاہیے، دو بندے ہونے چاہیں۔ اب مجمع میں سے کوئی بھی آگے نہ بڑھا۔ بادشاہ نے کہا آخری دفعہ کہہ رہا ہوں۔ ایک عورت نے کہا کہ میں اپنے آپ کو پیش کرتی ہوں۔ اس کو بھی بادشاہ نے وہیں ٹینٹ میں بندھوا دیا اور اس کی جگہ دوسرے بکرے کو ذبح کر دیا۔ تیسرا کوئی بندہ تیار ہی نہ ہوا۔

بزرگ نے کہا بادشاہ سلامت! میں نہ کہتا تھا کہ اصل مرید ایک یا دو ہیں باقی سارے عقیدت مند ہیں۔ اور عقیدت مندوں کے جانے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ بادشاہ نے کہا کہ آپ نے بالکل سچ کہا۔ اب آپ کے کتنے مرید ہوئے، انہوں نے کہا کہ میرے ڈیڑھ مرید ہیں۔ کہا کہ ٹھیک کہہ رہے ہیں ایک مرد اور آدھی مرید عورت۔ شیخ نے کہا نہیں، آدھا مرید مرد اور پوری مرید عورت۔ بادشاہ نے کہا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا جناب جب اس بندے نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا تو اس وقت تک کسی نے خون کو نہیں دیکھا تھا، اس وقت اپنے آپ کو پیش کرنا آسان تھا۔ جب عورت نے خون دیکھ بھی لیا۔ اب اس کا اپنے آپ کو پیش کر دینا یہ تو ارادت کی اعلیٰ مثال ہے۔ لہٰذا وہ پوری مرید اور مرد آدھا مرید ہے۔

بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اعتماد ایک چیز ہوتی ہے۔ یہ اعتماد جتنا زیادہ ہوگا اتنا حصول فیض زیادہ ہوگا۔ چنانچہ اعتماد کا ایک زاویہ یہ بھی ہوتا ہے۔

(۴) امتی کا نبی پر اعتماد

اعتماد کا ایک زاویہ یہ بھی ہوتا ہے کہ امتی اپنے نبی پر اعتماد کرتا ہے۔ چنانچہ جتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے وہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر بالکل پکا اور سو فیصد اعتماد کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی یہ کیفیت تھی کہ وہ کہتے تھے کہ ہماری آنکھیں غلط دیکھ سکتی ہیں، نبی علیہ السلام کا فرمان غلط نہیں ہوسکتا۔ ایسی کئی مثالیں ہیں

☆.....ایک مرتبہ ایک عورت مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلی تو کسی صاحب نے اس کو ایک رقعہ دے دیا کہ یہ جا کر وہاں کافروں کو دے دینا۔ اس نے وہ رقعہ اپنے پوشیدہ اعضاء میں کہیں چھپا لیا۔ نبی علیہ السلام نے صحابہ کو فرمایا جن میں علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس طرح ایک عورت جا رہی ہے اُس کے پاس ایک رقعہ ہے اس میں مسلمانوں کے حالات لکھے ہوئے ہیں جو کافروں کو پہنچ جائیں گے لہٰذا وہ رقعہ چھین کر لے آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جا کر اس عورت کو پکڑ لیا اور کہا کہ سامان دکھاؤ۔ اس نے پورا سامان دکھا دیا، رقعہ نہیں ملا۔ اس نے کہا جی میرے پاس کوئی رقعہ نہیں۔ صحابہ بڑے حیران، علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا کہ سنو! آرام سے وہ رقعہ حوالے کر دو اور اگر نہیں کرو گی۔ تو ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا وہ غلط نہیں ہوسکتا۔ ہم تیرے جسم سے کپڑے اتار کر بھی اس کاغذ کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو عورت ڈر گئی اور اس نے اپنے کپڑوں کے اندر سے پوشیدہ اعضاء سے نکال کر وہ رقعہ ان کو دے دیا۔ یہ اعتماد ہوتا ہے۔ اور یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔

☆.....سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی ایسا ہی اعتماد تھا۔ باہر سے آ رہے تھے، آگے سے ابو جہل مل گیا۔ کہتا ہے اگر کوئی کہے کہ میں ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پہنچ گیا ہوں تو کیا یہ ممکن ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ممکن تو نہیں نظر آتا۔ اس نے کہا

تمہارے صاحب نے یہ بات کہی ہے۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میرے پیغمبر علیہ السلام نے یہ بات کہی ہے تو یہ سو فیصد صحیح ہے، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہ اعتماد تھا۔ اسی لئے ان کا نام صدیق پڑ گیا۔

(۵) بندے کا اللہ پر اعتماد

اعتماد کا ایک زاویہ اور بھی ہے کہ بندہ اپنے اللہ پہ اعتماد کرتا ہے۔ بندہ اپنے رب پر اپنے مالک و خالق پر اعتماد کرتا ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو بن دیکھے مانتے ہیں۔ ہمیں اس کا یقین ہے۔ اور جو ڈھل مل رہے گا وہ ایمان سے محروم ہوگا۔ تو مومن کو اپنے رب پہ اعتماد ہوتا ہے، بن دیکھے مانتا ہے۔ اسی وجہ سے آج جنت سستی ہے۔ ایک مُد جو کے بدلے بھی مل جاتی ہے۔ آج آپ کو ایک مرلہ دنیا کی زمین کوئی نہیں دیتا۔ ہزاروں لے کر جانے پڑیں گے مرلہ زمین لینے کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ جنت دیتے ہیں ایک مُد جو کے بدلے میں کیوں؟ اللہ تعالیٰ سے بن دیکھا سودا ہے۔ اعتماد کی بات ہے جب دیکھ لے گا۔ پھر یہ قیمت نہیں ہوگی۔ پھر قیمت اتنی کہ جو دے ہی نہیں سکتے۔

ہارون الرشید اور بہلول دانا کا واقعہ:

ایک دن ہارون الرشید اور اس کی بیوی زبیدہ دریا کے کنارے چہل قدمی کر رہے تھے۔ بہلول دانا جو ایک بزرگ تھے وہ وہاں بیٹھے ہوئے ریت کے گھر بنا رہے تھے۔ ہم نے بچوں کو دیکھا کہ ریت والی جگہ پر پاؤں رکھ کر اوپر ریت جماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گھر بن گیا۔ تو ریت کے گھروندے بنا رہے تھے۔ ہارون الرشید آیا السلام علیکم۔ وعلیکم السلام۔ بہلول کیا کر رہے ہو؟ ''گھر بنا رہا ہوں، جو خریدے گا میں دعا کروں گا اللہ اس گھر کے بدلے اس بندے کو جنت میں گھر عطا فرما دے''۔ بہلول

قیمت کتنی ہے؟۔انہوں نے کہا ایک دینار۔ بادشاہ نے سمجھا یہ جہاز ہے اپنی موج میں ہے پرواز کر رہا ہے۔ بادشاہ سلامت تو آگے چلے گئے پیچھے سے زبیدہ آئی۔اس نے پوچھا کہ بہلول کیا کر رہے ہو؟ اس نے وہی جواب دیا کہ گھر بنا رہا ہوں جو خریدے گا تو میں دعا کروں گا اللہ گھر کے بدلے اس بندے کو جنت میں گھر عطا فرما دے۔ بہلول کیا قیمت ہے۔ایک دینار۔زبیدہ نے ایک دینار دے دیا۔اور گھر چلے گئے۔ اب رات کو جب ہارون الرشید سویا تو اس نے خواب دیکھا..... جنت ہے،اس کے محلات ہیں، باغات ہیں، نہریں ہیں، مرغزاریں ہیں، آبشاریں ہیں۔ جنت کی سکائی لائن ہے اور اس میں ایک سرخ یاقوت سے بنا ہوا بڑا محل ہے اور اوپر زبیدہ کے نام کا سائن بورڈ لگا ہوا ہے۔تو ہارون الرشید نے کہا کہ بھئی چلتے ہیں دیکھتے ہیں ذرا۔ جب دروازے پر پہنچ کر اندر جانے کی کوشش کی تو ایک سیکورٹی والے نے روک لیا اور کہا کہ یہاں صرف وہی داخل ہو سکتا ہے جس کا یہ محل ہے آپ جائیں۔اب جب اس نے روکا تو بادشاہ کی آنکھ کھل گئی۔اب بادشاہ کو بہت پریشانی کہ مجھ سے تو بیوی عقلمند نکلی، اس نے روپیہ دے کر دعا کروالی اور میں دعا ہی نہ کروا سکا۔ سارا دن اسی ڈپریشن میں گزرا۔

جب شام کا وقت ہوا تو اس کے ذہن میں بات آئی کہ آج اگر بہلول بیٹھا ہوگا تو میں آج جا کے دعا کروالیتا ہوں۔ چنانچہ جلدی سے پہنچا ادھر ادھر دیکھا، بہلول واقعی بیٹھا ہوا تھا ایک جگہ۔ بہلول کیا کر رہے ہو؟۔ ''گھر بنا رہا ہوں'' کس لئے؟ ''جو خریدے گا میں دعا کروں گا اللہ اس گھر کے بدلے بندے کو جنت میں گھر عطا فرما دے''۔اچھا بہلول قیمت کیا ہے؟ بہلول نے کہا جناب پوری دنیا کی بادشاہی اس کی قیمت ہے۔اب ہارون الرشید حیران ہوا۔بہلول اتنی قیمت تو میں دے بھی نہیں سکتا۔پوری دنیا تو میری حکومت نہیں ہے۔ بہلول کل ایک دینار میں دے رہے تھے۔

قیمت کتنی ہے؟۔انہوں نے کہا ایک دینار۔ بادشاہ نے سمجھا یہ جہاز ہے اپنی موج میں ہے پرواز کر رہا ہے۔ بادشاہ سلامت تو آگے چلے گئے پیچھے سے زبیدہ آئی۔اس نے پوچھا کہ بہلول کیا کر رہے ہو؟ اس نے وہی جواب دیا کہ گھر بنا رہا ہوں جو خریدے گا تو میں دعا کروں گا اللہ گھر کے بدلے اس بندے کو جنت میں گھر عطا فرما دے۔ بہلول کیا قیمت ہے۔ایک دینار۔زبیدہ نے ایک دینار دے دیا۔اور گھر چلے گئے۔ اب رات کو جب ہارون الرشید سویا تو اس نے خواب دیکھا..... جنت ہے،اس کے محلات ہیں، باغات ہیں، نہریں ہیں، مرغزاریں ہیں، آبشاریں ہیں۔ جنت کی سکائی لائن ہے اور اس میں ایک سرخ یاقوت سے بنا ہوا بڑا محل ہے اور اوپر زبیدہ کے نام کا سائن بورڈ لگا ہوا ہے۔تو ہارون الرشید نے کہا کہ بھئی چلتے ہیں دیکھتے ہیں ذرا۔ جب دروازے پر پہنچ کر اندر جانے کی کوشش کی تو ایک سیکورٹی والے نے روک لیا اور کہا کہ یہاں صرف وہی داخل ہو سکتا ہے جس کا یہ محل ہے آپ جائیں۔اب جب اس نے روکا تو بادشاہ کی آنکھ کھل گئی۔اب بادشاہ کو بہت پریشانی کہ مجھ سے تو بیوی عقلمند نکلی، اس نے روپیہ دے کر دعا کروالی اور میں دعا ہی نہ کروا سکا۔ سارا دن اسی ڈپریشن میں گزرا۔

جب شام کا وقت ہوا تو اس کے ذہن میں بات آئی کہ آج اگر بہلول بیٹھا ہوگا تو میں آج جا کے دعا کروالیتا ہوں۔ چنانچہ جلدی سے پہنچا ادھر ادھر دیکھا، بہلول واقعی بیٹھا ہوا تھا ایک جگہ۔ بہلول کیا کر رہے ہو؟۔''گھر بنا رہا ہوں'' کس لئے؟ ''جو خریدے گا میں دعا کروں گا اللہ اس گھر کے بدلے بندے کو جنت میں گھر عطا فرما دے''۔اچھا بہلول قیمت کیا ہے؟ بہلول نے کہا جناب پوری دنیا کی بادشاہی اس کی قیمت ہے۔اب ہارون الرشید حیران ہوا۔بہلول اتنی قیمت تو میں دے بھی نہیں سکتا۔پوری دنیا تو میری حکومت نہیں ہے۔ بہلول کل ایک دینار میں دے رہے تھے۔

آج اتنی قیمت بڑھا دی۔ بہلول نے کہا کہ بادشاہ سلامت کل بن دیکھا سودا تھا، آج دیکھا ہوا سودا ہے اور دیکھے ہوئے سودے کی قیمت کچھ اور ہوتی ہے۔

تو بھئی آج جنت بن دیکھا سودا ہے۔ ایک مُد جو کے بدلے مل جاتی ہے۔ اسی کو ایمان کہتے ہیں۔ جب موت کے وقت آنکھوں سے حقیقت دیکھ لی تو اب اتنی قیمت کہ ہم دے ہی نہیں سکتے۔ اسی لئے فرعون جب سمندر میں غرق ہو رہا تھا تو اس نے کیا کہا تھا۔ آمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی وَ هَارُوْن اوپر سے فرمان آیا۔ الآنَ اَنْتَ۔ اب تجھے خیال آیا۔ بہت دیر ہوگئی، اب تمہاری بات کی کوئی ویلیو نہیں ہے۔ ہاں اتنا ہے کہ چونکہ تم نے کہہ دیا تھا اس لیے ہم تمہاری لاش کو محفوظ کر دیتے ہیں۔ تاکہ بعد والوں کے لئے کہ عبرت کا نشان بن جائے۔

اس لئے یہ جو ایمان بالغیب ہے اس کی اللہ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔ اتنی قدر و قیمت تو ہے کہ وہ بندہ جتنی گندی زندگی گزار چکا تھا۔ جب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ یہ کوئی چھوٹی سی بات ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور نوجوان کا واقعہ:

کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں گندم کی کمی تھی۔ حکومت نے گندم سٹور کی ہوئی تھی اور دینے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کا حکم چلتا تھا۔ انہوں نے کارندوں کو کہا ہوا تھا کہ اگر کوئی آئے تو اتنی قیمت لینا اور اس کے بدلے ہر بندے کو اتنی گندم دے دینا۔ ایک نوجوان آیا کہ گندم چاہیے۔ لوگوں نے دستور اور روٹین کے مطابق اس کو دے دی۔ وہ کہنے لگا جی اور چاہیے۔ انہوں نے کہا بھئی ہم تو ایک قانون کے مطابق دیتے ہیں۔ تجھے اگر زیادہ چاہیے تو پھر یوسف علیہ السلام کے پاس جا ان

کے اختیار میں ہے، وہ جس کو چاہیں جتنا دے دیں۔ وہ نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا۔ حضرت مجھے اور گندم چاہیے، انہوں نے دلوا دی۔ وہ کہنے لگا حضرت اور چاہیے۔ او خدا کے بندے! اتنی گندم انہوں نے بھی دی، اتنی گندم میں نے بھی دلوائی پھر اور مانگتا ہے تیرا جی نہیں بھرتا۔ اس نے کہا حضرت آپ کو پتہ چل جائے کہ میں کون ہوں تو آپ مجھے بہت زیادہ گندم دیں۔ جب اس نے یہ الفاظ کہے تو حضرت یوسف علیہ السلام متوجہ ہوئے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا حضرت جب زلیخا نے آپ پر بہتان باندھا تھا تو جس چھوٹے بچے نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دے تھی وہ چھوٹا بچہ میں ہوں۔ اب بڑا ہو کر جوان ہو گیا ہوں۔ حضرت نے جب یہ سنا تو اتنا پیار آیا اس بچے کو سینے سے لگایا اور اس کو گندم بھی دلوائی اور انعام بھی دلوایا۔ بلکہ لوگوں کو کہا کہ اس کو گھر پہنچا کے آؤ۔ جب لوگ اس کو گھر پہنچانے کے لئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیارے پیغمبر علیہ السلام آپ نے اس نوجوان کا بڑا ہی اکرام کیا۔ تو عرض کی اے اللہ یہ وہ نوجوان ہے جس نے میری پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ آج یہ جب میرے سامنے آیا تو میرا جی چاہا کہ میں اتنا دوں جتنا میں دے سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے یوسف علیہ السلام گواہ رہنا۔ جس نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی جب وہ آپ کے پاس آیا، آپ نے اتنا دیا جو آپ کے مقام کے مناسب تھا۔ تو میں پروردگار بھی کہتا ہوں کہ جو میرا بندہ دنیا میں میری وحدانیت کی گواہی دے گا جب قیامت کے دن میرے پاس آئے گا۔ میں بھی اس کو اتنا دوں گا جو پھر میری شان کے مناسب ہوگا۔

یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے، بن دیکھے اللہ کو مان لینا یہ بہت بڑی بات ہے۔ ہمارے پاس سب سے زیادہ قیمتی چیز اگر کوئی ہے تو وہ ہمارا ایمان ہے۔ اس لئے اس ایمان کی حفاظت کیجئے۔ تو ایمان کی بنیاد کس پر بنی اعتماد پر نبی۔

سرپرست کون ہوتا ہے؟

ایک لفظ ہے مولیٰ۔ مولیٰ ولی کو کہتے ہیں، سرپرست کو کہتے۔ سرپرست کون ہوتا ہے۔ چھوٹا بچہ ہو تو پہلے اس کا باپ اس کا سرپرست ہوتا ہے۔ باپ فوت ہو جائے تو چچا یا بڑا بھائی سرپرست بن جاتا ہے۔ سرپرست کس کو کہتے ہیں کہ جو بچے کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے، ہر نفع اور نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ چنانچہ چھوٹے بچے سے اگر کوئی نقصان ہو جائے کسی کا تو پورا کون کر کے دیتا ہے باپ پورا کر کے دیتا ہے۔ اگر بچے نے فرض کرو پتھر مارا اور کسی گاڑی کی ونڈ سکرین ٹوٹ گئی۔ تو گاڑی کا مالک آ کر کس سے بات کرے گا؟ اس کے باپ سے کہ جی آپ اس کے باپ ہیں۔ آپ مجھے یہ ٹھیک کروا دیں اور باپ اس ذمہ داری کو پورا کرے گا۔ نقصان بچے نے کیا مگر بوجھ کس نے اٹھایا باپ نے۔ تو باپ کو اس لئے سرپرست کہتے ہیں کہ وہ بچے کی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ بچے کی ہر غمی خوشی میں اس کے ساتھ ہوتا ہے اور بچے کے ہر نفع و نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

جب بچے کا سرپرست موجود ہو تو بچے کو کوئی فکر ہی نہیں ہوتی۔ مثلاً۔ ایک بچہ دوسرے بچے سے کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ میں عمرے پر جا رہا ہوں۔ اس نے کہا بھئی تمہارے پاس عمرے پر جانے کے پیسے ہیں، کہتا ہے نہیں۔ اچھا تم نے اپنا پاسپورٹ بنوایا، کہتا ہے نہیں۔ تم نے ویزا لگوایا، کہتا ہے نہیں۔ اچھا تم نے اپنی ٹکٹ بک کروالی، نہیں۔ تمہیں مکہ مدینہ جا کر کہاں ٹھہرنا ہے، جگہ کا پتہ ہے، کہتا ہے نہیں۔ تمہیں عمرہ کرنے کے طریقے کا پتہ ہے، کہتا ہے نہیں۔ جب اس نے ہر بات کے جواب میں نہیں نہیں کہا تو دوسرا اسے کہنے لگا۔ بھئی تو کیسے عمرہ کرے گا کہ تیرے پلے کچھ بھی نہیں۔ تو دوسرا بچہ مسکرا کر کہتا ہے میں اپنے ابو کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اب جب بچے نے یہ

لفظ کہہ دیے کہ میں ابو کے ساتھ جا رہا ہوں ۔اب ابو کے ایک لفظ میں ہر بات کا جواب آ گیا۔ کہ میرا ابو میرے پیسے کا بھی ذمہ دار، پاسپورٹ کا بھی ذمہ دار، ویزے کا بھی ذمہ دار، ٹکٹ کا بھی ذمہ دار، وہاں ٹھہرنے کا بھی ذمہ دار اور عمرہ کروانے کا بھی ذمہ دار۔ میرے ہر نفع نقصان اور میری ہر ضرورت کا ذمہ دار کون؟ میرا ابو۔ تو مومن یہ کہتا ہے کہ اللہ میرا سرپرست ہے۔

اللہ نیکوں کا سرپرست ہے:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ (الاعراف: ۱۹۶)

[اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا سرپرست ہے]

تو بھئی ہم مدرسے والوں کا سرپرست کون ہوا؟ اللہ تعالیٰ۔ یہ علم پڑھنا۔ قرآن و حدیث پڑھنا۔ زندگی اس کے مطابق ڈھالنا۔ یہ صالحین کی لائن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں۔ وھو یتولی الصالحین۔ وہ نیکوکاروں کا سرپرست ہے۔ تو ہمارا سرپرست کون ہوا اللہ۔ تو پھر ہماری ضرورتیں پوری کرنے والا کون ہوا۔ اللہ۔ تو بچے کو تو اپنے باپ پہ اتنا اعتماد، کیا ہمیں اپنے رب پہ اتنا بھی اعتماد نہیں ہوسکتا۔ آج طلباء سوچتے ہیں کھائیں گے کہاں سے..... پہنیں گے کہاں سے..... دورہ حدیث پڑھ کے کیا کریں گے؟ بھئی! اللہ تعالیٰ جس کا سرپرست بنے تو پھر اس کو کسی چیز کی کمی ہوگی۔ بتائیں کسی چیز کی کمی ہوسکتی ہے؟ بالکل نہیں ہوسکتی۔ اللہ کو اپنا سرپرست بنا لیجئے۔ پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی ضرورتوں کو کیسے پورا فرماتا ہے۔ ارے باپ پر اعتماد کرنے والے اپنے رب پہ اعتماد نہیں کرتے۔ جن لوگوں نے اعتماد کیا تو اللہ رب العزت نے ان کو سرخرو کر کے دکھایا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بیٹوں کا واقعہ:

سنیے مثال، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے بہت عدل کے ساتھ اپنی خلافت کے نظام کو چلایا۔ بہت عدل وانصاف کے ساتھ چلایا۔ جب وفات پانے لگے تو ان کے گیارہ یا بارہ بیٹے تھے اور انہوں نے ان کے لئے کوئی جائیداد ہی نہیں چھوڑی، نہ زمین، نہ مکان، نہ جاگیر، نہ پیسے، کچھ بھی نہیں۔ کسی قریبی عزیز نے کہہ دیا کہ عمر بن عبدالعزیز! آپ سے پہلے جو بادشاہ تھے۔ انہوں نے تو اپنی اولادوں کے لئے بڑی جاگیریں بنائیں۔ کسی نے زراعت کے کھیت چھوڑے، کسی نے خزانے چھوڑے، کسی نے پیسے اور بلڈنگیں چھوڑیں۔ آپ نے تو اپنے بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ حضرت لیٹے ہوئے تھے اور آپ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ چہرے پر ذرا غصے کے آثار تھے۔ آپ نے فرمایا کہ سنو! اگر میں نے اپنے بچوں کی نیکی کی تربیت کی ہے اور یہ نیک بنے ہیں۔ تو میں انہیں اللہ کی سرپرستی میں دے کر جارہا ہوں۔ اللہ کا فرمان ہے۔ وھو یتولی الصالحین۔ اور اگر یہ نیک نہیں بنے تو ان کے فسق وفجور پر ان کا معاون بننے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر حضرت فوت ہو گئے۔

اللہ کی شان دیکھیں۔ اب ان کی وفات کے بعد جو نیا حاکم بنا، اس نے مختلف علاقوں میں گورنر بنانے تھے۔ اب اس کو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں سے بڑھ کر کوئی عالم اور تربیت یافتہ بندہ ہی نظر نہ آیا۔ چنانچہ حضرت کے بیٹوں کو ایک ایک کر کے گورنر بنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا، میں نے دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز سے پہلے والے لوگ جو اپنی اولادوں کے لئے خزانے چھوڑ گئے تھے، ان پر تنگ دستی کا یہ عالم کہ میں نے ان کو جامع مسجد کے دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا اور عین اس وقت عمر بن عبدالعزیز کے گیارہ بیٹوں کو

گیارہ صوبوں کا گورنر بنا ہوا دیکھا۔ جو کچھ نہیں چھوڑ کے گیا وہ اللہ کی سرپرستی میں دے کر گیا۔ اللہ نے اس کے گیارہ بیٹوں کو گیارہ صوبوں کا گورنر بنا دیا۔ اور جو جاگیریں چھوڑ کے گئے تھے۔ حالات ایسا پلٹے کہ جاگیریں ختم ہوگئیں، وہ جامع مسجد کے دروازے پر کھڑے بھیک مانگ رہے ہیں۔ تو جب اللہ رب العزت کسی کا سرپرست بن جاتا ہے تو میرے دوستو اللہ رب العزت ہمیشہ اس کی کشتی کو کنارے لگا دیا کرتے ہیں۔ ہم اگر نیکی کو اپنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سرپرست بنیں گے۔ ہمیں کوئی فکر اور فاقے کی بات ہی نہیں۔

ایک قاری صاحب کی مثال:

ہمارے ایک دوست قاری صاحب تھے..... ماشاء اللہ۔ اللہ کی شان ہمارے حضرت ہر سال حج پر جاتے اور انہوں نے ہر سال حضرت کے لئے عقیقہ تیار کیا ہوا ہوتا تھا۔ ہر سال بچہ۔ کبھی ایک بکرا کبھی دو بکرے ہر سال ماشاء اللہ۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ ان کے ایک بیوی سے بائیس بچے ہوئے۔ اور ان میں سے گیارہ یا بارہ زندہ رہے نو بیٹے اور باقی بیٹیاں۔ انہوں نے اپنے سارے بچوں کو عالم حافظ قاری بنا دیا۔ میں ایک دفعہ مسجد نبوی میں بیٹھا تھا۔ اس وقت ہمارے حضرت وفات پا چکے تھے۔ تو قاری صاحب عاجز کے پاس تشریف لائے۔ کہنے لگے، آج بہت پریشان ہوں۔ پوچھا کیوں؟ کہنے لگے جی میرے نو بیٹے اور میں نے سب کے سب کو قرآن پڑھایا، حدیث پڑھائی۔ بڑا بیٹا مفتی بن گیا ہے، چھوٹا ایک سال بعد بنے گا، اگلا اگلے سال، چھوٹے سے گھر میں رہتا ہوں۔ میرے سارے دوست مجھے پاگل کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جی قاری صاحب تیری مت ماری گئی۔ تو ایک دو کو حافظ قاری بنا کے شوق پورا کر لیتا۔ کسی کو انجینئر بناتا، کسی کو ڈاکٹر بناتا وہ آج تیرے معاون ہوتے، آج تیرے بچے تیرے لئے گھر بناتے۔ تیرے لئے کاریں ہوتیں، بہاریں ہوتیں، روٹی

ہوتی ، بوٹی ہوتی ۔ یہ تو نے کیا کیا۔ سارے بچوں کو ملاں مولوی بنا دیا۔ اب تیرے پاس تو بڑے بچے کی شادی کرنے کے لئے خرچہ بھی نہیں اور تیرے بیٹوں کو کون رشتہ دے گا۔ گھر کے تو دو کمرے ہیں۔ میاں بیوی بھی وہیں سوتے ہیں۔ بیٹے بیٹیاں بھی وہیں سوتے ہیں۔ ماشاءاللہ۔ پندرہ بندے دو کمروں میں سو جاتے تھے۔ اب تیرے بیٹے کی شادی کیسے ہوگی؟ جب قاری صاحب نے کہا کہ میں بہت پریشان ہوں۔ میں نے کہا قاری صاحب آپ نے دین کو اپنایا، اللہ کو اپنا سرپرست بنایا۔ آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ آپ کا مددگار ہوگا۔ اس نے کہا، جی کل میری بیوی نے ایک جگہ بڑے بیٹے کے لئے رشتہ دیکھنے کے لئے جانا ہے۔ لیکن یہاں عرب میں خرچہ سارا لڑکے والوں کو کرنا پڑتا ہے، جہیز بھی لڑکے والے بناتے ہیں، لڑکی والے کچھ نہیں بناتے۔ تو میں سارا خرچہ کہاں سے لاؤں گا۔ اب پتہ نہیں وہ ہاں کرتے ہیں یا ناں کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں بڑے دربار میں جا رہا ہوں۔ سلام پیش کرنے کے لئے۔ قاری صاحب میں دعا بھی کروں گا۔ مگر آپ اطمینان رکھیں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔ اللہ کے سپرد کر دو سب کچھ۔ کہنے لگے جی بہت اچھا۔

خیر ہم نے وعدے کے مطابق آگے جا کے مواجہ شریف پر سلام بھی پیش کیا دعا بھی کر دی۔ روٹین کی بات ہوتی ہے، بہت سارے دوست دعاؤں کیلئے کہتے ہیں تو ہم فقیر ہاتھ اٹھا دیتے ہیں۔ اگلے دن عشاء کے بعد بیٹھے تھے کہ قاری صاحب ہنستے مسکراتے بڑے خوش خوش ایک مٹھائی کا ٹوکرا لے کر آ گئے۔ پوچھا بھئی کیا بنا۔ حضرت آپ کی دعا تو ایسی قبول ہوئی کہ نہ پوچھیں۔ میں نے پوچھا قاری صاحب ہوا کیا۔ کہنے لگے حضرت میں اور میری بیوی اس گھر میں گئے۔ وہ گھر ایک پاکستانی انجینئر کا تھا۔ نیک بندہ تھا اور اس نے اپنی بیٹیوں کو بڑا پڑھایا لکھایا تھا اور اس کی بیٹیاں بڑی خوبصورت اور اچھی سیرت رکھنے والی تھیں مگر امیر باپ کی بیٹیاں تھیں۔ ہم ڈرتے

ڈرتے چلے تو گئے۔ وہاں گئے تو تین منٹ کے اندر بیوی کا پیغام آیا کہ میں آپ سے الگ بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں بڑا پریشان ہوا کہ شاید انہوں نے تو تین منٹ میں ہمیں Reject (نامنظور) کر دیا۔ خیر میں کمرے سے باہر نکلا کہ بیوی کی بات سنوں۔ تو میری بیوی کا سانس پھولا ہوا۔ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ کہتی ہے کام ہو گیا۔ میں نے کہا کیا کام ہوا۔ کہتی ہو گیا .....سب ہو گیا..... سب ہو گیا۔ میں نے کہا کیا سب ہو گیا، اللہ کی بندی کچھ بتاؤ تو سہی۔

کہنے لگی کہ میں اندر گئی۔ میں تو حیران تھی کہ اندر تو بادشاہوں جیسا نظام تھا، کیا کیا چیزیں تھیں، بڑا امیر گھرانہ نظر آتا تھا۔ مگر اس کی بیوی ملی اس نے کہا کہ میرا خاوند دیندار تھا اور اس نے مرتے ہوئے مجھے وصیت کی تھی کہ میری بیٹیوں کی شادی کسی نیک دیندار عالم۔ سے کرنا۔۔ اور اگر تیرا بیٹا عالم ہے تو میں اپنی بیٹی عالم کو دوں گی۔ کہنے لگی وہ لڑکی اس نے مجھے دکھائی اتنی خوبصورت چاند جیسی تھی، میں نے تو فوراً ہاں کر دی۔ پھر مزید کہنے لگی کہ باقی سب لڑکوں کا بھی کام ہو گیا۔ میں نے پوچھا کیسے؟ کہنے لگی۔ اس کی نو بیٹیاں ہیں اور میرے ہر بیٹے سے اس کی بیٹی ایک سال چھوٹی ہے۔ ہمارے بچے بڑے ہو تے جائیں گے ہم ایک ایک کر کے شادیاں کرتے جائیں گے۔ اللہ کی شان ایک رات میں قاری صاحب نور شتے کر کے واپس آ گئے۔ میں نے کہا۔ وھو یتولی الصالحین۔

اعتماد کر کے دیکھیں:

واقعی سچ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں کا سرپرست ہے۔ قسم اٹھا کے یہ بات کہتا ہوں کہ جو انسان اپنے رب پہ اعتماد کر کے گناہوں بھری زندگی کو چھوڑ دیتا ہے۔ نیکوکار بنتا ہے اللہ تعالیٰ ان دنیاداروں کے سامنے اس کو کبھی ذلیل و رسوا نہیں ہونے دیتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ او میرے بندے فبعزتی و جلالی

۔میری عزت کی قسم میرے جلال کی قسم میں تمہیں کافروں اور فاسقوں کے سامنے کبھی رسوا نہیں ہونے دوں گا۔ بندوں پہ اعتماد کرنے والو۔ کیا خدا پہ اعتماد نہیں کر سکتے۔

؎ بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

دکان پہ اعتماد ہے، دفتر پہ اعتماد ہے، فیکٹری پہ اعتماد ہے اور کاروبار پر اعتماد ہے۔ اپنے باپ پر اعتماد ہے، خدا پہ اعتماد نہیں ہوتا۔ قربان جائیں نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ الثقة کنزی ۔اعتماد میرا خزانہ ہے۔ اللہ پہ اعتماد کر کے دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے بندوں کے ساتھ اس دنیا میں عزتوں کا معاملہ فرما دیتا ہے۔

رابعہ بصریہ کا حوصلہ:

رابعہ بصریہ اللہ کی ایک نیک بندی تھی ۔ایک چھوٹا سا کمرہ عبادت کیلئے بنا ہوا تھا۔ وہیں رہتی تھیں ۔ایک مرتبہ دوپہر کو آرام کر رہی تھیں کہ ایک چور آ گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور کوئی چیز نہ ملی تو ایک چادر اس نے اٹھالی لے جانے کیلئے۔ جیسے ہی جھک کے چادر اٹھائی تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، بینائی چلی گئی۔ راستہ نظر ہی نہیں آتا۔ اس نے گھبرا کر چادر وہیں پھینکی۔ جیسے ہی چادر پھینکی بینائی لوٹ آئی۔ تو وہ بھاگ کے نکلنے لگا۔ آواز آئی کہ ایک دوست اگر سویا ہوا ہو، دوسرا دوست جاگتا ہے۔ یہاں چڑیا کو پر مارنے کی اجازت نہیں تم کیسے چادر کو لے کر جا سکتے ہو۔ ہم اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر کے تو دیکھیں۔ مسئلہ بنتا ہے جب احکام خداوندی کو توڑتے ہیں، سنت رسول ﷺ کو چھوڑتے ہیں پھر اللہ سے امیدیں لگاتے ہیں کہ اللہ ہماری مدد فرمائے گا۔ جو ہمارے کرنے کا کام ہے وہ ہم کریں اور پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کی کیسے بارش فرماتا ہے۔

ایک بوڑھی عورت کا واقعہ:

ایک بڑھیا عورت تھی۔اس کا چھوٹا سا کچا گھر تھا۔ بادشاہ اپنے محل کے ساتھ ذرا توسیع کرنا چاہتا تھا اور آگے بڑھیا کا گھر تھا۔ پولیس والے آئے اور آ کر کہا کہ بڑھیا تم کہیں اور گھر بنالو۔ ہم تمہیں پناہ دیتے ہیں، یہ جگہ چھوڑ دو۔اس نے کہا میں نے عمر یہیں گزاری۔ میرا دل لگا ہوا ہے میں بس یہیں مرنا چاہتی ہوں، مجھے مت چھیڑو۔ پولیس والے چلے گئے۔ پھر بڑھیا کو کسی کام کی خاطر دوسرے رشتے داروں کے گھر جانا پڑا۔ مہینے بعد جب واپس آئی تو دیکھا کہ پیچھے اس کا گھر ختم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ پر بادشاہ نے اپنے محل کی توسیع کر لی تھی۔اب بڑھیا کو اپنا گھر نظر نہ آیا تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ میرا گھر کہاں ہے۔انہوں نے کہا بڑی اماں آپ تو یہاں تھیں نہیں تو پولیس والوں نے گرا دیا۔ جب بوڑھی عورت نے یہ سنا تو نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا۔اے اللہ! میں یہاں نہیں تھی، تو تو یہیں تھا۔ الفاظ نکلنے کی دیر تھی۔ بادشاہ کے مکان کی چھت زمین کے اوپر آ گری۔ وھو یتولی الصالحین۔وہ نیکو کاروں کا سرپرست ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اعلان جنگ:

جتنا بچہ اپنے باپ پر اعتماد کرتا ہے کاش کہ ہمیں اتنا اپنے رب پر اعتماد ہو جائے۔ بچے کو اگر کوئی تھپڑ مارے تو اس کے جواب میں کون بولتا ہے؟..... باپ بولتا ہے۔ وہ تو مقابلے میں آ جاتا ہے کہ بھئی تم نے میرے بچے کو تھپڑ کیوں مارا۔اسی طرح جو اللہ کو اپنا سرپرست بنالیتا ہے تو اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ ہی دیا کرتے ہیں۔ سنیے حدیث قدسی اللہ رب العزت کا فرمان، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب.

[جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے۔ میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے]

دیکھا سرپرست مقابلے میں آیا۔ یہ ہے اللہ رب العزت کی سرپرستی۔ جو اللہ کے مقبول بندوں کو تکلیف دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے ساتھ اعلان جنگ کر رہا ہوتا ہے۔

واقعہ:

ہمارے شاہ صاحب واقعہ سناتے ہیں۔ بارش ہوئی کیچڑ تھا ایک بزرگ جا رہے تھے۔ قریب میاں بیوی بھی جا رہے تھے۔ تو بزرگوں کے پاؤں سے کچھ کیچڑ کے چھینٹے اڑے اور عورت کے کپڑوں پہ پڑ گئے۔ خاوند ساتھ تھا، اس کو جو غصہ آیا۔ اس نے ان بزرگوں کے دو تین تھپڑ لگا دیئے۔ انہوں نے خاموشی سے برداشت کر لیا، صبر کر لیا۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔ اب وہ میاں بیوی جب گھر گئے، قریب ہی گھر تھا، سیڑھیاں جو چڑھنے لگے تو خاوند کا پاؤں پھسلا اور وہ گردن کے بل گرا اور وہیں مر گیا۔ عورت چیخنے لگی کہنے لگی مجھے لگتا ہے کہ میرے خاوند کے لئے اس بوڑھے نے بد دعا کر دی۔ لوگ اس بوڑھے کے پاس آ گئے۔ کہنے لگے کہ بوڑھے تو نے کتنا ظلم کیا چھوٹی سی بات تھی تو نے بد دعا کی عورت کا جوان خاوند مر گیا۔ اس نے کہا میں نے تو کوئی بد دعا نہیں کی۔ انہوں نے کہا پھر اس عورت کا خاوند کیوں مرا۔ تو انہوں نے کہا بات یہ ہے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کو تکلیف پہنچے تو پھر محبت والا فوراً اس پر ایکشن دکھاتا ہے۔ اس عورت کے کپڑوں پر چھینٹے پڑ گئے۔ خاوند کو محبت تھی اس نے جواب میں مجھے دو تھپڑ لگا دیئے۔ مجھ سے میرے رب کو پیار تھا اس نے اس کے خاوند کی گردن مروڑ دی۔ وھویتولی الصالحین۔ اور وہ صالحین کا سرپرست ہے۔

اگر ہم نیکوکاری کی زندگی گزاریں گے تو اللہ رب العزت ہمارے سرپرست بن

جائیں گے۔ ہمیں کسی سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لئے آپ اللہ والوں کو کبھی کسی کی غیبت کرتے نہیں دیکھیں گے۔ کوئی ان سے الجھنے کی کوشش بھی کرے گا وہ نہیں الجھیں گے۔ نقصان اٹھالیں گے۔ تھوڑی دیر کی ذلت برداشت کرلیں گے۔ مگر کسی کے ساتھ الجھیں گے نہیں کیوں؟ وہ اپنے معاملات کو اپنے رب کے سپرد کر چکے ہوتے ہیں۔

ملا جیون کا واقعہ:

اسی لئے جو اہل نظر ہوتے ہیں وہ بہت احتیاط کرتے ہیں۔ وقت کے بادشاہ نے ایک مرتبہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی سپاہی کو بھیجا۔ ملاں جیون رحمۃ اللہ علیہ درس دے رہے تھے۔ ان کو کیا پروا کہ کون کھڑا ہے اور کس کا پیغام لے کر کھڑا ہے، وہ اپنا درس دیتے رہے حتی کہ کئی گھنٹے گزر گئے۔ اس کے بعد پولیس والے کو بات کرنے کا موقع ملا۔ پولیس والے کو اندر سے بڑا غصہ آرہا تھا کہ انہوں نے پرواہی نہیں کی۔ اس نے بادشاہ کے پاس آکر لگائی بجھائی کی۔ او جی ملاں جیون تو مانتا ہی نہیں آپ کی حکومت کو۔ اس نے تو پرواہی نہ کی کہ کوئی آپ کی طرف سے آیا ہے۔ لگتا ہے اب اس کے شاگرد زیادہ ہو گئے ہیں اس لیے وہ کسی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ سے لڑائی کر کے آپ کا تخت ہی آپ سے چھین لے۔ بادشاہوں کو اپنے تخت کی بڑی فکر ہوتی ہے۔ بادشاہ نے بھی ایک پولیس کا دستہ بھیج دیا۔ جاؤ ملاں جیون کو جا کر تم گرفتار کر کے لاؤ۔ بادشاہ کا بیٹا ملاں جیون رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد تھا۔ وہ بھاگا اور پہلے ہی پہنچ گیا ملا جیون کے پاس اور اپنے استاد کو بتایا کہ حضرت میرے ابو نے پولیس کو حکم دے دیا ہے کہ آپ کو گرفتار کریں۔ تو ملاں جیون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اچھا پانی لاؤ لوٹے میں ہم وضو کر کے مصلے پہ بیٹھتے ہیں۔ وہ شاگرد سمجھ دار تھا کہ اگر حضرت نے وضو کر لیا اور مصلے پہ بیٹھ کے ہاتھ اٹھا لیے۔ تو پھر پتہ نہیں ہمارا کیا بنے گا۔ وہ دوڑا پھر

اپنے باپ کی طرف اور باپ کو جا کر کہا ابو ملاں جیون رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کر لیا ہے اور ہاتھ اٹھانے کے لئے مصلے پہ بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے سنا تو پریشان ہو گیا۔ سر پر تاج نہیں تھا ننگے سر ننگے پاؤں بھاگا اور آ کر ملاں جیون سے معافی مانگی۔ حضرت ہاتھ نہ اٹھانا میری نسلوں کی تباہی کے فیصلے ہو جائیں گے۔ حضرت نے معاف کر دیا۔ تب بادشاہ کو اطمینان آیا۔

اٹھے ہاتھوں کی طاقت:

ہمارے اکابر کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا تھا کہ لوگ ان کے ہاتھوں کے اٹھنے سے گھبرا جایا کرتے تھے۔ اللہ والوں کے ہاتھ اٹھ جانا کوئی چھوٹی بات نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ صلیبی جنگوں میں صلاح الدین ایوبی کو اطلاع ملی کہ دشمن کا بحری بیڑا مقابلے کے لئے چل پڑا ہے۔ دشمن کی تعداد پہلے ہی زیادہ تھی اوپر سے بحری بیڑا بھی آ رہا تھا۔ تو صلاح الدین ایوبی کو بہت فکر ہوئی کہ مسلمان تھوڑے ہیں ساز و سامان تھوڑا ہے۔ یہ اور مصیبت آ گئی تو کیا بنے گا۔ تو صلاح الدین ایوبی بیت المقدس میں گئے۔ ساری رات رکوع اور سجود کرتے رہے۔ جن کے دل غم سے بھرے ہوتے ہیں پھر ان کی آنکھوں سے خود بخود آنسو نکلتے ہیں۔ جس ماں کا بیٹا گم ہو جائے اس کو رلانے کے لئے مرثیے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ جن کے دل کو غم لگ جائے، ان کی آنکھوں سے خود بخود پھر آنسوؤں کے موتی ٹپکتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی روتا رہا دعائیں مانگتا رہا۔ فجر کی نماز پڑھی اور فجر کی نماز پڑھ کر باہر نکلا تو اس نے دروازے پہ ایک بزرگ کو دیکھا، سفید ریش تھے منور چہرہ تھا۔ لگتا تھا کہ کوئی صاحبِ روحانیت بزرگ ہیں۔ صلاح الدین ایوبی اس کے پاس گئے سلام کر کے کہتے ہیں۔ حضرت دشمن کا بحری بیڑا آ رہا ہے، دعا کر دیجئے۔ ان بزرگوں نے بادشاہ کے چہرے کو دیکھا وہ بھی مادے سے پار دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے، فراست

مومنانہ رکھتے تھے۔ انہوں نے پہچان لیا فرمانے لگے، صلاح الدین ایوبی تیرے رات کے آنسوؤں نے دشمن کے بحری بیڑے کو ڈبو دیا ہے۔

واقعی تھوڑی دیر بعد اطلاع ملی کہ بحری بیڑا راستے میں ڈوب گیا۔ جو اللہ سے لو لگاتے ہیں اللہ رب العزت پھر ان کو ایسے سرخرو فرماتے ہیں۔ آسان طریقہ ہے۔ گناہوں کو چھوڑ کر نیکوکاری کی زندگی اپنا لیجئے اور اللہ کو اپنا سرپرست بنا لیجئے۔ نہ کوئی غم رہے گا نہ کوئی دکھ رہے گا۔

وکیل کسے کہتے ہیں:

تو ایک لفظ تھا ''مولا'' اور ایک لفظ ہوتا ہے ''وکیل''۔ ہم کتنے ہی کاموں میں وکیل بناتے ہیں۔ کسی پر مقدمہ ہو جائے تو لوگ تو قانون نہیں جانتے۔ وہ پھر کسی سمجھنے والے بندے کو سب اختیار دے کر اپنا وکیل بنا دیتے ہیں کہ ہمارے مفاد کی حفاظت کرو۔ وکیل کون ہوتا ہے؟ مفاد کی حفاظت کرنے والا، کاموں کو سمیٹنے والا۔ اسی کو وکیل بناتے ہیں اور وکیل کہتے ہیں۔

اسی لئے باہر ملک میں ایک آدمی کو پولیس نے گرفتار کیا۔ اب پولیس اس سے کچھ پوچھتی ہے وہ گونگا بنا ہوا ہے۔ ایک لفظ کہتا ہے۔ میرے وکیل سے بات کریں۔ پولیس جو پوچھتی ہے وہ کہتا ہے میرے وکیل سے بات کریں۔ اس نے کوئی بات ان سے نہیں کہی۔ جب اس کا وکیل لایا گیا۔ اس نے اپنے وکیل کو پوری صورت حال بتائی اور کہا کہ میں قانون نہیں جانتا۔ میری بات کو یہ الٹا سیدھا کر کے پتہ نہیں مجھے جکڑ پکڑ لیتے۔ اس لیے میں نے انہیں کہا وکیل کو بلاؤ۔ اب آپ ان سے بات کریں۔ وکیل نے جب ان سے بات کی تو اس نے پولیس والوں کی نہ چلنے دی اور بغیر جرم ثابت ہوئے اس نے اس بندے کو چھڑا لیا۔ وکیل کون ہوتا ہے کام سمیٹنے والا اور مفاد کی حفاظت کرنے والا۔

مددگار کون ہوتا ہے؟

ایک تیسرا لفظ ہے۔ ''نصیر'' یہ نصرت سے ہے۔ جس کا مطلب ہے مددگار۔ ہر انسان کے معاون ہوتے ہیں مددگار ہوتے ہیں۔ دین کے کام میں بھی مددگار ہوتے ہیں۔ دنیا کے کاموں میں بھی مددگار ہوتے ہیں۔ یہ مددگار اگر زیادہ ہوں تو یہ اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ سنئے قرآن عظیم الشان، اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب کو فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ . (الانفال:٦٢)

[اللہ وہ ذات ہے جس نے تیری مدد کی اپنی نصرت اور مؤمنین کے ساتھ]

فرشتوں کو بھیج کر خود بھی مدد کی لوگوں پر تمہارا رعب قائم کر کے اور ایمان والوں کے ذریعے سے بھی تمہاری مدد کی۔ تو یہ جو مددگار ہوتے ہیں دین کے معاملے میں یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک پیغمبر علیہ السلام کو جب قوم نے جھٹلایا۔ تو بڑی حسرت سے کہنے لگے۔

لَوْ اَنَّ لِیْ بِقُوَّةٍ اَوْ آوِیْ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ. (ھود:٨٠)

اور رکن شدید کا معنیٰ مفسرین نے لکھا کہ کاش میرے ساتھی ہوتے یا برادری کے لوگ ہوتے، میرے معاونین ہوتے جو اس وقت میرا ساتھ دیتے۔ تو یہ ساتھ دینے والوں کو نصیر کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی ساتھ دے تو یقیناً وہ بہت ہی زیادہ اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ اللہ کی مہربانی ہوتی ہے۔ اب سنئے جو انسان ایمان کو مضبوط کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کے نصیر بن جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس بندے کے وکیل بن جاتے ہیں۔

قابل غور نکتہ:

اگر انسانوں میں کوئی اچھا وکیل بن جائے تو اس پر اتنا اعتماد اور اللہ تعالیٰ کہیں کہ

میں وکیل ہوں پھر اعتماد کیوں نہیں کرتے۔ اعتماد کرنا چاہیے نا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کہے کہ میں مددگار ہوں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو آدمی صبح کے وقت چند رکعت پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سارے دن کے کاموں میں اس کی مدد فرماتا ہے۔ اب اگر ہمیں اس پر یقین آ جائے تو کیا ہمارے اشراق کے نوافل قضا ہو سکتے ہیں۔ کتنی عورتیں ہیں جو گھر میں اشراق کے نوافل پڑھتی ہیں۔ مسجد کے ماحول میں طلباء تو پڑھ لیتے ہیں مگر یہ بھی جب گھروں کو جاتے ہیں تو وہاں ان کے اشراق تو کیا ان کی فرض نمازیں بھی کئی دفعہ چلی جاتی ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے محبوب کی بات پر پکا یقین ہوگا وہ تو کہے گا کہ میں اشراق پڑھوں گا اور میرے سارے دن کے کاموں میں اللہ میرا مددگار بن جائے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے ایک تیری مرضی ہے، ایک میری مرضی ہے۔ اگر تو چاہے کہ وہ پورا ہو جو تیری مرضی ہے تو اے میرے بندے تجھے تھکا بھی دوں گا اور تیری مرضی کو بھی پورا نہیں ہونے دوں گا۔ اور اگر تو چاہے کہ وہ پورا ہو جو میری مرضی ہے، اے میرے بندے میں تیرے کاموں کو بھی سنوار دوں گا تیری مرضی کو بھی پورا کر دوں گا۔ تو پھر ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے رب کو اپنا وکیل بنائیں۔ اپنے رب کو اپنا نصیر بنائیں۔

اللہ کا وعدہ:

دیکھو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے نصیر اللہ رب تعالیٰ ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کا بھی مددگار اور اپنے ایمان والے بندوں کا بھی مددگار۔ بلکہ مومنین کی مدد یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اللہ نے اپنے ذمے لیا ہے۔ فرمایا:

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ. (غافر: ۵۱)

[ہمارے ذمہ ہے مدد اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی اس دنیا کی زندگی

میں بھی اور آخرت کے دن بھی]

دیکھیں کہ دنیا کا تذکرہ پہلے ہے کہ اس دنیا میں بھی اللہ کی مدد آتی ہے اور آخرت میں بھی آئے گی۔ اب میں آپ کو سمجھانے کے لئے اگر اس کا مفہوم بتاؤں تو اس کا ترجمہ یوں بنتا ہے۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ۔ ہمارے اوپر فرض ہے مدد اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی ۔ اللہ تعالیٰ پر کچھ فرض نہیں ہے مگر بات کا مفہوم یوں ہی بن رہا ہے۔ گویا وہ کہنا یہی چاہتے ہیں کہ ہمارے اوپر فرض ہے مدد رسولوں کی اور ایمان والے بندوں کی۔

افسوس ہوتا ہے، بعض دفعہ طلباء ناقدری کی باتیں کر جاتے ہیں۔ جیسے بعض کہہ دیتے ہیں کہ میری زندگی خراب کر دی، مجھے دورہ حدیث میں ڈال دیا۔ تم کالج میں پڑھتے ، یہود و نصاریٰ کا لباس پہنتے، جہنم خریدتے۔ کاریں بہاریں مل جاتیں تو سمجھتے کہ تم نے دنیا کو پالیا۔ یہ خام خیالی ہے، چند ٹکوں کی خاطر تم اپنی عاقبت برباد کر بیٹھتے۔ تمہارا باپ تمہارا محسن ہے۔ جس نے تمہیں دورہ حدیث کے لئے بھیجا۔ اللہ کا شکر ادا کرو، کہیں اللہ اس نعمت سے تمہیں محروم نہ کر دے۔ استغفار کرو، صلوٰۃ التوبہ پڑھو اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ میرے مولا تیری رحمت نے مجھے اس علم کی نعمت کے لئے قبول کر لیا۔ مجھ سے کئی شکل میں اچھے، عقل میں اچھے، نسب میں اچھے مگر تو نے میرے جیسے بندے کو قبول کر لیا، اللہ! میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ یہ آپ کا مجھ پر احسان ہے۔ اب اگر زندگی نیکوکاری پر گزاریں گے تو اللہ آپ کا مددگار ہوگا۔

ہمیں اللہ کافی ہے:

دیکھئے اللہ تعالیٰ ہمارے ولی بھی بن رہے ہیں ۔ ہمارے وکیل بھی بن رہے ہیں۔ اور ہمارے نصیر بھی بن رہے ہیں۔ تو ہمارے تو مزے۔ ہمیں کس چیز کی فکر اور یہی نہیں توجہ سے سننا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں تمہارا سرپرست نہیں بہترین

سرپرست، بہترین وکیل اور بہترین مددگار ہوں۔ لہٰذا میرے بندو خوش ہو کر یہ کہہ دو:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ . نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْر

[ہمیں اللہ کافی ہے وہ بہترین وکیل ہے بہترین سرپرست ہے اور بہترین ہمارا مددگار ہے]

ہم اللہ رب العزت کی رحمتوں پہ قربان جائیں۔ کہ جو ایمان والوں کے ساتھ اتنی محبت فرماتا ہے۔ کہتا ہے میرے بندو میں تمہارا سرپرست بھی بہترین ہوں، وکیل بھی بہترین ہوں اور میں تمہارا مددگار بھی بہترین ہوں۔ ہمیں دنیا میں پھر کیا پریشانی ہے۔ تم میرے حکموں پر عمل کرتے رہو اور دنیا میں تم مزے کی زندگی گزارتے رہو۔ اب اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہیں یا نہیں۔ اس لئے فرمایا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ.

[کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے]

او لوگوں کے پیچھے بھاگنے والو!..... او دنیا داروں کی طرف للچائی نظروں سے دیکھنے والو!..... او مال و دولت کی چمک کے اندر آنکھوں کو چندھیا جانے والو۔ الیس اللہ بکاف عبدہ ۔ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قسم:

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں قسم کھائی۔

وَفِى السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ○ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ○

[اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم بے شک یہ حق ہے جیسے تم بولتے ہو]

اللہ تعالیٰ نے رزق کی قسم کھائی ہے، کیا اللہ کی قسم پر بھی یقین نہیں۔ ایک صحابی نے یہ آیت سنی۔ تو غصے میں آ کے کہنے لگے وہ کون ہے جس کو یقین دلانے کے لئے میرے اللہ کو قسم کھانی پڑی۔ تو ہم اللہ کے اوپر اعتماد رکھیں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ الثقة کنزی۔ اعتماد میرا خزانہ ہے۔ دنیا کے پیچھے بھاگ کر خزانہ نہیں ملتا۔ اللہ پر اعتماد کرلو، اللہ کے خزانے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس لئے سن لو! اللہ والوں کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کی جیب میں ہوا کرتے ہیں۔ سمجھنے کے لئے یوں کہہ رہے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہیں۔

ام موسیٰ کا اعتماد:

اعتماد ہو تو موسیٰ علیہ السلام کی ماں جیسا..... سبحان اللہ..... اپنے بیٹے کو سمندر میں ڈال دیا۔ آج ماں کو پانچ منٹ کے لئے بچے کو کمرے میں اکیلا چھوڑ کر جانا پڑ جائے تو وہاں بھی دل دھڑک رہا ہوتا ہے۔ پتہ نہیں میرے بیٹے کے ساتھ پیچھے کیا ہو رہا ہوگا۔ ائر کنڈیشنڈ کمروں میں بچوں کو پانچ منٹ کیلئے چھوڑ کر جاتی ہے تو بھی دل دھڑکتا رہتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے بچے کو دریا میں ڈال دیں۔ ماں بے چاری کے دل میں بچے کی کتنی محبت ہوتی ہے۔ ماں بچے کیلئے اپنی جان دے جاتی ہے، بچے کو اپنے سامنے تکلیف نہیں پہنچنے دیتی۔ اس ماں کو کہا گیا کہ بیٹے کو پانی میں ڈال دو اور فرمایا۔

وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ. اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (القصص:۷)

[خوف بھی نہ کھانا اپنے دل میں غمزدہ بھی نہ ہونا ہم اسے لوٹائیں گے تمہارے پاس اور ہم نے تو اسے رسولوں میں سے بنانا ہے]

اب آنکھ کیا کہتی ہے، آنکھ کہتی ہے بچہ گیا اور رب کیا کہتے ہیں کہ رسولوں میں

سے بنانا ہے۔ تو اعتماد ہو تو موسیٰ علیہ السلام کی ماں جیسا۔ مردوں سے بھی آگے بڑھ گئیں۔ اپنے بیٹے کو ایک بکس میں رکھ کر پانی میں ڈال دیا۔ اللہ پر ایسا پکا اعتماد کیا۔

پھر کیا ہوا فرعون اور اس کی بیوی نے جب اس بکس کو کھولا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے اپنی محبت کی تجلی آپ کے چہرے پر ڈال دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا بہت پیار آ گیا۔ تو فرعون کی بیوی فرمانے لگیں۔ لَا تَقْتُلُوْهُ۔ اسے قتل نہیں کرنا۔ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (القصص:۹) ہم اس سے نفع اٹھائیں گے، اپنا بیٹا بنائیں گے۔ فرعون کے ذہن میں بھی بات آئی کہ جب ہم اس کو اپنے گھر میں پالیں گے اور بیٹا بنائیں گے تو یہ ہمارا ممنون اور احسان مند ہو کر رہے گا۔ کہنے لگا ٹھیک ہے اس کو قتل نہیں کرتے۔ آج کی عورتیں کہتی ہیں کہ جی خاوند ہماری تو مانتا ہی نہیں۔ بڑے بڑے فرعون وہ بھی اپنی بیویوں کی مانتے رہے۔ دیکھو بیوی کی چل رہی ہے کہ نہیں چل رہی۔ یہ ہوم گورنمنٹ اتنی مضبوط ہوتی ہے۔ دیکھا ہزاروں بچوں کو قتل کروانے والا۔ بیوی کہتی ہے لا تقتلوہ۔ آرڈر جاری کیا۔ کہتا ہے جی بہت اچھا۔ ہم اس بچے کو قتل نہیں کرتے۔ لو جی بچے کو لے کر گھر پہنچ گئے۔

جب اس کو دودھ پلاتے ہیں تو کسی ماں کا دودھ اس کو موافق ہی نہیں آتا۔ بچہ دودھ نہیں پیتا۔ اس زمانے میں ڈبے کا دودھ تو ہوتا نہیں تھا۔ عورتوں کو آسانی ہوتی ہے فیڈر بھرا اور بچے کے منہ کے ساتھ لگایا، جان چھوٹ گئی۔ اس زمانے میں عورتیں دودھ پلاتی تھیں۔ دودھ پلانے والی عورتیں آئیں لیکن بچہ دودھ ہی نہیں پیتا۔ ساری رات گزر گئی۔ فرعون بڑا پریشان کہ بچہ دودھ ہی نہیں پی رہا۔ کسی اور عورت کو بلاؤ، رات کا جاگا ہوا تھا۔ مت ماری ہوئی تھی، کہتا تھا جان چھوٹے میں جا کے سو جاؤں۔ اتنے میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنی بیٹی کو بھیجتی ہیں۔ وہ دوڑی گئی اس نے دیکھا بھائی دودھ نہیں پی رہا۔ کہنے لگی۔

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ .

(القصص:۱۲)

[میں تجھے گھر والوں کے بارے میں بتاؤں۔ وہ اس کی کفالت بھی کریں گے اور اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے]

فرعون نے لڑکی کو پکڑا کیوں کہہ رہی ہو کہ اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی۔ کہنے لگی، جی ہم آپ کی رعایا ہیں ہم آپ کے ساتھ خیر خواہی نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔ وہ بدھو سا بندہ تھا۔ کہنے لگا ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو۔ جاؤ لے آؤ تم بھی کسی کو۔ لو جی بچی بھاگی ہوئی آئی۔ اس نے آ کر کہا اماں چلو۔ اماں آ گئی، جیسے ہی اماں نے دودھ پلایا تو بچے نے پینا شروع کر دیا۔ عورتوں نے مبارک دینی شروع کر دی۔ کہ بچے کو ایک عورت کا دودھ موافق آ گیا۔ فرعون کو کمرے میں خبر ملی، اس کی آنکھوں میں نیند تو ویسے ہی آ رہی تھی اونگھ رہا تھا۔ ویسے خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بیٹھا اونگھ رہا ہے اور تنگ ہے کہ جان چھوٹے کسی طرح۔ اب اس کو جب اطلاع ملی کہ ایک عورت کا دودھ موافق آیا۔ کہتا ہے اچھا اس عورت کو جانے نہ دینا اور میں اب سوتا ہوں، دروازے بند کر دو۔ ائیر کنڈیشنر چلا دو۔ رضائی لا دو۔ لو جی فرعون صاحب سو گئے۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ تین دن وہاں رہیں۔ مگر کہتے ہیں نا اپنا گھر اپنا ہوتا ہے کچا ہو یا پکا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہہ دیا کہ مجھ سے تو محل میں نہیں رہا جاتا، میں تو واپس جا رہی ہوں۔ جب فرعون کو اطلاع ملی کہتا ہے روکو، روکو اس کو ذرا روکو۔ خود آ گیا اس کو کہتا ہے کہ اچھا ایسے کر بچے کو ساتھ لے جا اور اس کو اپنے گھر میں دودھ پلا اور میں تیری تنخواہ تیرے گھر بھجوا دیا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَاللّٰهِ

حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (القصص:۱۳)

[ہم نے اسے لوٹا دیا اس کی ماں کے پاس تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور وہ دل میں غمزدہ نہ ہو اور وہ جان لے اللہ کے وعدے سچے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لاعلم ہیں]

ان کو علم ہی نہیں۔ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو ہمیشہ پورا کر دیا کرتا ہے۔

اللہ پر اعتماد کی نشانی:

ایک توجہ سے بات سن لیجئے، سمجھانے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ بہت اہم بات کہ جس کو اللہ پر اعتماد ہوتا ہے اس کی کوئی نشانی بھی تو ہوتی ہوگی۔ بہت قیمتی بات ہے ہزاروں کتابیں کھنگالو گے نہیں ملیں گی یہ باتیں، یہ صحبتی علم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کی دلیل کیا ہے؟ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جس کو اللہ پر اعتماد ہوتا ہے تو جب کبھی اس پر مصیبت یا مشکل کے حالات آتے ہیں۔ تو نہ دل میں اللہ کے خلاف وسوسہ آتا ہے نہ زبان پہ کوئی حرف شکایت آتا ہے۔ جس بندے کی یہ کیفیت ہو تو اس کا مطلب ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہے۔ ورنہ آج تھوڑی سی کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو فوراً شکوے زبان پر آجاتے ہیں۔ دیکھو جی اللہ نے کیا کیا۔ فلاں کی موت آگئی، اتنی چھوٹی عمر میں لے لیا۔ بڑا کاروبار برباد ہو گیا۔ او جی دعائیں نہیں سنتا۔ اگر دل میں کوئی ایسا وسوسہ ہے یا زبان پر حرف شکایت ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمیں اللہ کی قضا و قدر پر اعتماد نہیں ہے۔

جن کو اعتماد ہوتا ہے تو جیسے بھی حالات آتے ہیں، ان کے دل اپنے رب سے مطمئن ہوتے ہیں اور وہ اپنے رب سے راضی ہوتے ہیں۔ یہ سوچتے ہیں کہ اس میں بھی میرے لئے اللہ کی طرف سے کوئی خیر ہوگی، کوئی حکمت ہوگی۔ جب کسی پر کوئی

ذلت کا موقع آ گیا، کسی نے جھوٹا الزام لگا دیا، ناجائز ذلت اٹھانی پڑ گئی۔ صبر کرے گا اور سوچے گا کہ جس نے الزام لگایا، جس نے مخالفت کی اس پر غصہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس نے اتنا بڑا جرم کرلیا۔ بلکہ یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لئے کوئی خیر ہے۔ اللہ میری انانیت کو توڑنا چاہتے ہوں گے، میرے عجب کو چھوڑنا چاہتے ہوں گے یا مجھے مسکینی سکھانا چاہتے ہوں گے، میری اصلاح کرنا چاہتے ہوں گے۔ اس لئے میرے اوپر ایسے حالات آ گئے تو مصیبت کے حالات میں بھی بندہ اپنے رب سے اعتماد کی حالت میں رہتا ہے۔ کوئی حرف شکایت دل میں یا زبان پر نہیں لاتا۔ واقعات سے بات ذرا جلدی سمجھ میں آجاتی ہے۔ تو ایک واقعہ سے سمجھاتے ہیں آپ کو۔

ایک دلچسپ واقعہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک بندہ تھا۔ اس کو پتہ چلا کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کرتے ہیں۔ اب اس کو شوق تھا پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا۔ جیسے کچھ لوگوں کو جن دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ اللہ کی شان دیکھو۔ تو اس کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا شوق تھا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا حضرت اب جب کوہ طور پہ جائیں نا میرے لئے دعا کرنا۔ مجھے جانوروں کی بولیاں سمجھ میں آجائیں۔ علمناہ منطق الطیر کا معاملہ میرے ساتھ بھی ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کردی۔ چلو جی اس کو بولیوں کا علم مل گیا۔

اب اگلے دن وہ اٹھا صبح سویرے ناشتہ کیا۔ کچھ ٹکڑے کھانے کے بچے ہوئے تھے۔ اس نے جو باہر صحن میں پھینکے۔ تو مرغا اڑ کے آیا اور آ کے اس نے روٹی کے ٹکڑے کو اچک لیا۔ ادھر سے کتا بھی بھاگا مگر کتے سے پہلے مرغا لے گیا۔ کتے نے اسے کہا یار! کچھ احساس تو کرو میں ساری رات کا جاگا ہوا ہوں۔ میں یہاں کا سیکورٹی

گارڈ ہوں۔ میری نائٹ شفٹ تھی۔ اب میرے سونے کا وقت تھا، تم مجھے کھا کر سونے دیتے۔ تمہیں تو دن میں اور کچھ بھی مل جاتا۔ مرغے نے کہا فکر نہ کر ان کے پاس ایک گھوڑا ہے آج وہ مرے گا۔ تجھے بڑا گوشت مل جائے گا۔ تو کیوں فکر کرتا ہے؟ اس نے کہا بہت اچھا۔ اب اس نے جب بات سن لی تو بڑا فکر مند ہوا کہ میرے گھوڑے نے مرجانا ہے۔ یہ گیا اور گھوڑے کو جا کر بیچ آیا۔ کہنے لگا کہ دیکھو مجھے کتنا فائدہ ہوا۔ میں نقصان سے بچ گیا۔

اگلا دن ہوا۔ پھر اسی طرح کا واقعہ پیش آیا کہ اس نے ناشتہ کر کے کچھ ٹکڑے باہر پھینکے۔ ادھر سے کتا بھاگا اُدھر سے مرغے نے جھپٹا لگایا اور لے گیا۔ تو کتے نے کہا کہ یار تم بہت ہی غیر ذمہ دار بندے ہو۔ کل بھی میں بھوکا رہا۔ آج تو مجھے کھانے دیتا۔ اس نے کہا فکر نہ کر اب ان کے گھر میں ایک گدھا ہے وہ مرے گا اور تیرے مزے۔ مالک نے سنا اچھا گدھا بھی مرجائے گا۔ چنانچہ وہ جناب گدھے کو بھی لے کر گیا اور جا کے بازار میں بیچ آیا۔ بیوی کو آ کر کہا دیکھو کتنا فائدہ ہے مجھے بولیاں سمجھنے کا ہم کتنے نقصان سے بچ گئے۔ بیوی نے کہا واہ بھی واہ کیا بات ہے۔

اب تیسرا دن آیا۔ تیسرے دن جب اس نے ٹکڑا پھینکا تو کتے نے بھی جھپٹا مارا مگر مرغا تیز تھا وہ نکال کر لے گیا۔ اس نے کہا یار بڑے جھوٹے ہو۔ ویسے تم اذانیں دیتے ہو اور حال تمہارا یہ ہے کہ جھوٹ بولتے ہو۔ دو دن جھوٹ بولا تم نے۔ مرغے نے آگے سے جواب دیا کہ میں جانوروں کی دنیا کا مؤذن ہوں۔ مجھے جھوٹ بولنا زیب نہیں دیتا۔ یاد رکھنا موت آج اس مالک کو آنی ہے، یہ مرے گا اور پھر کھانے بنیں گے اور پھر بہت ساری ہڈیاں بھی ہوں گی۔ آج تیرا سارا دن مزے کا ہوگا۔

اس نے جب سنا میری باری ہے بڑا پریشان ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، حضرت! آج تو مرغے نے یہ کہہ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی ملک الموت کو آتے دیکھ

لیا۔ انہوں نے فرمایا دیکھ تیرے مقدر میں لکھا ہوا تھا کہ تیرے گھر میں موت آنی تھی۔ مخصوص نہیں تھا کہ کس کو آنی ہے، اللہ نے تیرے گھوڑے پر موت ڈال دی۔ اب تو بڑا سمارٹ بنا گھوڑے کو بیچ آیا۔ اس موت کو اللہ نے گدھے پر شفٹ کر دیا۔ تو پھر سمارٹ بنا گدھے کو بیچ آیا۔ اللہ نے اس کو تجھ پہ منتقل کر دیا۔ اب ملک الموت صاحب آئے اور اس کی جان نکال کر لے گئے۔ تو ایک سبق ملا کہ اللہ جو کرتا ہے۔ اس میں بندے کی خیر ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ اپنی تقدیر پر راضی رہے۔ اس یقین کو مضبوط بنا لیجئے۔

یقینِ کامل کا واقعہ:

ایک بندے کا یہ یقین تھا کہ اللہ جو بھی کرتا ہے اس میں خیر ہوتی ہے۔ اب اللہ کی شان دیکھیں کہ ایک دن اس کا گدھا مر گیا۔ بیوی بڑی پریشان ہوئی۔ اس نے بیوی کو تسلی دی کہ فکر نہ کرو اللہ جو بھی کرتا ہے اسی میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے۔ وہ بے چاری چپ کر گئی۔ اب اگلا دن ہوا تو ان کا کتا مر گیا۔ بیوی نے کہا کہ دیکھو کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ کوئی دشمن ہے جس نے کوئی جادو ٹونہ کر دیا ہے۔ آج کل کی عورتیں ایسے ہی کہتی ہیں۔ اس نے کہا فکر نہ کرو اسی میں ہمارے لئے خیر ہے۔ پھر دو تین دن گزرے ان کا مرغا بھی مر گیا۔ اب تو بیوی کو بڑا غصہ۔ کہتے ہو اس میں خیر ہوگی۔ ہماری ہر چیز مرنے میں خیر ہے۔ گدھا مر گیا خیر ہے۔ کتا مر گیا خیر ہے۔ لو آج یہ بھی مر گیا۔ اب پھر تیری باری ہے یا میری باری ہے۔ اس نے کہا اللہ کی بندی اس میں بھی خیر ہوگی۔ خیر وہ چیخی چلائی تو بہت مگر کبھی بیویوں کا چیخنا چلانا برداشت بھی کرنا پڑتا ہے۔ بچے بھی تو چیختے چلاتے ہیں، جب عقل پختہ نہیں ہوتی تو بیویاں بھی چیختی چلاتی ہیں۔ اسی لیے نبی علیہ السلام نے انہیں ''ناقصات العقل'' فرمایا۔ تو ہمیں قطعاً غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے شور کو برداشت کر لینا چاہیے۔

دو تین دن گزرے رات کو یہ میاں بیوی سوئے تو اس گاؤں کا کچھ قبیلے والوں کے ساتھ دشمنی کا معاملہ تھا۔ تو دشمنوں نے ان پر ہلہ بولا اور ان کے تمام گھر لوٹ کے لے گئے، مردوں کو قتل کر دیا، جوانوں کو قتل کر دیا، عورتوں کی عزتیں لوٹیں۔ تباہ و برباد کر دیا پوری بستی کو۔ مگر اللہ کی شان دیکھیں کہ یہ میاں بیوی سوئے رہے۔ انہیں پتہ ہی نہیں چلا۔ صبح وہ اٹھے ساری بستی کو اجڑا دیکھا حیران پریشان کہ کیا ہوا؟۔ پتہ چلا کہ دشمنوں نے یہ کاروائی کی۔

کچھ دن کے بعد کسی نے دشمنوں کو بات پہنچائی کہ تم نے پورے گاؤں والوں کو مار ڈالا، گھر لوٹ لئے، عزتیں لوٹ لیں، لیکن دو میاں بیوی تو بچ گئے۔ انہوں نے کہا اصل وجہ یہ تھی کہ ہم نے جب ادھر حملہ کیا تو کسی گھر میں سے گدھا بولا کسی میں سے کتا بولا۔ کسی میں سے مرغا بولا۔ تو جدھر سے کوئی بولتا رہا ہم سمجھتے رہے ادھر گھر والے ہیں۔ ہم ان کو ختم کرتے گئے۔ ادھر سے کوئی آواز ہی نہیں آئی۔ ہم نے سمجھا گھر والے بھاگ گئے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کی جانیں بچ گئیں۔

تو بھائی جب اللہ ہمارا سرپرست ہے تو اب ہمیں جس حال میں بھی رکھتا ہے۔ اس حال میں ہمارے لئے خیر ہوتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں اللہ پر اعتماد کرنا۔

نبی اکرم ﷺ کا اللہ تعالیٰ پر اعتماد:

تو نبی علیہ السلام نے فرمایا

الثقة كنزى [اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا میرا خزانہ ہے]

ارے یہ وہ ہستی کہہ رہی ہے کہ جو ابھی دنیا میں آئے ہی نہیں تھے کہ ان کے والد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ دنیا میں اپنے باپ کو نہیں دیکھا..... چند سال کے تھے ماں بھی چلی گئیں..... اور چند سال کے تھے دادا بھی چلے گئے..... اور چند سال بعد چچا بھی چلے گئے۔ اپنا کوئی نہ رہا جو قریب کے لوگ تھے وہ دشمن بن گئے تھے۔ وہ پتھر

مارتے تھے، اوجھڑیاں اوپر رکھ دیتے تھے، وہ جان نکالنے کے منصوبے بناتے تھے۔ جب نبی علیہ السلام نے ان تمام لوگوں کے اس حال کو دیکھا، ناامید ہوکر طائف کی طرف چلے گئے کہ وہ میرے ماموؤں کا علاقہ ہے شاید وہ میری بات مان لیں۔ طائف والوں نے ان سے بھی بڑھ کر برا سلوک کیا۔ نوجوانوں کو پیچھے لگا دیا، وہ پتھر مارتے تھے اور شہر سے باہر دھکیلتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی علیہ السلام سے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کی زندگی میں سب سے زیادہ اذیت ناک دن کونسا ہے؟ محبوب ﷺ کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ فرمانے لگے حمیرا طائف کا دن بڑا اذیت ناک دن تھا۔ نو سال ہو گئے اس کی اذیت ابھی بھی مجھے دل میں محسوس ہوتی ہے۔ میں اکیلا تھا، بھوکا تھا پیاسا بھی تھا، میں ان پر بڑی امید لے کر گیا تھا لیکن انہوں نے مجھے شہر میں نہ ٹھہرنے دیا، شہر سے باہر نکال دیا۔ میں بے یار و مددگار ایک چٹان کے پاس آ کر بیٹھ گیا، اس وقت دنیا میں مجھے کوئی اپنا نظر نہیں آتا تھا۔ یہ حالت تھی جیسے کہنے والے نے کہا۔

؎ میں تیرے سامنے جھک رہا ہوں خدا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

نبی علیہ السلام کی یہی کیفیت ہے اور اس وقت نبی علیہ السلام کہتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَشْکُوْ اِلَیْکَ ضِعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَ ھَوَانِیْ

اس دعا کے الفاظ کو پڑھو، سیدھے دل میں اتر جاتے ہیں۔ اللہ کے محبوب ﷺ اس حال میں بیٹھے ہیں، اللہ کے آگے گڑگڑاتے ہیں، دیکھئے پھر اللہ نے ان کو کیسے بلایا کہ معراج کی بھی سیر کروا دی۔ دشمنوں نے مکہ سے نکال دیا مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وعدہ کرتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ (القصص: ۸۵)

[جس نے آپ پر قرآن اتارا وہ آپ کو یہاں پر واپس لوٹائے گا]

اس وقت حالانکہ کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے کہ یہاں پر واپس آؤں گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے آخری نظر کعبہ پر ڈالی آنکھوں میں آنسو ہیں فرماتے ہیں۔ بیت اللہ تجھ سے جدا ہونے کو دل نہیں چاہتا مگر مکہ والے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے آپ نے ہجرت کی۔ اتنا اس کے لئے آپ تڑپتے تھے لیکن ایک وقت آیا جب اللہ نے آپ کو فاتح مکہ بنا کر پھر واپس لوٹایا۔ حدیث پاک میں آتا ہے نبی علیہ السلام اپنے گھوڑے پہ سوار تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر جھکا جا رہا تھا۔ لوگ فاتح بن کر داخل ہوتے ہیں، نعرے لگاتے ہیں۔ اپنی عظمت ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ کے محبوب اللہ کے سامنے عاجزی ظاہر کر رہے ہیں۔ اور زبان پر الفاظ تھے۔

الحمد لله وحده نصر عبده وهز الاحزاب وحده

میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور تمام جماعتوں کو اس اکیلے نے شکست دے دی۔

اس کو اعتماد کہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے اللہ پہ اعتماد کیا۔ فرمایا

وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ (غافر: ۴۴)

[میں اپنے تمام امور کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں]

آج نبی علیہ السلام کی ان تعلیمات پر عمل کر لیجئے۔ اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیجئے۔ شریعت پر سو فیصد عمل کیجئے۔ پھر اللہ کی مدد کو اپنی آنکھوں سے دیکھئے۔ اللہ رب العزت ہمارے حال پر رحم فرما دے۔ ہم مسکینوں کے عاجزوں کے وہ سرپرست بھی بن جائیں گے، وہ وکیل بھی بن جائیں، وہ نصیر بھی بن جائیں اور ہمیں اللہ رب

العزت، دنیا میں بھی عزتوں سے نواز دے اور آخرت میں بھی عزتیں عطا فرما دے۔
ہم بھی آج یہی دل میں نیت کرتے ہیں کہ۔ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہ اور یہی کہتے ہیں کہ

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْل نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْر.

نبی علیہ السلام کی کیا شان تھی۔ دو لفظوں کے اندر اتنے بڑے راز کو بھر دیا۔ دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ فرمایا الثقة كنزى اعتماد میرا خزانہ ہے۔ ہم بھی اعتماد کرتے ہیں۔ دین میں اپنے بڑوں پر اور اپنے رب پر بھی اعتماد کرتے ہیں ہم اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر پر بھی راضی ہیں۔

رضينا بالله ربا وبمحمد نبيا و بالاسلام دينا

حزن میرا ساتھی ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْحُزْنُ رَفِيْقِي

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ.

حزن کا لفظی معنی:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

اَلْحُزْنُ رَفِيْقِيْ [حزن میرا ساتھی ہے]

حزن کا لفظی معنی ہے غم دکھ۔

خوف اور خشیت میں فرق:

تین الفاظ جو قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان تینوں کے معانی آپس میں بہت ملتے جلتے ہیں۔ عام طور پر لوگ ان تینوں میں فرق نہیں کرتے۔ مگر اہل علم کے نزدیک تینوں میں بہت باریک فرق ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں،

خوف، خشیت اور حزن۔

خوف اور خشیت، ڈر کو ہی کہتے ہیں۔ مگر خوف حسی اشیاء سے ڈرنے کو کہتے ہیں جبکہ خشیت سے مراد غیر حسی اشیاء سے ڈرنا ہے۔

طبعی خوف (حسی اشیاء سے ڈرنا):

یہ انسان کی ایک فطرت ہے کہ جب اچانک کوئی بات پیش آجائے تو وہ خوف کھا جاتا ہے۔ یہ طبعی خوف مقام نبوت کے منافی بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ مثال کے طور پر.....

یہ خوف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی طاری ہوا، جب انہوں نے اپنے عصا کو اژدھا بنا ہوا دیکھا۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیفَةً مُّوْسٰی. (طٰہٰ: ٦٧)

[اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا]

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قُلْنَا لَا تَخَفْ [ہم نے کہا ڈر نہیں]

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے دیکھا، تو ان میں سے ایک ان کی اپنی قوم سے تھا، یعنی ماننے والا تھا اور دوسرا مخالفین میں سے تھا۔ اب انہوں نے دوسرے آدمی کو جو تنبیہ کی خاطر ایک مکہ لگایا، تو وہ نمٹ ہی گیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ :

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ (القصص: ١٥)

[موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مکہ مارا اور پس وہ مر گیا]

دوسرے دن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام گھر سے نکلے، دیکھا کہ ان کی قوم کا وہی بندہ کسی اور سے لڑ رہا تھا۔ اب انہوں نے اس کو تنبیہ کرنا چاہی۔ وہ کل کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ لہٰذا وہ سمجھا، آج شاید میری باری ہے۔ آج کہیں مجھے نہ ٹیکنیکل ناک آؤٹ کر دیں۔ چنانچہ وہ بول پڑا کہ کل آپ نے فلاں بندے کے

ساتھ یہ معاملہ کیا تھا۔ اور یہ بات فرعون تک پہنچ گئی ہے۔ فرعون تو پہلے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے اسمبلی کا ایمرجنسی اجلاس بلا لیا اور سب نے متفقہ طور پر قرارداد پاس کر دی کہ اس بندے کے بدلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔ ان لوگوں میں سے ایک نیک آدمی تھا۔ وہ دوڑا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے کہا:

اِنَّ الْمَلَاءَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِيْنَ

(القصص: ۲۰)

[شہر کے سردار تمہارے بارے میں مشورے کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیا جائے، بے شک میں تمہارا خیر خواہ ہوں (تمہیں صحیح بات بتا رہا ہوں)]

وقت کے ایم این اے آپ کو نمٹانے کی بات طے کر چکے ہیں۔ آپ شہر سے باہر کہیں چلے جایئے، میں تو آپ کی خیر خواہی چاہتا ہوں۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَّتَرَقَّبُ. (القصص: ۲۱)

[پس وہ (موسیٰ علیہ السلام) وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے]

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر سے باہر نکلے، تو اس وقت ان کی طبیعت میں ایک خوف تھا اور پیچھے مڑ کر دیکھتے بھی تھے کہ کوئی پکڑنے کے لئے تو نہیں آ رہا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس طرح کا خوف ایک فطری اور طبعی چیز ہے اور ایسے حالات میں خوف کا طاری ہو جانا، مقامِ نبوت کے منافی نہیں ہے..... چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتھ ہی ساتھ یہ دعا بھی مانگ رہے تھے:

رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. (القصص: ۲۱)

[اے پروردگار مجھے ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرما دیجئے]

اللہ تعالیٰ نے انہیں مدین کے راستے پر ڈال دیا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کے

لوگ، ایک کنویں پر بکریوں اور جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ دولڑکیوں کو دیکھا جو اپنے جانوروں کو لے کر الگ کھڑی تھیں۔ جب باقی لوگ چلے گئے، تو وہ لڑکیاں کھڑی رہیں۔ آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے والد بوڑھے ہیں، وہ آنہیں سکتے اور ہم اس بھاری چٹان کو اٹھا نہیں سکتیں۔ لہٰذا برتنوں میں جو بچا کھچا پانی ہے وہ ہم اپنے جانوروں کو پلاتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہاں بھی اونچ نیچ ہے۔ چنانچہ آپ نے تنِ تنہا اس چٹان کو کنویں پر سے ہٹا کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ اور وہ واپس لوٹ گئیں۔

آپ علیہ السلام بکریوں کو پانی پلانے کے بعد ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور یہ دعا مانگی۔

رَبِّ اِنِّی لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْر. (القصص:۲۴)

[اے پروردگار! آپ مجھے جو کچھ بھی عطا فرما دیں میں اس کا محتاج ہوں]

آپ علیہ السلام نے یہ دعا اس لیے مانگی کہ آپ کا وہاں گھر تھا نہ در، رشتے دار تھے نہ عزیز و اقارب۔ نہ کچھ کھانے پینے کو ہے، اکیلی ذات ہے۔ آپ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور اللہ رب العزت نے سب بندوبست فرما دیا۔

ان میں سے ایک لڑکی واپس آئی اور کہا کہ میرے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ تاکہ آپ کو پانی پلانے کا بدلہ دیں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کی ملاقات شعیب علیہ السلام سے کروا دی۔ آپ کا ان کے ساتھ دس سال رہنے کا ایگریمنٹ ہو گیا۔ انہوں نے ان کے ساتھ اپنی ایک بیٹی کا نکاح بھی کر دیا۔ یہاں سے مفسرین نے نقطہ نکالا۔ کہ جس نوجوان کی شادی نہ ہوتی ہو، نہ وسائل ہوں، نہ رشتہ داروں میں کوئی ایسا رشتہ نظر آتا ہو، کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ تو وہ یہی آیت پڑھے۔

رَبِّ اِنِّی لِمَا اَنْزَلْتُ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْر.

اخلاص کے ساتھ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ازدواجی زندگی کے اسباب بنادیں گے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حالات پوچھے۔ کہاں سے آئے؟ کیا ہوا؟ بتایا کہ وہاں اس طرح کا مسئلہ تھا، جس کی وجہ سے نکلنا پڑا۔ انہوں نے فرمایا:

نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (القصص:۲۵)

[اب آپ ظالموں کی قوم سے نجات پا گئے]

◎ حسی اشیاء کے خوف کی ایک مثال یہ بھی ہے، کہ جب قیامت کے دن انسان کھڑا ہوگا اور میزان عدل قائم ہونے والا ہوگا، تو پھر وہ ڈرے گا۔ اس لئے ایسے موقع پر اللہ نے خوف کا لفظ استعمال کیا۔ فرمایا:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ

[اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا]

◎ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی؛

اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّ رَائِیْ. (مریم:۵)

[اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں]

یعنی میری اپنی اولاد تو نہیں ہے اور اپنے اردگرد کے رشتے داروں سے مجھے خوف ہے۔

خشیت (غیر حسی اشیاء کا ڈر)

انسان غیر حسی اشیاء سے بھی ڈرتا ہے، جسے خشیت کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کو کسی سے محبت ہے اور اگر اس کو پتہ چل جائے کہ میرا محبوب فلاں کام سے غصہ کرتا ہے تو وہ آدمی اس کام کو کرنے سے گھبرائے گا۔ حالانکہ اس کو اس پر مار نہیں

پڑے گی۔ بلکہ اس کے دل میں اپنے محبوب کے ناراض ہوجانے کا ایک ڈر سا ہوتا ہے۔اس کیفیت کو خشیت کہتے ہیں۔ چونکہ مومن بندے کو اللہ رب العزت کے ساتھ محبت کا تعلق ہوتا ہے۔اس لیے اس کے دل میں ہمیشہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ میرا محبوب میرے کسی عمل سے کہیں ناراض نہ ہوجائے، اس کو خشیت کہتے ہیں۔اس لئے قرآن مجید میں بعض مقامات پر نماز کے حکم کے ساتھ خشیت کا لفظ بھی آیا ہے۔مثلاً فرمایا،

قَدْ اَفْلَحَ الْمُومِنُوْنَo الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَo

(مومنون: ۱۔۲)

[تحقیق فلاح پاگئے مومن جو نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں]

وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِیْنَ (البقرۃ: ۴۵)

[اور بے شک یہ (نماز) بڑی گراں ہے مگر ان لوگوں پر جو عجز اختیار کرنے والے ہیں]

اگر کوئی آدمی بڑے افسر کے سامنے جائے تو وہ اپنے ہاتھوں کو بلاوجہ اِدھر اُدھر حرکت نہیں دیتا کہ افسر کہیں ناراض نہ ہوجائے۔اسی طرح مومن بھی نماز میں چونکہ اللہ رب العزت کے سامنے ہوتا ہے۔اس لیے وہ بھی بلاوجہ اپنے ہاتھوں کو حرکت نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کہیں ناراض نہ ہوجائیں۔ ہاتھوں کے اس نہ ہلانے کو حدیث پاک میں خشوع کہا گیا ہے۔اس لئے جو بندہ اپنی داڑھی میں بار بار ہاتھ مار رہا تھا، اس کے بارے میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَوْ خَشَعَ قَلْبُ هٰذَا. [اگر اس بندے کے دل میں خشوع ہوتا!]

یہ خشیت کا لفظ، قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات پر آیا ہے۔مثال کے طور

پر.....

☆.....لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ. (الاسرآ: ۳۱)

یہاں بھی یہی خشیت کا لفظ آیا ہے۔ بندے کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں زیادہ اولاد کی وجہ سے پیسہ کم نہ ہو جائے۔

☆.....اللہ والے اللہ رب العزت کی خشیت اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا،

وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ (الاحزاب:۳۹)

[جو خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے]

☆.....جب حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر ڈالا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے اس کو کیوں قتل کیا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

فَخَشِيْنَا اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا. (الکہف:۸۰)

[پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے]

تو یہاں بھی خشیت کا لفظ استعمال کیا گیا۔

☆.....حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر چلے گئے، تو پیچھے ان کی قوم نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے منع تو کیا مگر قوم نے بات نہ مانی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو ان کو بہت جلال آیا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے بھائی کی ریش کو پکڑ کر کھینچا، تو حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب میں فرمایا،

يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَاْسِيْ (طٰہٰ: ۹۴)

[اے میرے بھائی میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑیئے]

اب یہاں حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یا اخی (اے میرے بھائی)..... کہہ کر نہیں پکارا۔ کیونکہ اخی (اے میرے بھائی)..... کے لفظ سے وہ محبت بیدار نہیں ہوتی جو یا ابن ام (اے میری ماں کے بیٹے)..... سے ہوتی ہے۔ انہوں نے حکمت و بلاغت کے ساتھ ایسا لفظ استعمال کیا جو محبت کے جذبے کو

ابھارنے والا تھا۔اس کے جواب میں ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ۔

اِنِّی خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (طٰہٰ:۹۴)

[میں تو ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا]

یہاں بھی خشیت کا لفظ استعمال کیا گیا۔

☆.....اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ [وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں] (الملک:۱۲)

خوف اور حزن میں فرق:

تیسرا لفظ ہے ''حزن''۔اس کا لغوی معنی ہے غم، دکھ۔عوام الناس اس کا مطلب بھی ڈر ہی لیتے ہیں۔جس طرح خوف اور خشیت میں باریک سا فرق ہے، اسی طرح خوف اور حزن میں بھی لطیف سا فرق ہے۔خوف باہر کے ڈر کو کہتے ہیں اور حزن اندر کے غم کو کہتے ہیں۔یعنی خوف کا تعلق ظاہر سے ہے اور حزن کا تعلق مَن سے ہے۔ قرآن مجید میں انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں یہ لفظ بہت زیادہ استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے دل میں اپنی امت کا غم ہوتا ہے اور وہ اس غم میں اللہ کے حضور بہت زیادہ فریادیں کرتے رہے۔

نبی علیہ السلام کو فرزندِ ارجمند کا غم:

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزندِ ارجمند ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، تو نبی علیہ السلام نے ان کو دفن فرمایا۔آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی گر رہے تھے۔کسی نے پوچھا، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ بھی اپنے بیٹے کی جدائی میں رو رہے ہیں۔تو نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلْقَلْبُ یَحْزُنُ وَالْعَیْنُ تَدْمَعُ وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ

[دل مغموم ہے اور آنکھو سے آنسو بہہ رہے ہیں اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی میں بہت غم زدہ ہیں]

تو حزن ہمیشہ دل میں ہوتا ہے اور یہ ایک فطری چیز ہے۔

قرآن مجید میں حزن کا تذکرہ:

حزن کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں جا بجا آیا ہے۔ مثال کے طور پر.....

☆.....کسی بات سے بندے کا دل رنجیدہ ہو تو اس کو بھی حزن کہا گیا۔ جیسے کفار نبی علیہ السلام کے لیے مجنون اور ساحر کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ . (یسٓ : ۷۶)

[اے محبوب ان کی بات سے آپ کا دل غم زدہ نہ ہو]

☆.....صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں جانا چاہتے تھے مگر ان کے پاس پیسہ اور سواری نہیں تھی۔ سفر بھی لمبا تھا اس لیے جا نہیں سکتے تھے۔ جب انہوں نے مجاہدین کو جاتے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْن (التوبة: ۹۲)

[یہ مغموم ہیں کہ یہ خرچ نہیں کر سکتے]

یعنی یہ اس بات پر رو رہے ہیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو مال پیسا نہیں ہے، ان کو آپ کے ساتھ جانے کی سعادت نہیں مل پا رہی۔

☆.....جنتی لوگ جیسے ہی جنت میں قدم رکھیں گے۔ تو ان کے دل کا جو یہ غم ہوگا کہ کہیں روک نہ دیا جائے ..... کہیں دروازہ نہ بند کر دیا جائے ..... کہیں پوچھ نہ لیا

جائے ..... وہ بالکل ختم ہو جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوتے ہی کہیں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحُزْنَ .

[سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمارے دل سے غم کو ہٹا دیا]

☆ ..... حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر یوسف علیہ السلام کی جدائی میں کہا تھا۔

اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَى اللّٰهِ (یوسف: ۸۶)

[میں تو اپنی پریشانی اور غم کا اظہار اپنے اللہ سے ہی کرتا ہوں]

☆ ..... یہی لفظ نبی علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا۔ قرآن مجید نے اس کو نقل کیا،

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبة: ۴۰)

[جب اس نے اپنے ساتھی کے لیے کہا، ڈر نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے]

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

کچھ مخالفین یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے بہادر آدمی تھے۔ وہ نہ کسی سے ڈرتے تھے نہ گھبراتے تھے۔ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ بہت ڈرنے والے تھے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ بزدل تھے۔ اور اپنی بات کی دلیل میں یہ آیت لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا پڑھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت ڈر گئے اور نبی علیہ السلام کو کہنا پڑا ..... لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (ڈر نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔

ان کا یہ اعتراض بہت ہی کمزور ہے۔ اس لئے کہ ان کو اپنی جان کا غم نہیں تھا بلکہ ان کو یہ غم تھا کہ کافر کہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔ اس کی وجہ سے نبی علیہ السلام کو فرمانا پڑا کہ آپ اس بات کی فکر نہ کریں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ

ہیں۔

ہماری اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ان کو کیسا غم تھا؟..... دلیل قرآن عظیم الشان سے سنیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا کہ ہم یوسف علیہ السلام کو لے جانا چاہتے ہیں..... یرتع ویلعب (بھاگیں گے اور کھیلیں گے)..... اس کے جواب میں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

اِنِّی لَیَحْزُنُنِیْ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ○ (یوسف: ۱۳)

[یہ بات مجھے غمگین کرتی ہے کہ میں اسے آپ کے ساتھ بھیجوں اور اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے خبر رہو]

اب دیکھیں کہ یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور وہ اپنے بیٹے کے لیے وہی لفظ استعمال کر رہے ہیں..... انی لیحزننی (مجھے یہ بات غمگین کرتی ہے)..... اس سے یہ پتہ چلا کہ حزن کا دل میں پیدا ہو جانا، یہ مقام نبوت اور مقام صدیقیت کے خلاف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہی لفظ نبی علیہ السلام کیلیے بھی ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ جی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کمزور دل والے تھے۔ اس لئے نبی علیہ السلام کو ..... لا تحزن..... کہنا پڑا۔ تو یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کیلئے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○ (النحل: ۱۲۷۔۱۲۸)

[اور ان پر غم نہ کھائیں اور نہ ان کے مکروں سے دل تنگ ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو پرہیزگار ہیں اور نیکی کرنے والے ہیں]

اب یہاں پر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو فرما رہے ہیں..... لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ.....تو کیا پھر یہاں بھی اس کا یہی معنیٰ لیا جائے گا؟.....تو معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل کا یہ غم اپنی ذات کے لیے نہیں تھا بلکہ نبی علیہ الصلوۃ کے لیے تھا۔

ذرا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان دیکھیے کہ جو لفظ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے محبوب ﷺ کے لئے استعمال کیا ہو بہو وہی لفظ نبی علیہ السلام نے اپنے یار غار کے لئے استعمال کیا۔ کیا فرمایا۔ وہ لفظ ہے لا تحزن..... معلوم ہوتا ہے کہ واقعی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے ساتھ معیت کبریٰ عطا فرمائی تھی۔

یہ جو ہے ناں..... ان اللہ معنا۔ سبحان اللہ۔ محبتیں دیکھئے۔ ایک علمی نکتہ طلباء کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا،

ثَانِيَ اثْنَيْنِ [دو میں سے دوسرا] (التوبۃ:۴۰)

اللہ تعالیٰ نے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کا دوسرا کہا، اور پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر نبی علیہ السلام کی مہربانی دیکھئے فرمایا،

مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا

[تم ان دو کے بارے میں کیا گمان رکھتے ہو جن کا تیسرا اللہ ہو]

اللہ کے محبوب ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگیوں میں اس قدر مشابہت ہے کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ طلباء کیلیے چند علمی نکتے پیش کیے جاتے ہیں تا کہ ان کے ذہن میں رہے کہ معیت کبریٰ کسے کہتے ہیں۔

اسلام میں دوسرا ہونے میں مشابہت:

کلمہ پڑھا کر مسلمان کرنے والے اللہ کے محبوب ﷺ تھے اور بالغ لوگوں میں

سے کلمہ پڑھنے والے دوسرے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ بیوی نے بھی شروع میں ہی کلمہ پڑھا تھا تو جواب دینے والے یہ کہتے ہیں کہ گھر کے لوگوں کی تصدیق اتنی زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ بیوی بیوی ہوتی ہے اگر کوئی جھوٹی بات بھی کر دے گا تو وہ بیوی ہونے کے ناطے بھی تصدیق کر دے گی۔ زیادہ اہمیت تو اس تصدیق کی ہوتی ہے جو معاشرے کا کوئی باعزت فرد کر رہا ہو۔ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس لحاظ سے اگر نبی علیہ السلام پہلے تھے تو دوسرے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔

اخلاق وشمائل میں مشابہت:

جب نبی علیہ السلام پہلی وحی اترنے کے بعد غار حرا سے واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بہت ہی خوفزدہ تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو پہلی مرتبہ ان کی اصلی شکل میں دیکھا تھا۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھ کر پوچھا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو کیا محسوس ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا، مجھے یوں لگتا ہے کہ شاید میری موت ہی واقع ہو جائے۔ تو اس کے جواب میں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

كلا والله انك لتصل الرحم تحمل الكل وتكسب المعدوم تقرىء الضيف وتعين على نوائب الحق.

[ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! آپ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، دوسروں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں، جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا ان کو کما کر عطا کرنے والے ہیں، مہمان کا اکرام کرنے والے ہیں اور آپ نیک کاموں میں مدد کرنے والے ہیں]

اس طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ صفات

گنوائیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان صفات کی وجہ سے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

اب ذرا توجہ فرمایئے کہ ایک مرتبہ قریش مکہ کے ایک سردار ابن الدغنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تعریف میں بالکل یہی الفاظ کہے، اس نے کہا،

انك تكسب المعدوم تصل الرحم وتحمل الكل وتقرىء الضيف وتعين على نوائب الحق. (صحیح بخاری شریف)

جو الفاظ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے استعمال کئے تھے، ایک کافر نے وہی الفاظ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال کئے۔ یہ ہے مشابہت۔

صفات میں مشابہت:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْم . [آپ اہل ایمان پر مہربان اور رحیم ہیں]

اللہ تعالیٰ نے رؤوف اور رحیم کے الفاظ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے استعمال فرمائے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہو بہو یہی الفاظ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال فرمائے۔ چنانچہ ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا،

اَرْءَفُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْ بَكْرْ

[سب سے زیادہ میری امت پر شفیق ابوبکر ہیں]

اور دوسری حدیث پاک میں ارشاد فرمایا،

اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْ بَكْرْ

[میری امت میں سب سے زیادہ میری امت پر رحیم ابوبکر ہیں]

اس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کمال کی رأفت اور رحمت حاصل تھی، اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی ان دونوں صفات میں کمال حاصل تھا۔

استقامت فی الدین میں مشابہت:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو استقامت فی الدین میں کمال حاصل تھا۔ ایک مرتبہ عقبہ بن ابی معیط نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک گلے کے اندر چادر ڈالی اور وہ چاہتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا ہی دبا دے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کافر کی اذیت سے بچایا۔ ادھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافر کے ہاتھوں اذیت پہنچی اور ادھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اذیت پہنچی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ کسی نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آکر بتایا کہ تم یہاں ہو اور مسجد میں تمہارے صاحب کے ساتھ قریش کے سردار کیا سلوک کر رہے ہیں۔ یہ سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فوراً مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ سرداران قریش نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت ہی ایذا پہنچا رہے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو مخاطب ہو کر فرمایا،

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰه

[کیا تم اسے قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے]

یہ کہہ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے قریب گئے تو کافروں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو چھوڑ دیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا۔ انہوں نے پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اتنی اذیت پہنچائی کہ اس کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دربارِ نبوت میں دوبارہ حاضر ہوئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ مشابہت دیکھئے کہ نبی علیہ السلام نے بھی دین کی خاطر تکلیف اٹھائی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی تکلیف

اٹھائی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ اذیت دی گئی، اسی دن ان کی تکلیف سے متاثر ہو کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل ہوئے۔ نبی علیہ السلام کی دعا سے یہ شیر (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) اسلام میں داخل ہوئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قربانی سے یہ شیر (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) اسلام میں داخل ہوئے۔

ثانی اثنین ہونے میں مشابہت:

ہجرت کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (التوبۃ:۴۰)

[جب کہا اپنے ساتھی سے غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے]

تو یہ معیت کی خوشخبری نصیب ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

ثَانِی اَثْنَیْنِ (دو میں سے دوسرا)

اب جہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے ہوتے تھے وہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرے ہوتے تھے مثال کے طور پر۔

☆ نبی علیہ السلام داعیء اسلام تھے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرے تھے۔

☆ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں امام بنے تو ان کے بعد دوسرے امام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بنائے گئے۔

☆ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزار میں پہلے تشریف لے گئے تو ان کے بعد دوسرے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ جہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے ہوتے تھے وہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر۔

☆ غار میں پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور دوسرے نمبر پر نبی علیہ السلام داخل ہوئے۔

☆ ۹ھ میں حج فرض ہوا، تو پہلے سال نبی علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا اور اس کے بعد اگلے سال خود نبی علیہ السلام امیرِ حج بن کر گئے۔

فکر و ذہن میں مشابہت:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سوچ بھی ایک جیسی تھی۔ مثال کے طور پر:

⊙..... جب بدر کے قیدی آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کو قتل کر دیا جائے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان کے رشتہ داروں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے۔ اللہ کے نبی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی مشورہ کو پسند فرمایا اور بالآخر اسی پر فیصلہ ہوا۔

⊙..... جب صلح حدیبیہ ہوئی تو ظاہر میں عام مسلمانوں کو یوں نظر آتا تھا کہ بہت دب کر صلح کی گئی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کو فتح مبین فرما رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے فرمایا تھا کہ ہم عمرہ پر جائیں گے۔ فرمایا، ہاں۔ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر آپ نے احرام کھولنے کا حکم فرما دیا ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا، کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال جائیں گے؟ عمر! جب بھی تم وہاں احرام باندھ کر جاؤ گے تو بیت اللہ کا طواف ضرور کرو گے۔ عمر! میں اللہ کا رسول ہوں، میں وہی کہتا ہوں جو اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر واپس آ گئے۔ راستے میں ان کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مل گئے۔ ان سے پوچھنے لگے، ابوبکر! ہم اسی طرح دب کر صلح کر رہے ہیں..... اصل میں تو بیت اللہ کو دیکھنے کا شوق اور ولولہ تھا، اور اب واپس جانے کا حکم مل گیا، اس لیے طبیعت کا جذبہ ٹھنڈا ہونے میں کچھ وقت لگ رہا تھا..... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا، عمر! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا، ہاں حق پر ہیں۔ پھر پوچھا، کیا ہم کافروں سے

دبنے والے ہیں؟ فرمایا، نہیں۔ پوچھا، پھر ہم ایسی صلح کیوں کر رہے ہیں؟ تو آگے سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، عمر! یہ بتاؤ کہ نبی ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، جی ہاں۔ فرمایا، پھر اللہ کے رسول وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ جو الفاظ نبی ﷺ نے کہے تھے ہو بہو وہی الفاظ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہے۔

اعمال وافعال میں مشابہت:

ان دونوں حضرات کی اپنے اعمال اور افعال میں بھی مطابقت تھی۔ مثلا....

❁.....حدیث پاک میں آیا ہے کہ فدک کے باغات سے آمدنی آتی تھی اور نبی ﷺ اس آمدنی سے قریش کے نوجوانوں کی شادیاں بھی کرواتے تھے اور دیگر ضرورتمندوں پر خرچ بھی کرتے تھے..... خیبر سے کچھ فاصلہ پر ایک جگہ ہے جس کا نام فدک ہے۔ یہ باغات وہاں تھے جو بہت ہی زرخیز تھے۔ اس عاجز کو وہ جگہ دیکھنے کا موقع ملا ہے .....ایک مرتبہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ ! آپ ان باغات کو ہمارے لیے وقف کر دیجیے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی مگر وقف نہ فرمایا اور سب پر پیسہ خرچ کرتے رہے۔ جب نبی ﷺ پردہ فرما گئے تو پھر یہی مطالبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیا گیا اور انہوں نے بھی وہی عمل کیا جو نبی ﷺ نے کیا کہ اس کو وقف بھی نہ کیا اور اس کی آمدنی قریش کے لوگوں پر خرچ کرتے رہے۔

❁.....طائف کے لوگوں نے نبی ﷺ کے پاس ایک نمائندہ بھیج کر کہا کہ ہم کلمہ پڑھنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ ہمیں نماز معاف کر دی جائے۔ یہ سن کر اللہ کے محبوب ﷺ جلال میں آگئے اور فرمایا کہ یہ اللہ کا فرض ہے، کیسے معاف کیا جا سکتا ہے؟ .....یہی صورتحال صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آئی۔ جب نبی ﷺ نے پردہ فرمایا تو قبائل کے کچھ لوگ کہنے لگے کہ ہم ہر کام کرنے کے لیے تیار ہیں، بس ہمیں

زکوٰۃ خود ادا کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ تو صدیق اکبر ﷺ نے کہا اللہ کی قسم! جو اونٹ دیتا تھا، اگر وہ اونٹ دے اور اس کی رسی نہ دے تو میں اس بندے کے ساتھ بھی قتال کروں گا۔ جو طرز عمل نبی ﷺ نے اختیار فرمایا وہ طرز عمل صدیق اکبر ﷺ نے بھی اختیا فرمایا۔

❁.....ایک مرتبہ نبی ﷺ نے حضرت حسن ﷺ کو اٹھایا، ان کا بوسہ لیا اور سینے سے لگایا۔ حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے ساتھ ابو بکر ﷺ جا رہے تھے تو سامنے حسن ﷺ آئے۔ اس وقت وہ بچے تھے۔ جیسے ہی حضرت ابو بکر ﷺ نے ان کو دیکھا، انہوں نے حضرت حسن ﷺ کو اٹھایا اور اسی طرح بوسہ لے کر ان کو سینے سے لگا لیا اور پھر فرمایا اللہ کی قسم! ان کی مشابہت اللہ کے نبی ﷺ سے زیادہ ہے اور علی ﷺ سے تھوڑی ہے۔ حضرت علی ﷺ سن کر مسکرانے لگ گئے۔

❁.....ایک مرتبہ نبی ﷺ ہجرت کرنے کا ارادہ کر چکے تھے مگر مشورہ یہ ملا کہ قریش کے کسی سردار سے بات کر لیجیے وہ آپ کو اپنی امان میں لے لے۔ چنانچہ قریش کے ایک سردار نے نبی ﷺ کو اپنی امان میں لے لیا، لہٰذا آپ ﷺ پھر کچھ دن مکہ مکرمہ رہے۔ اس کے بعد اللہ کا حکم آیا اور پھر آپ نے مستقل ہجرت فرمائی ..... صدیق اکبر ﷺ کے ساتھ بھی ہو بہو یہی صورتحال پیش آئی۔ وہ نبی ﷺ سے اجازت لے کر پہلی مرتبہ ہجرت کر کے جانے لگے تو قریش کے ایک سردار نے ان کو روک لیا، لہٰذا واپس آ کر کچھ دن رہے، پھر اس کے بعد جب اللہ کے نبی ﷺ نے ہجرت کی تو پھر صدیق اکبر ﷺ نے بھی ہجرت کی۔

خویش واقارب میں مشابہت:

خویش واقارب میں بھی جو حالات نبی ﷺ کو پیش آئے وہی حالات صدیق اکبر ﷺ کو بھی پیش آئے ..... دیکھیں کہ ایک ہوتا ہے ذات کا مسئلہ، یہ فقط ذات کا

مسئلہ نہیں بلکہ جو معاملہ نبی ﷺ کے عزیز و اقارب کے ساتھ پیش آیا وہی معاملہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا..... مثال کے طور پر.....

☆ ..... نبی ﷺ کے داماد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی سابقین اولین میں سے تھے۔ (نبی علیہ الصلوۃ)

☆ ..... نبی ﷺ کے داماد بھی مہاجرین میں سے تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی۔

☆ ..... نبی ﷺ کے داماد بھی عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

☆ ..... نبی ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو اللہ رب العزت نے بہت اونچا مقام عطا فرمایا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی اللہ نے اونچا مقام عطا فرمایا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ماں کا درجہ حاصل تھا اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بیٹی کا۔ لیکن دونوں کی عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ اس لیے ان کے درمیان کچھ بے تکلفی اور خوشی کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ دونوں ماں بیٹی اکٹھی بیٹھی تھیں۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بے ساختہ مسکرا پڑیں، ام المومنین رضی اللہ عنہا نے پوچھا، جی آپ مسکرائی کیوں ہیں؟ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے جس کی وجہ سے میں مسکرائی ہوں۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے پوچھا، کیا بات ذہن میں آئی ہے؟

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، میرے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ میں نبی ﷺ کی صاحبزادی ہوں، میرے والد محمد رسول اللہ ہیں، اللہ نے مجھے ایک

شرف عطا فرمایا ہے، مگر آپ کے والد تو ابو بکر ہیں۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا، فاطمہ! آپ نے سچ کہا کہ آپ کے والد رسول ﷺ ہیں، ہمیں ایمان ملا ان کے صدقے، خدا ملا ان کے صدقے، (یوں نبی ﷺ کی تعریف کرنے کی انتہا کر دی۔ جب جی بھر کر نبی ﷺ کی تعریف کر لی تو فرمایا) فاطمہ! ایک بات میرے ذہن میں بھی آ رہی ہے۔

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے پوچھا، وہ کیا؟

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اگر آپ کے خاوند علی المرتضیٰ ہیں تو میرے خاوند بھی تو محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ (پھر مسکرا کر فرمایا) فاطمہ! میرے ذہن میں ایک بات اور بھی آ رہی ہے۔

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے پوچھا، وہ کیا؟ ام المومنین نے فرمایا، فاطمہ! جب ہم جنت میں جائیں گے تو آپ کا ہاتھ علی المرتضیٰ ؓ کے ہاتھ میں ہوگا اور میرا ہاتھ محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا۔

☆.....سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو حضرت علی ؓ کے گھر میں غربت کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ کام کاج کرنے کی وجہ سے ہاتھوں میں گٹے پڑ جاتے تھے، میں پانی بھر کر لاتی تھی، میں اونٹوں کو گٹھلیاں توڑ کر کھلاتی تھی، گھر میں کبھی کھانا پکتا تھا اور کبھی نہیں پکتا تھا.....جس طرح غربت کے حالات نبی ﷺ کی اس بیٹی نے برداشت کیے ویسے ہی غربت کے حالات صدیق اکبر ؓ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بھی پیش آئے۔

☆..... نبی ﷺ کے نواسے سیدنا حسین ؓ کو بھی شہید کیا گیا اور حضرت صدیق اکبر ؓ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو بھی شہید کیا گیا۔ ان کے نواسے بھی صحابی بنے اور ان کے نواسے بھی صحابی بنے۔ جب سیدنا حسین ؓ کو شہید کیا گیا تو ان

کی لاش بھی کئی دن وہاں پڑی رہی اور جب عبداللہ بن زبیر ؓ کو شہید کیا گیا تو ان کی لاش بھی کئی دن لٹکتی رہی۔

☆.....اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو صحابہ کا امام بنایا۔ پھر ان کے دوسرے امام سیدنا صدیق اکبر ؓ بنے.....ایک مزے کی بات سنیے.....ایک ہی نماز میں پہلے سیدنا صدیق اکبر ؓ امام بنتے ہیں اور اسی نماز کی آخری رکعت میں اللہ کے محبوب ﷺ امام بنے رہے ہیں۔

ارشادات قرآنی میں مشابہت:

۞.....اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو بہت زیادہ شرف عطا فرمایا..... نبی ﷺ نے فرمایا،

اَنا اتقٰی ولد ادم [میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ متقی ہوں]

جو لفظ نبی ﷺ نے اپنے لیے استعمال فرمایا، اللہ تعالیٰ نے وہی لفظ صدیق اکبر ؓ کے لیے بھی استعمال فرمایا،

وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی o الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی o (اللیل:۷۔۸)

[اور جو پرہیز گار ہے وہ بچالیا جائے گا جو دیتا ہے اپنا مال تاکہ پاک ہو]

۞.....اللہ تعالیٰ محبوب ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں،

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (طه: ۹۰)

[کہہ دیجئے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا]

اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کی اتباع کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ جب تم اتباع کرو گے تو..... یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے).....

بالکل اسی طرح صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے جس قافلے کو بھیجا تھا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان پہلے آچکا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو پیدا فرمائے گا کہ

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ

(وہ اللہ سے محبت کریں گے اور اللہ ان سے محبت کریں گے)

یہ وہ لوگ تھے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گئے تھے۔

۞.....صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُومِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (المائدہ:۵۴)

[وہ مسلمانوں پر نرم دل ہو گئے اور کافروں پر سخت دل ہوں گے]

اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں فرمایا،

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح :۲۹)

[اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل ہیں]

مرضِ وفات میں مشابہت:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں کی وفات کا ظاہری سبب زہر بنا۔ اس زہر خوردنی اور اس کے اثر کرنے میں بھی دونوں حضرات میں عجیب مماثلت ہے۔ مثال کے طور پر.....

۞..... نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر والا کھانا ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی زہر والا کھانا ہدیہ کے طور پر بھیجا گیا تھا۔

۞..... نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو زہر والا کھانا کھایا وہ دو افراد نے مل کر کھایا تھا اور جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زہر والا کھانا کھایا تھا وہ بھی دو افراد نے مل کر کھایا تھا۔

۞..... جو کھانا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھایا اس کے زہر کا دوسرے آدمی پر فوراً اثر ہوا اور وہ فی

الفور دنیا سے رخصت ہو گیا اور جو کھانا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کھایا اس کے زہر کا بھی دوسرے بندے پر فوری اثر ہوا اور وہ فوراً شہید ہو گیا۔

⊙..... نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زہر کا اثر ہوا تو وفات کے وقت شدید بخار ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو زہر استعمال کیا اس کی وجہ سے بھی ان کو موت کے وقت شدید بخار ہوا۔

⊙..... نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی زہر کی وجہ سے شہادت کا رتبہ ملا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی زہر کے اثر کی وجہ سے شہادت کا رتبہ ملا۔

عالم نزع میں مشابہت:

پھر اور مشابہت دیکھیے،

☆..... نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زبان سے جو آخری آیت نکلی، وہ تھی:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا (النساء : ٦٩)

[وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، وہ نبی، صدیق، شہید اور صالحین ہیں اور کیسے اچھے رفیق ہیں]

اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی سب سے آخری آیت یہی سنی گئی۔

☆..... عالم نزع میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ان کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں اور ادھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس عالم نزع میں ان کی بیٹی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔

وفات میں مشابہت:

☆..... اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن دنیا سے رخصت ہوئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کی وفات بھی پیر کے دن ہوئی۔

☆.....جس چارپائی پر نبی ﷺ کو رکھا گیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھانے کے لیے بھی ہو بہو اسی چارپائی کا استعمال کیا گیا۔

☆.....نبی ﷺ کو بھی تین کپڑوں میں کفن دیا گیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔

☆.....نبی ﷺ کی وفات بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوئی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔

☆.....جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ نے کوئی میراث نہ چھوڑی تھی، اور جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو انہوں نے بھی کوئی میراث نہ چھوڑی۔

☆.....نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کو روضۃ الجنۃ میں داخل کر دیا گیا اور جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کو بھی روضۃ الجنۃ میں داخل کر دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے زندگی اور وفات تک ان دونوں حضرات کے حالات بھی ایک جیسے رکھے۔ اسی کو معیت کبریٰ کہتے ہیں۔

جنت میں معیت:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کے ساتھ جنت میں بھی معیت نصیب ہوگی۔ اس لیے انہوں نے اپنے مکتوبات میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ''ہم خانہ رسول'' لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ جیسے ایک ڈبل سٹوری (دو منزلہ) گھر ہوتا ہے، اس ڈبل سٹوری گھر میں نیچے والی منزل میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوں گے اور اسی مکان کی او

والی منزل میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام ہوں گے۔

قرآن مجید میں حزن اور خوف کا یکجا استعمال

قرآن مجید میں بعض جگہوں پر خوف اور حزن، دو الفاظ اکٹھے بھی استعمال ہوئے ہیں، مثلاً فرمایا،

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس: ۶۲)

[خبردار بے شک جو اللہ کے دوست ہیں نہ ان پر کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے]

یہاں ایک نکتہ سمجھیے کہ جو اللہ کے دوست ہوتے ہیں ان کو اپنی زندگی میں بھی کوئی خوف اور حزن نہیں ہوتا، نہ ان کو کوئی باہر کا ڈر ہوتا ہے اور نہ کوئی اندر کا غم ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح موت کے وقت بھی ان کو یہی کہا جائے گا، فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (فصلت: ۳۰)

[بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جم گئے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں یہ کہ نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم]

تو دیکھیں زندگی کے لیے بھی یہی فرمایا کہ نہ تم پر کوئی خوف ہوگا نہ کوئی حزن، اور موت کے وقت فرشتے بھی یہی بشارت دے رہے ہیں ..... پھر اس کے بعد آگے دیکھیے کہ یہی لوگ جب جنت میں جائیں گے تو اللہ رب العزت بھی ان کو یہی بشارت دیں گے۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (الزخرف: ۶۸)

[اے میرے بندو! تم پر نہ آج کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے]

ایک علمی نکتہ اور بھی سن لیجیے.....اللہ تعالیٰ نے خوف اور حزن کے الفاظ ام موسیٰ علیہا السلام کے بارے میں اکٹھے استعمال فرمائے۔ اللہ رب العزت نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اپنے بیٹے کو دریا میں ڈال دینا اور

لَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ (خوف بھی نہیں کھانا اور گھبرانا بھی نہیں)

اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب وہ کوئی کام کسی کے ذمے لگاتے ہیں اور وہ بندہ کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ انعام بھی عطا فرماتے ہیں۔ جب مومن دنیا میں عبادت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں انعام عطا فرمائیں گے۔

اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دو باتیں ارشاد فرمائیں، .....لا تخافی و لاتحزنی (خوف بھی نہیں کھانا اور گھبرانا بھی نہیں).....اور انہوں نے ان دونوں باتوں پر عمل کر کے دکھایا۔ جب انہوں نے دو کام کر لیے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو دو انعامات عطا فرمائے۔

(۱).....فرمایا.....اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ (ہم اسے لوٹائیں گے تمہاری طرف).....بچے کا لوٹ کر آنا، پہلا انعام تھا۔

(۲).....اور ساتھ یہ بھی فرمایا.....وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْن (اور ہم نے اسے رسولوں میں بنانا ہے).....یہ دوسرا انعام ہے۔

آپ یہاں تک تو تفسیر میں بھی نکات پڑھتے رہتے ہیں، ایک نکتہ ہم بھی آپ کو بتا دیتے ہیں جو بہت سی تفاسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کو ملے گا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا حکم دیا تھا۔ ان میں سے ایک حکم.....لا تخافی.....کا تعلق حسی کیفیت کے ساتھ تھا اور دوسرے حکم.....لاتحزنی.....کا تعلق غیر حسی کیفیت کے ساتھ تھا۔ کیونکہ دل کا غم غیر محسوس قسم کی چیز ہے۔ دوسرا بندہ محسوس نہیں کر سکتا کہ اس کا

دل غم زدہ ہے یا نہیں۔ چونکہ ایک حکم کا تعلق ظاہر کے ساتھ تھا اور دوسرے حکم کا تعلق باطن کے ساتھ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو دو انعامات عطا فرمائے ان میں سے بھی ایک انعام کا تعلق ظاہر کے ساتھ تھا۔ چنانچہ فرمایا..... اِنَّـــا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ.....اور دوسرے انعام کا تعلق باطن کے ساتھ تھا۔ لہٰذا فرمایا..... وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْن (اور ہم نے اسے رسولوں سے میں بنانا ہے)۔

اللہ اکبر!!! جیسا عمل ویسا ہی اس کا اجر۔

حزن کے واقعات

حزن رسالت ﷺ:

حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لائے اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بتایا، فاطمہ! تین دن سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عجیب کیفیت طاری ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور فوراً واپس چلے جاتے ہیں، کسی سے گفتگو نہیں کرتے، گھر جا کر بھی مصلے کے اوپر رہتے ہیں، وہاں بھی کسی سے گفتگو نہیں فرماتے اور مسلسل روتے جا رہے ہیں، آپ ان کی لاڈلی بیٹی ہیں، لہٰذا آپ جا کر ان سے پوچھیں۔ نبی ﷺ کی یہ کیفیت سن کر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا فوراً نبی ﷺ کے پاس گئیں۔ جا کر دیکھا کہ نبی ﷺ واقعی بہت غم زدہ ہیں۔ آپ نبی ﷺ کے پاس جا کر بیٹھیں اور عرض کیا، اباجان!.....مایبکیك؟ (آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟)۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، فاطمہ! مجھے خیال آ رہا ہے کہ جب میں نے معراج کی رات جہنم کو دیکھا تو میں نے اس میں کچھ عورتوں کو عذاب پاتے دیکھا،

وہ نقشہ اس وقت میرے سامنے ہے، اور اپنی امت کے غم میں رو رہا ہوں اور اللہ رب العزت سے اس کی مغفرت مانگ رہا ہوں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ نے جہنم میں کیا دیکھا؟ اس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے چھ عورتوں کا تذکرہ کیا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھا جو اپنی زبان کے ذریعے لٹکی ہوئی تھی..... آپ دیکھیں کہ زبان کتنی نازک ہوتی ہے، اگر بندہ تھوڑی سی پکڑ کر کھینچے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اور وہ عورت اپنی زبان کے ذریعے لٹک رہی تھی۔ جیسے قصائی کسی بکرے کے کان میں سوراخ کر کے سر کو کیل کے ساتھ لٹکا دیتے ہیں، اسی طرح وہ پوری عورت جہنم کے اندر اپنی زبان کے ذریعے لٹک رہی تھی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! وہ عورت کون تھی؟ فرمایا یہ وہ عورت تھی جو دوسروں کی غیبت کرتی تھی، طعنے دیتی تھی، اپنی زبان سے دوسروں کو ایذا پہنچاتی تھی، یوں وہ اپنی زبان کا غلط استعمال کرتی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں فرائی کر رہے تھے۔ فرائی کرنے والے کیا کرتے ہیں؟ وہ اسی طرح پورے مرغے کو لٹکا دیتے ہیں اور وہ نیچے سے بھونا جا رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسی عورت کو زبان کے ذریعے سے لٹکا کر جہنم کی آگ میں بھونیں گے۔

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، فاطمہ! میں نے ایک دوسری عورت کو دیکھا جس کے سینے کے دونوں پستانوں کے اندر ایک سلاخ ڈالی گئی تھی۔ وہ اس طرح کے ایک پستان کی ایک طرف سے سلاخ ڈالی گئی تھی اور اس پستان میں سے ہوتی ہوئی دوسرے پستان کے اندر سے گذر گئی تھی اور اس سلاخ کے سہارے اس عورت کو جہنم کی آگ کے اندر لٹکایا گیا تھا۔ اندازہ کریں کے وہ کتنی تکلیف میں ہوگی۔ حضرت

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! وہ عورت کون تھی؟ فرمایا، وہ زانیہ عورت تھی جو اپنے آپ پر غیر مردوں کو قابو دیتی تھی۔

اللہ کے محبوب ﷺ نے تیسری عورت کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے بالوں کے ذریعے جہنم میں لٹکائی گئی تھی..... بال کتنے نازک ہوتے ہیں، اگر چھوٹا دودھ پیتا بچہ بھی اپنی ماں کے بال پکڑ کر کھینچے تو بعض اوقات ماں کے آنسو بھی نکل آتے ہیں، اتنی تکلیف ہوتی ہے..... اس عورت کو بالوں کے ذریعے لٹکایا ہوا تھا۔ اور فرمایا کہ اس کا دماغ ہانڈی کی طرح کھول رہا تھا۔ اللہ کی پناہ۔ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اس عورت کو اس طرح کس وجہ سے لٹکایا گیا تھا؟ فرمایا وہ بے پردہ گھر سے باہر نکل کر گھومنے والی عورت تھی، اس کی بے پردگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو یہ سزا دے رہے تھے۔

پھر ایک چوتھی عورت کے متعلق نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسے اس حال میں دیکھا کہ اس کے دونوں پیر سینے سے بندھے ہوئے ہیں اور دونوں ہاتھ سر سے باندھے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ عورت تھی جو دنیا میں جنابت اور حیض سے پاک صاف ہونے کا خیال نہیں رکھتی تھی۔

پھر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے پانچویں عورت کو دیکھا کہ اس کا چہرہ خنزیر کی طرح اور باقی جسم گدھے کی طرح بن گیا تھا۔ وہ عورت ہی تھی لیکن اس کی جسم کی جلد ایسی بن گئی تھی کہ چہرہ خنزیر کی طرح اور باقی جسم گدھے کی طرح لگتا تھا۔ گویا اس کی شکل مسخ کر دی گئی تھی اور اس طرح اس کو عذاب ہو رہا تھا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ عورت تھی جو جھوٹ بولتی تھی، غیبت کرتی تھی اور چغلخوری کی مرتکب ہوتی تھی۔

پھر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے چھٹی عورت کو جہنم میں دیکھا کہ اس

کی شکل کتے جیسی تھی اور وہ ایسے آواز نکالتی تھی جیسے کوئی کتا بھونک رہا ہوتا ہے۔ آگ اس کے منہ میں داخل ہوتی تھی اور اس کے پاخانہ کی جگہ سے باہر نکل جاتی تھی اور اس کو فرشتے گرز مار رہے تھے۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! اس نے کونسا قصور کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے اندر حسد بہت زیادہ تھا۔

بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت نبی علیہ السلام بڑے غم زدہ تھے۔ اس وقت اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا، اے میرے محبوب ﷺ! آپ اتنے غم زدہ نہ ہوں، ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کے دل کو خوش کر دیں گے۔ بالآخر تیسرے دن نبی ﷺ مسکرائے۔ تو نبی ﷺ کا دل امت کے بارے میں حزن سے بھرا ہوا تھا۔ پتہ چلا کہ حزن اس غم کو کہتے ہیں جو کسی خیر خواہ کے دل میں کسی دوسرے بندے کے بارے میں ہوتا ہے جو اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہا ہوتا ہے۔ چونکہ امت کے لوگ اپنے ہاتھوں سے جہنم خرید رہے تھے اس لیے اللہ کے محبوب ﷺ اس کے بارے میں اتنے غم زدہ رہتے تھے۔ رات کو بھی روتے تھے اور دن میں بھی اللہ سے مانگتے تھے۔ یہی جہنم کے مناظر اللہ کے محبوب ﷺ کو غمگین کر دیتے تھے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام جب نماز پڑھنے لگتے تھے تو آپ ﷺ کے مبارک سینے سے اس طرح کی آواز آتی تھی جس طرح پکتی ہوئی ہنڈیا کے ابلنے کی آواز ہوتی ہے۔

حزن صدیقی ؓ:

جس طرح نبی علیہ الصلوۃ والسلام دائم الحزن تھے اسی طرح صدیق اکبر ؓ بھی ہر وقت غم زدہ رہتے تھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ فرماتی تھیں کہ ابو بکر ؓ کو لوگوں پر فضیلت نماز اور روزے کی وجہ سے نہیں، بلکہ دل کے اس غم کی وجہ سے ہے جو اللہ نے لوگوں کا غم ان کے دل میں ڈال دیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مَیِّتٍ یَّمْشِیْ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اِبْنِ اَبِیْ قَحَافَۃَ

[جو بندہ یہ چاہے کہ وہ زمین پر چلتی ہوئی کسی لاش کو دیکھے، اسے چاہیے کہ وہ ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر صدیق کو دیکھ لے]

یعنی جیسے بندہ مردہ ہو چکا ہوتا ہے اور دنیا سے اس کی دلچسپی ہی نہیں رہتی اور اس کا دھیان آخرت کی طرف ہی رہتا ہے، صدیق اکبر ؓ کی فنائیت قلبی کا یہی حال ہو چکا تھا۔ آپ جب غم زدہ ہوتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ

''اے کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔''

''اے کاش! میں گھاس کا کوئی تنکا ہوتا۔''

''اے کاش! مجھے اللہ رب العزت کے سامنے قیامت کے دن کھڑا ہو کر جواب نہ دینا پڑتا۔''

''اے کاش! میں کسی مومن بندے کے بدن کا بال ہوتا۔''

حزنِ فاروقی ؓ:

حضرت عمر کو بھی ایسا ہی حزن حاصل تھا وہ بھی غم زدہ رہتے تھے۔ ان کا غم کی وجہ سے یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ کو بلایا اور ایک طرف لے جا کر فرمایا، حذیفہ! مجھے پتہ ہے کہ نبی ﷺ نے آپ کو منافقین کے نام بتا دیئے تھے اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہ نام آگے بتانے سے منع بھی کر دیا تھا مگر میں آپ سے منافقین کے نام تو نہیں پوچھتا، اتنا تو بتا دیں کہ کہیں میرا نام تو ان میں شامل نہیں ہے۔

جب عمر فاروق ؓ کی شہادت کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے کو بلا کر وصیت

فرمائی، بیٹا! جب میری روح نکل جائے تو مجھے جلدی سے نہلا کر کفن دے دینا اور جلدی سے ہی دفنا دینا۔ یہی الفاظ آپ نے تھوڑے تھوڑے وقفے سے دو تین مرتبہ ان کو فرمائے۔ بالآخر انہوں نے کہا، ابا جان! ہم جلدی تو کریں گے مگر آپ بار بار اتنا اصرار کیوں کر رہے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

بیٹا! میں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر اللہ رب العزت مجھ سے راضی ہوئے تو تم مجھے جلدی سے اللہ سے ملا دینا اور اگر اللہ رب العزت مجھ سے ناراض ہوئے تو تم میرا بوجھ جلدی سے اپنے کندھوں سے اتار دینا، اور عمر کے انجام کو تو اللہ بہتر جانتا ہے"۔

حزنِ حسن بصریؒ:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے دل میں اتنا حزن رہتا تھا کہ جب وہ چلتے تھے تو یوں لگتا تھا کہ یہ وہ نوجوان ہیں جو ابھی ابھی اپنے باپ کو قبرستان میں دفن کر کے آ رہے ہیں۔ جب وہ بیٹھے ہوتے تو یوں لگتا تھا کہ یہ وہ مجرم ہے جس کی پھانسی کا حکم صادر ہو چکا ہے اور اب اس پر غم چھایا ہوا ہے۔

حزنِ رابعہ بصریہؒ:

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا بھی حزن کی وجہ سے یہی حال تھا۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی بندے نے ان کو مرغ پیش کیا اور کہا، اماں! یہ مرغ کھا لیں۔ وہ بھونا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر رابعہ بصریہ رونے لگ گئیں۔ اس نے پوچھا، اماں! آپ کیوں رو رہی ہیں؟ کہنے لگیں، بیٹا! مجھ سے تو یہ مرغ ہی اچھا ہے۔ پوچھا، اماں! وہ کیسے؟ فرمایا، بیٹا! اس مرغ کو پہلے ذبح کیا گیا، اس کی جان نکال دی گئی اور اس کے بعد اس کے گوشت کو آگ پر بھونا گیا، اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے میری

خطاؤں کو نہ بخشا تو رابعہ کو تو زندہ حالت میں جہنم کی آگ میں بھون دیا جائے گا۔

حزنِ مدنیؒ:

ہمارے اکابر کی بھی یہی کیفیت تھی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ تہجد میں اٹھتے تھے اور دعا مانگتے ہوئے اس طرح روتے تھے کہ جیسے کوئی بچہ اپنے باپ سے کسی غلطی کی وجہ سے پٹ رہا ہوتا ہے اور رو رو کر معافی مانگ رہا ہوتا ہے۔ اللہ اکبر!

حزنِ لاہوریؒ:

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی کثیر البکاء تھے۔ وہ اس قدر کثرت کے ساتھ روتے تھے کہ ان کے چہرے پر آنسوؤں کے چلنے کی وجہ سے نشان پڑ گئے تھے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی قبر سے خوشبو آتی تھی۔ جس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے خوشبو آتی تھی۔ ان کے ایک خلیفہ نے خواب میں دیکھا اور پوچھا، حضرت! آگے کیا بنا؟ انہوں نے کہا اللہ رب العزت کے حضور میری پیشی ہوئی اور اللہ رب العزت نے مجھ سے پوچھا، احمد علی! تم اتنا کیوں روتے تھے؟ یہ سن کر میں تو ڈر گیا کیونکہ میں نے سن رکھا تھا کہ

مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ

[جس سے پوچھ گچھ ہونے لگ گئی حساب میں تو پھر اسے عذاب دیا جائے گا]

چنانچہ میں نے سوچا کہ پوچھ گچھ ہونے لگ گئی ہے، لہذا میں اور زیادہ ڈر گیا، مگر میرے اس ڈرنے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آگئی اور اللہ رب العزت نے فرمایا،

''احمد علی! تو زندگی میں بھی ڈرتا تھا اور اب بھی ڈر رہا ہے، تیرا ایسا نامہ اعمال میرے پاس آیا ہے کہ میں نے تیری بھی مغفرت کر دی اور جس قبرستان میں تجھے دفن کیا گیا ہے، اس قبرستان کے تمام موتی کی بھی میں نے مغفرت کر دی ہے۔''

غم زدہ رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں انعام ملتا ہے۔

دین کا غم:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر دو خوشیاں اور دو غم اکٹھے نہیں کرے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! جی اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا، جو دنیا میں بے غم ہو کر زندگی گذارے گا اسے اللہ تعالیٰ آخرت میں غم عطا فرما دیں گے اور جو دنیا میں دین والے غم کے ساتھ زندگی گذارے گا اللہ تعالیٰ آخرت کے غم سے اس کو نجات عطا فرما دیں گے۔

عزیز طلباء! آج اس دین کو اپنا غم بنا لیجیے۔ اس کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیجیے۔ اسی کی کا طر جینا اور اسی کی خاطر مرنا۔ یہ نبوت والی ایک نسبت ہے۔ جو نبی ﷺ کے وارث بنیں گے ان تمام کی زندگی اسی طرح گذرے گی جس طرح نبی ﷺ نے گذاری۔ لہٰذا تہجد میں اٹھ کر اپنے لیے دعائیں مانگا کریں اور اس امت کے لیے بھی دعائیں مانگا کریں۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی اس دین کی خاطر جینے اور مرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نبی ﷺ کے قدموں میں ہمیں جگہ عطا فرما دے اور دین کے اس غم کے بدلے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرما دے جو جنت میں داخل ہو کر کہیں گے،

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِی اَذْهَبَ عَنَّا الْحُزْنَ

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قیامت کے دن جنت میں داخل فرما کر ہمارے حزن کو ختم فرمادے (آمین ثم آمین)

و آخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العٰلمین

علم میرا ہتھیار ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعِلْمُ سَلَاحِیْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ.

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا،

اَلْعِلْمُ سَلَاحِیْ (علم میرا ہتھیار ہے)

علم کا لفظی مطلب ہے جاننا، جب انسان کسی چیز کے بارے میں جان جاتا ہے تو اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

علم الادیان اور علم الابدان کا اجمالی تعارف:

علم دو طرح کا ہوتا ہے

(۱) علم الادیان (۲) علم الابدان

علم الادیان سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی ذات سے فائدے لیتا ہے۔ ہوا سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں، پانی سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں اور آگ سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں۔ ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات سے نفع لینے کے طریقے کیا ہیں؟

اس بات کو سمجھانے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے اور انہوں نے آ کر سمجھایا کہ لوگو! جیسے میں زندگی گذار رہا ہوں اگر تم اس کے مطابق اپنی زندگی کو بنالو گے تو تم اللہ رب العزت کی ذات سے سب سے زیادہ فائدہ پانے والے بن جاؤ گے۔

علم الابدان سے پتہ چلتا ہے کہ انسان مادی چیزوں سے کس طرح سب سے زیادہ نفع حاصل کرسکتا ہے۔ آج کے زمانے میں کفر نے علم الابدان پر بہت محنت کی ہے اس لیے اب ان کو مادی چیزوں سے نفع حاصل کرنے کے طریقے آتے ہیں۔

آدمی کی شناخت کا حیرت انگیز طریقہ

وہ اس وقت خلاء سے زمین کے اوپر پڑی ہوئی سوئی کا فوٹو بھی لے سکتے ہیں۔ اگر بیس لاکھ آدمیوں کا مجمع ہو اور اس میں سے کسی بندے کو پہچاننا ہو تو وہ اس بندے کی تصویر کمپیوٹر میں دے دیتے ہیں..... انسانی بدن کی سترہ جگہیں ایسی ہیں جو کمپیوٹر میں بدل نہیں سکتیں۔ ان میں سے صرف چہرے کی آٹھ ایسی چیزیں ہیں جو بالکل نہیں بدل سکتیں۔ مثال کے طور پر آنکھوں کے درمیان کا فاصلہ۔ بندہ اپنی شکل بدلوالے جو مرضی کرلے آنکھوں کا فاصلہ نہیں بدل سکتا۔ نہ آنکھیں موٹی ہوسکتی ہیں نہ پتلی اگر انسان پلاسٹک سرجری کے ذریعے شکل بدلوا کر آجائے، بوڑھا تھا جوان بن جائے یا جوان بوڑھے کی شکل اختیار کرلے تو پھر بھی وہ آٹھ چیزیں نہیں بدل سکتی..... وہ اس آدمی کے چہرے کا وہ ڈیٹا اس کمپیوٹر میں دے دیتے ہیں۔ اور کمپیوٹر پچیس لاکھ انسانوں کے چہروں کے اس ڈیٹا کو کمپیئر کرتا ہے اور جہاں وہ بندہ ملتا ہے اسی وقت اس کے گرد سرخ دائرہ لگ جاتا ہے کہ وہ بندہ یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اب یہ کتنی محیر العقول بات ہے کہ وہ پچیس لاکھ انسانوں میں بیٹھے ہوئے بندے کو ڈھونڈ نکالتے ہیں

..... یہ کیا چیز ہے؟..... یہ مادے کا علم ہے۔

مقناطیسی دھاگے کے ذریعے آپریشن

سعودی عرب میں ہمارے ایک واقف کار رہتے تھے۔ان کا ایک اکلوتا بیٹا تھا۔ اسے پرندوں کے شکار کا شوق ہوا۔انہوں نے اسے ایئر گن لے کر دے دی اب وہ نوجوان عصر کے بعد باہر نکلتا اور پرندوں کا شکار کرتا۔ وہ پرندوں کا شکار کرنے کے لیے نکلا اور اس نے شرے منہ میں ڈال لیے۔ وہ ایک ایک شرہ نکالتا اور ایئر گن کے اندر رکھ کر نشانہ باندھتا۔اللہ کی شان کہ ایک مرتبہ اس نے شرہ نکالنے کے لیے منہ کھولا تو ایک شرہ اس کی ہوا کی نال میں چلا گیا۔ اسے یہ تھوڑا عجیب تو لگا اور تکلیف بھی ہوئی، لیکن جب وہ اندر اتر گیا تو وہ مطمئن ہو گیا کہ اب یہ پیٹ میں چلا گیا ہے، یہ نکل جائے گا۔لیکن وہ پیٹ میں نہیں بلکہ پھیپھڑے میں گیا تھا، اور پھیپھڑا ہر وقت کھلتا اور بند ہوتا رہتا ہے۔ جب لوہے کی بنی ہوئی چیز وہاں پہنچی تو وہاں زخم ہونا شروع ہو گیا۔ اسے دس پندرہ دنوں کے بعد بخار ہونا شروع ہو گیا۔ڈاکٹروں نے دوائیاں دیں مگر بخار نہ اترا۔ ڈاکٹر حیران تھے کہ دوائی اثر کیوں نہیں کر رہی۔ بالآخر انہوں نے کہا کہ اس کا جنرل چیک اپ کروائیں۔ چنانچہ جب اس کا الٹرا ساؤنڈ کیا گیا تو پتہ چلا کہ اس کے پھیپھڑے کے اندر لوہے کی بنی ہوئی کوئی چیز ہے۔اب ڈاکٹروں نے آپریشن کروانے کو کہا۔آپریشن بھی ڈبل ہوگا۔ پہلے پیٹ کھولیں گے، پھر پھیپھڑے کو کاٹ کر اندر سے شرہ نکالیں گے۔ڈاکٹروں نے یہ بھی بتایا کہ اس کی کامیابی کے چانس بہت تھوڑے ہیں۔

چونکہ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اس لیے اس نے رونا شروع کر دیا کہ میرے بیٹے کی جان کو خطرہ ہے۔ چنانچہ اس نے کچھ اور ڈاکٹروں سے مشورہ کیا۔ ایک ڈاکٹر نے اسے بتایا کے جدہ میں کنگ عبد العزیز ہسپتال ہے، انہوں نے

اینڈ وگرافی ڈیپارٹمنٹ میں نئی نئی مشینیں منگوائی ہیں، آپ وہاں لے جائیں۔ چنانچہ یہ وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے مریض کو آپریشن تھیٹر میں لٹایا اور انہوں نے تار کی موٹائی کے برابر کوئی چیز ناک کے ذریعے سانس کی نالی میں داخل کی۔ اس تار کا سرا مکھی کے سر کے برابر موٹا تھا۔ اس مکھی کے سر کے برابر جگہ میں لائٹ بھی تھی اور وڈیو کیمرہ بھی تھا۔ وہ اسے اندر ڈالتے رہے اور سکرین پر اس کی تصویر دیکھتے رہے۔ جب انہوں نے اس کو اس دھاتی چیز (شرے) کے ساتھ ٹچ کر دیا تو پیچھے سے انہوں نے بٹن آن کر کے اسے مقناطیس بنا دیا۔ اب اس مقناطیسی دھاگے نے اسے پکڑ لیا۔ انہوں نے تین منٹ میں پھیپھڑے کے اندر پڑے ہوئے اس شرے کو نکال کر باہر میز پر رکھ دیا۔ یہ کیا چیز ہے؟..... یہ مادی علم ہے۔

ایک نمائش کا آنکھوں دیکھا حال:

مجھے 1984ء میں امریکہ جانے کا موقع ملا وہاں پر ایک کانفرنس ہوئی جس میں وہاں کی کمپنیوں کو اپنے اپنے سامان کی نمائش کرنا تھی۔ وہاں ہمارے ایک دوست تھے۔ انہوں نے کہا، حضرت! اگر آپ بھی وہ نمائش دیکھنا چاہیں تو میں آپ کا بھی کارڈ بنوالیتا ہوں، میں نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ انہوں نے انجینئر کی حیثیت سے میرا بھی کارڈ بنوا دیا۔ اس طرح میرے لیے بھی وہاں پہنچنا آسان ہو گیا۔

اس زمانے میں اس وضع قطع میں ہم وہاں جاتے تھے تو لوگ سمجھتے تھے کہ شاید یہ کسی ملک کے بادشاہ ہیں۔ چنانچہ لوگوں نے ہمیں متعدد جگہ پر روک کر پوچھا کہ یہ کس ملک کے بادشاہ ہیں۔ ہمارے دوست شوق میں ان کو کہہ دیتے تھے کہ یہ روحانیت کی دنیا کے بادشاہ ہیں۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ ''روحانیت'' کسی ملک کا نام ہے۔

جب ہم اندر گئے تو وہاں تو ایک نئی دنیا تھی۔ ہم نے وہاں ایک بندے کو دیکھا، وہ سکرین کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سڑک پر جتنی گاڑیاں چل رہی ہیں ہم ان

چلتی گاڑیوں کی ڈگی میں پڑے ہوئے سامان کی تصویر آپ کو دکھا سکتے ہیں..... یہ 1984ء کی بات ہے۔ سنی سنائی بات نہیں کہہ رہا بلکہ آپ بیتی بات کر رہا ہوں..... میں نے کہا، جی آپ مجھے دکھائیں۔ اس نے کہا کہ دیکھیں یہ ہمارا ہائی وے ہے اور اس میں یہ ٹریفک چل رہی ہے۔ آپ جس چلتی گاڑی پر انگلی رکھیں گے اس کی تصریر آپ کے سامنے آجائے گی۔ میں نے ایک سرخ رنگ کی گاڑی کے اوپر انگلی رکھی تو جیسے ایئرپورٹ پر سامان کی تصویر نکالتے ہیں اسی طرح اس گاڑی کے اندر پڑے ہوئے پورے سامان کی تصویر اس سکرین پر نظر آنے لگی..... یہ کیا چیز ہے؟..... یہ علم الابدان ہے۔

ہمارا زوال.....تاریخ کے جھروکوں سے:

مسلمانوں نے صلیبی جنگیں جیتیں اور میٹھی نیند سو گئے اور کفر یہ جنگیں ہار کر جاگ گیا۔ انہوں نے محنت کر کے اپنے آپ کو مضبوط کر لیا اور ہم زندگی کو عیش و آرام میں گذارنے میں لگے رہے۔ کفر جس زمانے میں فوجی اور عسکری لحاظ سے مضبوط ہو رہا تھا اس زمانے میں ہمارے ملک کے بادشاہ بہترین قسم کی عمارتیں بنا رہے تھے۔ ممتاز محل کی محبت میں تاج محل بن رہا تھا..... گلشن آراء بیگم کا باغ بن رہا تھا..... شالامار باغ بن رہا تھا..... شاہی قلعہ بن رہا تھا..... ہماری امت کے بڑے بڑی بڑی عمارتیں بنانے میں لگ گئے۔ عمارتوں نے کیا دینا تھا وقت بھی لگایا، پیسہ بھی لگایا، اور ہزاروں انسان بھی مصروف رہے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہم دفاع کے لحاظ سے کمزور ہو گئے اور کفر مضبوط ہو گیا۔ بالآخر کفر نے اپنی عیاری کے ذریعے یہاں پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے دو سو سال حکومت کی اور ہمیں مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ جب انہوں نے ہمیں تقسیم کر کے ایک دوسرے کا مدمقابل بنا دیا تو پھر واپس لوٹ گئے۔ آج ہم مدارس میں پڑھتے ہیں تو ہمارا بیشتر وقت ایک دوسرے کی تردید میں لگ جاتا ہے اب ہم اسلام

کے دفاعی نظام سے غافل ہو گئے ہیں۔

ہماری اور کفر کی مثال:

مادی طور پر ہم ان سے اتنا پیچھے رہ گئے ہیں کہ ہمارا ان سے مقابلہ ہی نہیں ہے۔ اگر ایک بچے کے ہاتھ میں پستول ہو اور اس کے سامنے کوئی کراٹے والا نوجوان ہو تو وہ اس سے نہیں ڈرتا۔ وہ کہتا ہے کہ میں اس کے پستول چلانے سے پہلے اس کو ایسی ہٹ لگاؤں گا کہ یہ پستول چلانے کے قابل ہی نہیں رہے گا۔ آج ہماری اور کفر کی مثال ایسی ہی ہے۔ ہم بچے ہیں اور کفر کراٹے کا ماہر ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں جب چاہوں گا اس کو ایسی کک لگاؤں گا کہ اس کا جبڑا ہی ٹوٹ جائے گا۔ ہمارے ساتھ یہی کچھ ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کے اٹھاون ملک ہیں جن میں چار سو سائنسی یونیورسٹیاں ہیں۔ جبکہ صرف جاپان میں چار ہزار یونیورسٹیاں ہیں۔ یہیں سے اندازہ کیجیے کہ کفر کے باقی ملکوں میں کتنی یونیورسٹیاں ہوں گی۔

جب ہم یونیورسٹی میں پڑھتے تھے تو ہماری یونیورسٹی میں تین ہزار طلباء ہو گئے۔ ہمارے وائس چانسلر کہتے تھے کہ یونیورسٹی تو طلباء سے بھر گئی ہے۔ پھر جب مجھے باہر ملک جانے کا موقع ملا تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک یونیورسٹی میں دس ہزار طلباء پڑھ رہے تھے۔ پھر ایک یونیورسٹی میں دیکھا کہ وہاں پندرہ ہزار طلباء تھے۔ پھر ایک اور یونیورسٹی میں پچیس ہزار طلباء دیکھے، پھر ایک اور یونیورسٹی میں پینتیس ہزار طلباء کو پڑھتے دیکھا، پھر ایک یونیورسٹی میں دیکھا کہ پچاس ہزار طلباء تھے۔ پھر ہم ایک یونیورسٹی میں گئے، اس میں پچھتر ہزار طلباء ایک وقت میں پڑھ رہے تھے۔

کفار میں مادی علم کا شوق:

ہمارے سکول اور کالج کی لیبارٹریز دن میں ایک یا دو گھنٹہ کے لیے استعمال ہوتی

ہیں اور پھر بند کر دی جاتی ہیں ..... اگر فجر سے پہلے کالج چلے جائیں تو وہاں الو بول رہے ہوتے ہیں اور اگر چھٹی کے بعد چلے جائیں تو کتے بھونک رہے ہوتے ہیں۔ یہ درمیان کے تین گھنٹے ہیں جب وہاں انسانوں کی شکلیں نظر آتی ہیں ورنہ وہاں کوئی بندہ ہی نظر نہیں آتا۔ ہماری یونیورسٹیوں میں تین گھنٹے پڑھائی ہوتی ہے..... جبکہ ہم نے باہر کے ملک میں دیکھا کہ وہاں جس یونیورسٹی میں پچھتر ہزار طلباء تھے وہاں پڑھائی تیئس گھنٹے ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنا برنامج بنایا ہوا ہے کہ یہ پیریڈ دن میں اتنے بجے، یہ شام میں اتنے بجے، یہ رات کو بارہ بجے، یہ ایک بجے، دو بجے، تین بجے، چار بجے، پانچ بجے، وہاں لوگ تیئس گھنٹے پڑھنے جاتے ہیں اور پڑھانے والے پڑھا رہے ہوتے ہیں۔ صرف ایک گھنٹہ کے لیے پوری یونیورسٹی بند کرتے ہیں اور اس ایک گھنٹہ میں لوگ مشینیں لے کر آجاتے ہیں اور پوری یونیورسٹی کی صفائی کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ تیئس گھنٹے اس عمارت کو استعمال کرتے ہیں ہمارا ان کے ساتھ کوئی مقابلہ ہے؟ ..... یہاں تین گھنٹے پڑھائی ہوتی ہے اور اکیس گھنٹے عمارت خالی پڑی رہتی ہے اور وہاں تیئیس گھنٹے عمارت استعمال ہوتی ہے اور ایک گھنٹہ صفائی کے لیے بند کر دی جاتی ہے۔ گویا کفر نے مادی علم کے شوق میں دن اور رات کے فرق کو ختم کر دیا ہے۔ جیسے ہمارے بزرگوں نے دین کے لیے دن اور رات کے فرق کو ختم کر دیا تھا اس طرح کفر نے دنیا کی خاطر وہی کام کر دکھایا، اس لیے وہاں پر مادی اور سائنسی ریسرچ ہو رہی ہے اور انہوں نے ایسے ایسے ہتھیار بنا لیے ہیں کہ آج مسلمان ان کو چھوٹے بچے کی طرح لگ رہا ہے۔

علم ایک طاقت ہے:

آپ نے سنا ہوگا کہ راستے کا جاننے والا اپنے لنگڑے گدھے کو بھی منزل پر پہنچا لیتا ہے اور جو راستہ نہ جانتا ہو اس کا تازہ دم گھوڑا بھی پیچھے کھڑا رہ جاتا ہے۔ تو

معلوم ہوا کہ علم کے اندر ایک طاقت ہے۔ چنانچہ آج دنیا کہتی ہے،

knowledge is power (علم ایک طاقت ہے)

یعنی اگر علم کتاب ہو تو بھی طاقت ہے اور اگر مادی علم ہو تو بھی طاقت ہے۔

علم کتاب کی طاقت:

علمِ کتاب کیسے طاقت بنی؟..... حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا، انہوں نے اپنے اراکین پارلیمنٹ سے کہا

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ

(النمل:38)

[اے وڈیرو! تم میں سے کون ہے جو ملکہ کے تخت کو مجھ تک پہنچائے اس سے پہلے کہ وہ مسلمان بن کر میرے سامنے آئے]

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ

(النمل:39)

[جنوں میں سے ایک بڑا جن کہنے لگا کہ میں اسے آپ تک پہنچاتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی مجلس سے کھڑے ہوں]

یا اس نے دوسرے لفظوں میں یہ کہا کہ میں اسے آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہلے لے آتا ہوں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اس طرح تو بڑی دیر لگے گی، مجھے اس سے بھی جلدی چاہیے۔ اب جن حیران ہوئے کہ اس سے زیادہ جلدی تو ہم لا ہی نہیں سکتے۔ جہاں جن حیران ہو رہے تھے وہاں آصف بن برخیا کھڑے ہو گئے۔ آصف بن برخیا کون تھے؟..... قرآن عظیم الشان نے پہلے ان کا تعارف کروایا اور کہا

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ

[بولا وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا]

کیا بولا؟.....کہا

اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (النمل:40)

[میں آپ کے سامنے اسے پہنچا دیتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی پلک جھپکیں]

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ (النمل:40)

[پھر جب اس کو اپنے پاس پڑا ہوا دیکھا تو کہنے لگا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے]

دیکھا یہ علم ہے کتاب کا کہ وہ کام جو جن بھی نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ وہ کام اپنے اولیاء کے ہاتھوں کروا دیتے ہیں۔

مادی علم کی طاقت:

یہ مادی علم بھی ایک طاقت ہے۔ مثال کے طور پر.....

(ا).....جاپانیوں نے ایک ہنر متعارف کروایا جس کا نام ''کراٹے'' ہے۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ اگر ایک دبلا پتلا لڑکا بھی کراٹے جانتا ہو تو وہ اچھے خاصے پہلوان کو زمین پر لٹا دیتا ہے۔ اس فن کا موجد جب بوڑھا ہو گیا اور بال سفید ہو گئے تو اس وقت اس نے بھینسے کے ساتھ فائٹنگ کا مقابلہ کیا..... وہ کہتا تھا کہ بندوں کے ساتھ کیا مقابلہ کرنا، یہ تو نازک نازک ہوتے ہیں لہٰذا میں بھینسے کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوں .....اس نے بھینسے کے ساتھ مقابلہ کیسے کیا؟

وہ بوڑھا اپنے سر پر سرخ پٹی باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ جو لڑنے والے بھینسے ہوتے ہیں وہ سرخ رنگ کو دیکھتے ہیں تو وہ اس بندے کے پیچھے بھاگتے ہیں اور اس کو زمین سے اچھال کر اس کی ہڈیاں توڑ دیتے ہیں۔ جب وہ آدمی کھڑا ہوا تو وہ بھینسا

بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا تو وہ تھوڑا سا ایک طرف ہٹ گیا اور جیسے ہی بھینسا آگے گزرنے لگا تو اس نے اپنے ہاتھ کو اس کے سینگ کے اوپر مارا تو بھینسے کا سینگ نکل کر گر گیا۔ اب بھینسا زخمی ہو گیا۔ زخمی بھینسے کو اور زیادہ غصہ آتا ہے۔ لہٰذا وہ چکر کاٹ کر دوبارہ زیادہ غصے کے ساتھ آیا۔ جب وہ بوڑھے کے قریب آیا تو وہ دوسری طرف کو مڑ گیا اور اب اس کے دوسرے سینگ پر اپنا ہاتھ مارا جس سے دوسرا سینگ بھی نیچے گر گیا۔ جب بھینسے کے دونوں سینگ ٹوٹ گئے اور خون بہنے لگا تو اب اس کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ جب وہ تیسری دفعہ آیا تو گویا اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اب کی بار جب بھینسا دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا تو پھر بھی اس کے سامنے سے بوڑھا ذرا ایک طرف کو ہٹا اور اس نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر پورے زور سے اپنا ہاتھ مارا جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ وہیں بیٹھ گیا اور اس کی جان نکل گئی۔ تین وار کر کے ایک بوڑھے نے ایک بھینسے کو مار دیا..... یہ کیا چیز تھی؟..... یہ ایک مادی علم کی طاقت تھی جس کے بل بوتے پر اس نے اس فن کا مظاہرہ کیا۔

(۲).....داؤ پیچ جاننے والا اگر وہ پتلا سا بھی ہو تو وہ موٹے بندے کو گرا کر مارتا ہے ..... مشہور ہے کہ محمد علی کلے جو بڑا باکسر تھا، اس کا ایک مکا معلوم نہیں کہ وہ کتنے ٹن کے وزن سے لگتا تھا۔ اس کے سامنے کوئی بندہ رِنگ میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ مکا مار کر بندے کے بتیس دانت باہر نکال دیتا تھا۔ گویا اس کا لوہے جیسا مکا تھا وہ دنیا کا چمپئن کہلاتا تھا۔

ایک مرتبہ اس کا مقابلہ جاپان کے ایک کھلاڑی سے ہوا، اس کا نام انوکی تھا۔ انوکی دبلا پتلا تھا اور یہ موٹا تازہ تھا۔ انوکی نے بارہ راؤنڈ محمد علی کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا۔ ادھر پوری دنیا کا چمپئن کھڑا ہے اور دوسری طرف دبلا پتلا آدمی ہے۔ مگر

انو کی داؤ ایسے جانتا تھا کہ اگر محمد علی اس کے قریب جاتا تو وہ اس کی ہڈی کو توڑ دیتا۔ اس نے اپنے فن کی وجہ سے دنیا کے چمپیئن کو بارہ راؤنڈ اپنے قریب بھی نہ آنے دیا۔

اس سے پتہ چلا کہ علم واقعی ایک ہتھیار ہے نبی ﷺ نے بھی یہی فرمایا

العلم سلاحی (علم میرا ہتھیار ہے)

قربان جائیں نبی ﷺ کی بصیرت پر کہ آپ ﷺ نے چودہ سال پہلے اس راز سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ اس وقت دنیا اس راز کو نہیں جانتی تھی خود نبی ﷺ نے علم کا استعمال اس دنیا میں فرمایا ہے۔

حصول علم کے ذرائع:

علم کو حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں۔

(۱) حواس خمسہ:

کچھ علم تو انسان حواسِ خمسہ سے حاصل کرتا ہے۔ مثلاً رنگوں کے فرق کا احساس تو اسے اپنی آنکھوں سے ہوتا ہے۔ اب جس بندے کے پاس آنکھوں کی نعمت نہیں اسے رنگوں کا اندازہ نہیں ہوسکتا، آپ اسے بٹھا کر پوچھیں کہ سامنے دیوار پر کتنے رنگ ہیں تو وہ آپ کو بتا نہیں سکے گا۔

(۲) عقل:

کچھ علم وہ ہے جو ہمیں حواس کے ذریعے نہیں مل سکتا، بلکہ عقل سے ملتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کمرے میں آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آپ کی چیزیں بکھری پڑی ہیں۔ آپ اپنی چیزوں کو اس حالت میں پڑے ہوئے دیکھ کر فیصلہ کر لیتے ہیں کہ میرے کمرے میں چوری ہوگئی ہے، حالانکہ ان میں سے کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے۔ ترتیب کے بدلنے سے آپ کی عقل نے یہ فیصلہ کیا کہ میری عدم موجودگی میں کوئی اس

کمرے میں آیا ہے تو یہ فیصلہ آپ سے کس نے کروایا؟ عقل نے کروایا۔

(۳) وحی الٰہی:

کچھ ایسا علم بھی ہے جو عقل سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر کس کام کے کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور کس کام کے کرنے سے ناراض ہوتے ہیں، عقل نہیں بتا سکتی۔ یہ علم انسان وحی الٰہی کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا فرمایا۔ اس علم کو علم الادیان کہتے ہیں۔ تو حواس خمسہ اور عقل سے علم الابدان اور وحی الٰہی سے علم الادیان نصیب ہوتا ہے۔

اصل علم:

آپ لوگ جو علم مدارس میں پڑھتے ہیں وہ علم الادیان ہے اور کالج یونیورسٹیوں میں جو علم پڑھایا جاتا ہے وہ علم الابدان ہے۔ اس کی اپنی افادیت ہے اور اس کی اپنی افادیت ہے۔ اس پر عمل کرنے سے انسان اللہ رب العزت کی ذات سے فائدے پا لیتا ہے اور اس علم کے حاصل کرنے سے انسان مادی چیزوں سے فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ شریعت نے علم الادیان کو علم الابدان پر غالب کیا اور اہم تر بنایا اور کہا کہ اگر تم نے دنیا کی لذتیں پا بھی لیں اور اپنے رب کو تم راضی نہ کر سکے تو پھر تمہیں دنیا میں آنے کا کیا فائدہ ہوا۔ اس لیے اصل علم، علم الادیان ہے۔

علم الابدان کی ضرورت واہمیت:

اب ایک نکتہ سمجھیں، اگر آپ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہیں تو آپ کے لیے علم الادیان کافی ہے۔ آپ اس پر عمل کر کے اپنے رب کو راضی کر لیں گے لیکن اگر آپ زمین میں خلافت کا نظام قائم کرنا چاہیں تو پھر آپ کو علم الابدان کی ضرورت پڑے گی۔ ورنہ کوئی آپ کو دنیا میں اللہ کا نظام قائم کرنے ہی نہیں دے گا..... نکتہ اچھی طرح

سمجھیں..... اگر آپ متقی بن کر، زاہد بن کر، ذاکر بن کر، شاغل بن کر اور سالک بن کر زندگی گذارنا چاہتے ہیں تو پھر علم الادیان کافی ہے اور اگر اللہ کا خلیفہ بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو پھر علم الادیان کے ساتھ ساتھ آپ کو علم الابدان کی بھی ضرورت پڑے گی۔ اگر وہ علم آپ کے پاس نہیں ہوگا تو آپ کمزور ہوں گے اور کفر کبھی آپ کو نظام خلافت قائم کرنے نہیں دے گا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ پھر آپ کبھی اسلام کا جھنڈا بلند نہیں کر سکیں گے۔ آپ کہیں گے آپ نے یہ بات کہاں سے نکال لی تو سنیے قرآن عظیم الشان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الانفال:۶۰)

[اور تمہارے اندر جتنی استطاعت ہے تم اپنے اندر قوت پیدا کرو]

یا اللہ! اس سے روحانی قوت مراد ہے یا مادی قوت مراد ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے آگے وضاحت فرما دی فرمایا،

مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (پلے ہوئے گھوڑوں میں سے)

یعنی تم گھوڑے پالو۔ تو گھوڑے پالنے سے ''مادی قوت'' مراد ہے

یا اللہ! کتنی مادی قوت حاصل کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا لیول بھی بتا دیا،

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال:۶۰)

[اللہ کا دشمن اور تمہارا دشمن تمہاری اس طاقت سے گھبرائے]

یعنی تم اتنے طاقت ور بن جاؤ کہ تمہارا دشمن تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنے پائے۔ دیکھیں ایک طریقہ تو یہ ہے کہ تم کہو کہ دیکھو جی وہ مجھے مارتا ہے۔ یہ تو بچوں والی بات ہے، تم اتنے کمزور ہی کیوں ہو کہ وہ تمہیں مارتا ہے۔ اگر تمہارے ہاتھ میں بھی کوئی قوت ہوتی اور تم ایک کی جگہ اسے دو لگا سکتے تو پھر وہ تمہیں مارتا ہی کیوں؟ آج ہم مسلمانوں کا رویہ اس بچے کی طرح ہے کہ دیکھو جی وہ ہمیں مارتا ہے۔ بھئی! کیا

تم نے اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا ہوا؟

خلفائے راشدین کا تابناک ماضی:

اس لیے آپ خلفائے راشدین کی زندگی کو دیکھیے وہ اپنے دور کے بہترین مومن تھے اور بہترین مجاہد بھی تھے..... بیت المال کا سلسلہ قائم ہو رہا ہے..... پولیس کا نظام قائم ہو رہا ہے..... پُلیں بن رہی ہیں..... بند بنا کر بارش کے پانی کو زراعت کے لیے محفوظ کیا جا رہا ہے..... اپنی اقتصادیات کو اتنا بہتر بنالیا کہ پورے معاشرے میں زکوۃ کا کوئی مستحق ملتا ہی نہیں تھا..... اللہ کے قانون کو اتنا نافذ کر دیا کہ یمن سے لے کر مدینہ تک اکیلی عورت سفر کرتی تھی اور اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا کوئی نہ تھا ..... یہ نظام خلافت تھا۔

مال پر علم کی فضیلت:

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس نے عرض کیا، حضرت! کچھ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ علم حاصل کرو اور کچھ کہتے ہیں کہ مال حاصل کرو، آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کس محنت کو اختیار کروں؟ فرمایا، تم علم حاصل کرو۔ پوچھا، حضرت! میں دوسروں کو کس طرح مطمئن کروں؟ انہوں نے فرمایا علم مال سے کئی وجوہات کی بنا پر افضل ہے۔ فرمایا،

..... مال قارون اور فرعون کی میراث ہے اور علم انبیاء کرم علیہم السلام کی میراث ہے

..... مال کے حصول سے انسان کے حاسد زیادہ ہو جاتے ہیں اور علم کے حصول سے انسان کے معتقد اور دوست زیادہ ہو جاتے ہیں۔

..... مال کی چوری سے کبھی بھی امن نہیں ہے۔ ہر وقت چوری کا خطرہ رہتا ہے جبکہ علم وہ نعمت ہے جس کو چوری کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

..... مال انسان کی تجوری میں پڑا ہوتا ہے، ہر وقت ساتھ نہیں ہوتا (جس کا بڑا بینک بیلنس ہو راستے میں اس کی جیب سے پیسے گر جائیں تو اسے بھی لوگوں سے مانگنا پڑے گا اگرچہ کروڑ پتی ہی سہی) لیکن علم انسان سے جدا نہیں ہوتا۔ یہ وہ نعمت ہے جو ہر وقت انسان کے سینے کے اندر موجود رہتی ہے۔

..... مال جتنا پرانا ہوتا ہے اس کی قیمت گھٹتی چلی جاتی ہے اور علم جتنا پرانا ہوتا جاتا ہے اس کی قیمت بڑھتی چلی جاتی ہے۔

..... مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم خرچ کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔

..... مال کی محبت سینے میں ظلمت پیدا کرتی ہے اور علم کی محبت سینے میں نور پیدا کرتی ہے۔

..... مال کی حفاظت انسان کو کرنی پڑتی ہے اور علم انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

..... کوئی بھی آدمی مال کے ذریعے علم نہیں کما سکتا (اگر مال سے علم کما سکتے تو دنیا کے تمام صنعت کار عالم ہوتے) جبکہ علم کے ذریعے انسان مال کو بھی حاصل کر سکتا ہے۔

..... مال کی کثرت کی بنا پر فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کر دیا جبکہ علم کی کثرت کی بنا پر نبی ﷺ نے فرمایا:

ما عبدناك حق عبادتك ما عرفناك حق معرفتك ،

تو مال سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور علم حقیقی کی وجہ سے تواضع پیدا ہوتی ہے۔

انہی وجوہات کی بنا پر علم مال سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

حال پر علم کی فضیلت:

بعض صوفیوں کے نزدیک حال بڑا اہم ہوتا ہے وہ اس کو علم سے بھی اچھا سمجھتے

ہیں۔ یاد رکھیں کہ جس طرح علم مال پر فضیلت رکھتا ہے اس طرح علم انسان کے حال پر بھی فضیلت رکھتا ہے۔ ذرا توجہ فرمایئے:

☆ ..... علم حاکم ہے اور حال اس کا محکوم ہے،

☆ ..... علم ہادی ہے اور حال اس کے تابع،

☆ ..... علم امام ہے اور حال اس کا مامموم ہے،

☆ ..... علم کا دائرہ دنیا اور آخرت پر محیط ہے اور حال کا دائرہ چھ فٹ کے انسان پر محیط ہے۔

اب بتایئے کہ فضیلت کس کو حاصل ہے؟ علم کو حال پر فضیلت حاصل ہے۔

مال کے سوال پر تین آدمیوں کی بخشش:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے نے روٹی کا سوال کیا اس کا سوال پورا کرنے پر اللہ تعالیٰ تین بندوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

۱۔ مال کمانے والے کی مغفرت

۲۔ روٹی پکانے والے کی مغفرت اور

۳۔ روٹی کو سائل تک پہنچانے والے کی مغفرت

علم کے سوال پر تین آدمیوں کی بخشش:

اور اگر کسی نے اپنے استاد سے علم سے متعلقہ سوال پوچھا مثلاً حضرت! آپ مجھے تیمّم کے بارے میں مسئلہ سمجھا دیجیے اور اگر استاد نے اس کا جواب دے دیا تو روایت میں آیا ہے کہ علمی سوال پوچھنے پر اور جواب دینے پر چار بندوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے

۱۔ سوال پوچھنے والے کی مغفرت،

۲۔جواب دینے والے کی مغفرت،

۳۔ساتھ بیٹھنے والے ہم جماعت طلباء کی مغفرت،

۴۔وہ معاونین جن کے تعاون سے یہ جماعت کام کر رہی ہے اللہ تعالیٰ ان گھر بیٹھے ہوئے معاونین کی بھی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

کتے کے علم کی قدر:

علم دین کی بہت فضیلت ہے۔آپ جانتے ہیں کہ کتا نجس جانور ہے۔اگر وہ کسی چیز کو منہ یا اپنی لعاب لگا دے تو وہ چیز ناپاک ہو جاتی ہے۔لیکن اگر کوئی انسان اس نجس جانور کو شکار کرنا سکھا دے اور وہ کتا شکار پکڑ کر لائے تو اللہ تعالیٰ علم سیکھنے کی وجہ سے اس نجس جانور کے پکڑے ہوئے شکار کو بھی انسان کے لیے حلال فرما دیتے ہیں۔ اگر کتے جیسا نجس جانور علم حاصل کر لے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس علم کی بھی قدر ہے اور اگر کوئی انسان اپنے شوق اور محبت کی بناء پر علم پائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کتنی قدر ہوگی۔

علم کی پانچ اقسام

علماء نے لکھا ہے کہ علم کی پانچ اقسام ہیں

۱).....علم الاحکام:

یہ علم انسان کے عمل اور اس کی فرع کے متعلق ہے۔اس کو تمام علوم پر اوّلیت حاصل ہے کیونکہ جن وانس کی تخلیق کا بنیادی مقصد احکامات خداوندی کی اطاعت و فرمانبرداری ہے اور بقیہ تمام علوم اس مقصد کی تکمیل کے لیے معاون کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس علم کی دنیا کے بادشاہ ''فقہا'' ہیں۔

۲).....علم المخاصمہ:

علم المخاصمہ سے مراد ایسے علوم ہیں جن کے ذریعے حق پر ہونے والے ناجائز شکوک وشبہات اور نازیبا جملوں کا جواب دیا جاسکے۔اس علم میں کام کرنے والے علماء کا نام ''متکلمین'' ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مناظرے کے ذریعے حق کو واضح کرتے ہیں اور باطل کو سرنگوں ہو جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

۳).....علم التذکیر بایام اللہ:

یہ مجرموں اور نافرمانوں پر نزولِ عذاب اور فرمانبرداروں پر عنایات وانعامات کی بارش کے واقعات کا علم ہے قرآن مجید میں ہے:

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ [اوران کو خدا کے دن یاد دلاؤ]

علم تذکیر بایام اللہ کے مصداق ''اہل سیَر'' ہیں یعنی وہ علماء جو سیرت کے عنوان سے کام کرتے ہیں اس کے تین حصے ہیں:

(الف).....نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات مبارک ،اس میں آپ ﷺ کی ذات،صفات،اور زندگی کے واقعات آتے ہیں۔

(ب).....علم اسماء الرجال: وہ لوگ جنہوں نے احادیث کو نبی ﷺ سے آگے نقل کیا،وہ کس معیار کے لوگ ہیں قابل اعتماد ہیں کے نہیں اس کے لیے محدثین نے اسماء الرجال کا فن نکالا اور جرح وتعدیل کے قوانین بنائے۔پھر انہوں نے ہر بندے کو اس کسوٹی پر ناپا تولا اور جو حدیث کی روایت کرنے کے قابل تھا اس کو کھڑا کر دیا اور جو اس قابل نہیں تھا اس پر جرح لگ گئی۔اسماء الرجال کی کتب میں پانچ لاکھ انسانوں کے حالاتِ زندگی محفوظ ہیں۔پوری دنیا میں کوئی ایسا دین نہیں ہے جس میں پانچ لاکھ انسانوں کی زندگیوں کے حالات کو قلمبند کیا

ہو۔ اور وہ حالات محض قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ پکی اور ٹھوس باتیں ہیں۔ جو احادیث آپ پڑھتے ہیں، ان کے تمام رواۃ کے حالاتِ زندگی ان کتب میں موجود ہیں۔ جب صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے کتاب کو ترتیب دیا تو انہوں نے اس کے روایوں پر مستقل ایک کتاب لکھی اور ان راویوں میں انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ کا نام بھی لکھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اگرچہ ہم نے مشکوۃ شریف میں ان سے کوئی حدیث نقل نہیں کی مگر ان کا علمی پایہ اتنا بڑا تھا کہ ہم ان کے تذکرے سے اپنی کتاب میں برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

(ج).....طبقات: وہ کتب جن میں ایک ہی جیسے فن والے، علم والے، عمر والے یا یکساں صفت رکھنے والے لوگوں کو اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ علماء نے طبقاتِ حنفیہ، طبقاتِ مالکیہ، طبقاتِ شافعیہ اور طبقاتِ حنبلیہ نامی کتب لکھیں۔ ان کتب میں انہوں نے اپنے اپنے مذاہب کے علماء کا تذکرہ کیا ہے۔ آج تک کسی محدث نے ''طبقات غیر مقلدین'' نہیں لکھی اسلیے کہ یہ طبقہ اس زمانے میں موجود ہی نہیں تھا۔

(۴).....علم التذکیر بالآء اللہ:

یعنی وہ علم جس کے ذریعے احسانات وعنایات ربانی کی یاددہانی کرائی جائے اور قلوب میں اطاعت کا جذبہ اور میلان پیدا کیا جائے۔ اس علم میں کام کرنے والے لوگوں کا نام ''واعظین'' ہے یہ ایسے واعظین ہوتے ہیں جو لوگوں کے سامنے اللہ تعالی کی نعمتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ آپ سورۃ رحمٰن پڑھ کر دیکھیے آپ کو جگہ جگہ پر.....فبای الاء ربکما تکذبن.....والی آیت ملے گی۔

ایک مرتبہ میرے بیٹے نے مجھ سے سوال پوچھا، ابا جان! جنت تو واقعی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور اس کے تذکرے کے بعد سورۃ رحمٰن میں جو..... فبای الاء ربکما تکذبٰن ..... والی آیت آتی ہے، وہ تو سمجھ میں آتی ہے کہ ایک نعمت کے تذکرے کے بعد یہ آیت آئی ہے، لیکن اسی سورۃ میں جہنم کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا..... فبای الاء ربکما تکذبٰن ..... مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ جہنم کیسے نعمت بن گئی۔

میں نے اسے سمجھایا، بیٹا! جہنم بھی نعمت ہے۔ اگر ظالم کو جہنم کا خوف نہ ہوتا تو وہ دنیا میں اپنے ظلم سے کبھی نہ ہٹتا، اس کے ظلم کو جہنم نے روکا ہوا ہے۔ دیکھیں کہ عورت کو اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کا حکم دیا گیا ایک آدمی موقع کی تلاش میں تھا اور اسے موقع مل بھی گیا وہ اگر چاہے تو اس عورت کی عزت کو داغدار کر سکتا ہے لیکن وہ جہنم سے ڈرتا ہے اور بچ جاتا ہے اس لحاظ سے جہنم ایک نعمت ہے۔

ایک اور مثال سن لیجیے..... ہمیشہ میٹھی چاپی کرنا ہی نعمت نہیں ہوتا۔ اگر پھوڑا بن جائے اور اندر گندا مواد جمع ہو جائے اور اس سے بڑی تکلیف ہو تو پھر ڈاکٹر اسے چھری یعنی نشتر سے چیرتا ہے۔ وہ دیکھنے میں تو چھری چلا رہا ہوتا ہے لیکن ٹھیک ہونے کے بعد اسی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کبھی کبھی چھری چلانا بھی بندے کے لیے نعمت ثابت ہوتا ہے۔

(۵) علم التذکیر بالموت:

یہ موت اور مابعد الموت کے حالات، حساب و کتاب کے مراحل، جنت و دوزخ کے تذکرے وغیرہ کا علم ہے۔ اس علم کے مصداق مشائخ امت ہیں ان مشائخ کے بیانات میں کہیں نہ کہیں موت کا تذکرہ ضرور آتا ہے۔

انبیائے کرام اور جہاد:

اللہ تعالیٰ نے دو گذشتہ انبیائے کرام کے جہاد اور قتال کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا۔

(۱) ایک تو حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ۔ جب ان کا مقابلہ جالوت سے ہوا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ [ہلاک کیا داؤد نے جالوت کو]

(۲) دوسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ۔ ان کی قوم کو بھی قتال کا حکم ملا۔ لیکن وہ قوم نعمتوں کی پلی ہوئی تھی اور صاحبزادے بنے ہوئے تھے۔ نحن ابناء الله واحباء ہ ..... کا یہی مطلب ہے۔ وہ اپنے آپ کو صاحبزادے سمجھتے تھے لیکن حقیقت میں حرام زادے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا،

اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوْكًا

[تم اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کرو، اللہ نے تم میں سے انبیاء بھی بھیجے اور تم میں سے بادشاہ بھی پیدا کیے]

اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ تم فلاں شہر میں داخل ہو جاؤ۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا تو قوم کہنے لگی، اے موسیٰ علیہ السلام! ہم اس شہر میں داخل نہیں ہوتے ..... حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ..... جب تک کہ دشمن اس میں سے نکل نہ جائیں۔ اس جواب پر ان کو موسیٰ علیہ السلام نے سمجھایا کہ اللہ کے بندو! تم قدم تو اٹھاؤ تمہیں فتح ملے گی لیکن انہوں نے جواب میں کہا

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (المائدہ: ۲۴)

[آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں ہم یہیں بیٹھے رہیں گے]

ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیدنا رسول ﷺ کو یہ شان عطا فرمائی کہ انہوں نے اپنی زندگی میں باطل کے پرخچے اڑائے۔ آپ ﷺ نبی رحمت تھے اور آپ ﷺ کا باطل کو مٹانا بھی رحمت تھا۔

ہیروز کی نرسری:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جو لوگ تھے وہ لکھے پڑھے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو بھی امی کہا اور..... اُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا .....جن کے پاس آئے وہ بھی ان پڑھ تھے۔ ان پڑھوں نے جب کلمہ پڑھا تو پھر وہ ساری زندگی نبی علیہ السلام سے جدا نہیں ہوئے۔ ایک انگریز تاریخ دان ''گبن'' نبی ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مشرکین کے حالات لکھتا ہے کہ

At that time Arabia was the most degraded nation of the world

(اس وقت عرب کے لوگ دنیا کی ایک پسماندہ ترین قوم تھے)

اور جب نبی ﷺ نے پردہ فرمایا تو اس وقت کے بارے میں اسی رائٹر نے لکھا:

Right after the death of Muhammad ﷺ the land of Arabia became the nursary of the Heroes.

[حضرت محمد ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد عرب کی سرزمین ہیروز کی نرسری بن گئی]

جیسے پھولوں کی نرسری ہوتی ہے ایسے ہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہیروز کی نرسری تیار کر دی۔ جو صحابی رضی اللہ عنہ جس میدان میں بڑھا وہ ہیرو بن گیا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے یہ نرسری کیسے تیار کی؟ کیا باہر سے جا کر کوئی علم حاصل کیا؟ اس وقت

قیصر وکسریٰ کی سپر پاورز تھیں ۔کوئی بندہ وہاں اقتصادیات کا علم حاصل کرنے نہیں گیا۔کوئی وہاں سے حکومت چلانے کا علم حاصل کرنے نہیں گیا..... البتہ ایک روایت ملتی ہے کہ جب سریانی زبان میں خط لکھوانے ہوتے تو مشکل پیش آتی تھی۔عرب لوگ یہ زبان نہیں جانتے تھے چنانچہ ایک صحابی نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی !اگر مجھے اجازت ہوتو میں جا کر وہ زبان سیکھ کر آتا ہوں ، نبی ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی۔چنانچہ وہ گئے اور چند مہینوں میں وہ زبان سیکھ کر واپس آ گئے .....صرف زبان سیکھنے کے لیے گئے اور کچھ سیکھنے کے لیے قطعاً نہ گئے۔

پرکشش نظام خلافت:

پھر نبی ﷺ کے بعد خلافتِ راشدہ کا ایسا نظام قائم ہوا کہ انہوں نے دنیا میں عدل وانصاف کے پرچم لہرا دیئے۔ایک صاحب کہنے لگے،تم اس نظام کے پیچھے چلتے ہو جو صرف چالیس سال رہا، جبکہ دنیا میں کئی ایسے نظام بھی آئے جو تین چار سو سال تک بھی رہے ، پھر تم چالیس سال تک رہنے والے نظام کے پیچھے کیوں بھاگتے ہو؟.....میں نے انہیں کہا کہ جو نظام چار سو سال رہا' جب گیا تو دنیا میں اسے یاد کرنے والا کوئی نہیں تھا لیکن یہ نظام اگرچہ دنیا میں چالیس سال رہا مگر لوگوں کے دلوں میں ایسے نقوش چھوڑ گیا کہ جب کسی انسان پر کہیں ظلم ہوتا ہے تو اسے ،صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت یاد آتی ہے..... فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت یاد آتی ہے.....عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حیا یاد آتا ہے.....علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شجاعت یاد آتی ہے.....وہ ایسا نظام تھا کہ آج بھی دلوں کو گدگدا دیتا ہے اور آج بھی دنیا کہتی ہے کہ ایسا نظام قائم کرنا چاہیے۔یہ علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی صحبت میں بیٹھ کر حاصل کیا۔گویا نبی ﷺ نے صحابہ کو ایسا بنایا کہ ان کے اندر مومن کی صفات بھی تھیں اور وقت کا خلیفہ بن کر زندگی گذارنے کی صفات بھی موجود تھیں۔

ایک عہد آفرین انقلاب

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْعِلْمُ سَلَاحِیْ (علم میرا ہتھیار ہے)

اس حدیث کے اندر کئی رموز پوشیدہ ہیں اب آپ کے سامنے ان کو کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ آپ کو پتہ چل جائے کہ نبی ﷺ نے کیوں فرمایا کہ علم میرا ہتھیار ہے .....بعض اوقات انسان ظاہری مادی قوت کی وجہ سے دوسرے پر غالب نہیں آسکتا، لیکن اپنی پلاننگ، علم اور ترتیب کی بناء پر کمزور بھی قوی بندے پر غالب آجایا کرتا ہے۔ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سب نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا، جسے ''انقلاب محمدی'' کہتے ہیں۔

یہ انقلاب پوری دنیا میں پھیلا مگر آپ حیران ہوں گے کہ یہ انقلاب.....کم سے کم وسائل کے ساتھ.....کم سے کم وقت میں .....اور کم سے کم نقصان کے ساتھ پیدا ہو گیا۔ یہ تینوں نکتے یاد رکھنا' آپ کے کام آئیں گے۔ یہ ہمارا چیلنج ہے کہ کم سے کم وسائل کے ساتھ، کم سے کم وقت میں اور کم سے کم نقصان کے ساتھ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک ایسا انقلاب برپا کر دیا کہ ایسا انقلاب دنیا کی کوئی حکومت بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ ہم نے کافروں کے ساتھ بات چیت میں یہ نکتہ کھولا اور کہا کہ ہمارا یہ اعلان ہے کہ پوری تاریخ انسانیت میں تم ایسا کوئی انقلاب نہیں دکھا سکتے۔

☆.....وسائل کی کتنی کمی تھی؟.....یہ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کے پاس سواریاں نہیں ہوتی تھیں۔

- ایک معرکہ میں پورے لشکر کے پاس صرف دو تلواریں تھیں۔
- وقت کا خلیفہ اپنے غلام کے ساتھ سفر کرتا ہے تو ایک منزل خلیفہ اونٹ پر سوار ہوتا

ہے اور دوسری منزل تک غلام اونٹ پر بیٹھتا ہے۔

- کھانے پینے کی اشیاء بھی کم تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک غزوہ کے لیے بھیجا۔ اس پورے لشکر کے پاس فقط چند بوریاں کھجوروں کی تھیں اور لشکر کے ہر بندے کو ایک کھجور روزانہ کھانے کو ملتی تھی۔ جب ایک صحابی کے بیٹے نے اپنے والد سے یہ سنا تو پوچھا، ابا جان! کیا ایک آدمی کو سارے دن میں ایک کھجور ملتی تھی؟ انہوں نے جواب دیا، بیٹا! اس ایک کھجور کی اہمیت کا پتہ اس وقت چلا جب وہ بھی ملنا بند ہوگئی۔
- پانی کی اتنی کمی ہوتی تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم جانوروں کو ذبح کر کے ان کی آنکھوں کے ساتھ جو نمی ہوتی تھی اس کے ساتھ منہ کی خشکی دور کیا کرتے تھے۔ ان کی آنکھیں منہ میں ڈال لیا کرتے تھے اور ان کی نمی منہ میں آجاتی تھی..... اللہ اکبر!!!..... کتنی شدت کی پیاس ہوگی۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے منافقین کہتے تھے..... **لا تنفروا فی الحرب.**

اس وقت وسائل کی اتنی کمی تھی اور آج دنیا کی فوجیں کہتی ہیں کہ ہمارے مورچے بھی ایئر کنڈیشنڈ ہونے چاہئیں۔

☆..... وقت کی کتنی کمی تھی؟..... اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اس وقت کے بعد دنیا سے پردہ فرمانے تک آپ کی عمر مبارک کے دس سال گزرے۔ نبوت کی زندگی تیئیس سال تھی۔ تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گزرے اور دس سال مدینہ منورہ میں۔ اب دس سالوں میں پوری دنیا میں انقلاب برپا کر دینا تو بہت ہی مشکل کام ہے۔ ہمارا یہ ملک کلمہ کے نام پر بنا۔ نعرہ بھی یہی تھا کہ..... پاکستان کا مطلب کیا؟..... **لا الہ الا اللہ** لیکن اب تک ساٹھ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ابھی تک اس میں اسلام کا نفاذ نہیں ہوا۔

☆.....اس انقلابِ محمدی ﷺ میں نقصان کتنا ہوا؟.....غور کیجیے کہ آج ایک مسلمان ملک پر کافروں نے حملہ کیا اور اس دوران میں لاکھوں مردوں، عورتوں اور بچوں کو مار ڈالا گیا۔ اس طرح دوسرے ملک میں بھی لاکھوں بندے مرے.....لیکن جو انقلاب نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے برپا کیا تو آپ ﷺ کی زندگی میں جتنے غزوات پیش آئے، ان تمام غزوات میں تقریباً 1050 انسانوں کو موت آئی جن میں سے ( ) کافر تھے اور ( ) مسلمان تھے۔ تو اتنے کم مسلمانوں کی جان کی قربانی دے کر پوری دنیا میں اتنا بڑا نظام قائم کر دینا، انقلابِ محمدی ﷺ کا حسن ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس انقلابِ محمدی ﷺ میں اتنا کم نقصان کیوں ہوا؟ .....اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ایسی حکمت عملی عطا فرمائی تھی کہ آپ ﷺ کم سے کم نقصان کے ساتھ دشمن پر فتح اور غلبہ پا لیتے تھے۔ یہی وہ علم تھا جس کے بارے میں نبی ﷺ نے سلاحی (ہتھیار) کا لفظ استعمال فرمایا۔

نبی عِ رحمت ﷺ کی جنگی حکمت عملی

نبی ﷺ کے مبارک دور میں دشمنوں کے ساتھ جو غزوات پیش آئے ان میں آپ ﷺ کیسی حکمت عملی کا مظاہرہ فرماتے تھے اس کی چند مثالیں سن لیجیے

(۱) تیاری:

اللہ کے نبی ﷺ غزوات کے سلسلہ میں چند کام سرانجام دیا کرتے تھے ان میں سے پہلے کام کا نام ''تیاری'' ہے۔ جو بندہ بھی کلمہ پڑھتا تھا نبی ﷺ اس کی ایسی تربیت فرماتے تھے کہ ہر بندہ خواہ وہ صحتمند ہوتا، بیمار ہوتا، بینا ہوتا یا نابینا ہوتا، وہ دین اسلام کا مجاہد بن جاتا تھا۔ گویا جتنے کلمہ گو تھے اتنے ہی مجاہدین تھے۔ یعنی آپ

ﷺ لوگوں کی نفسیات کو اتنا سمجھتے تھے اور آپ کے پیغام کے اندر اتنی قوت تھی کہ کلمہ پڑھنے والا ہر بندہ دینِ اسلام کا داعی بن جاتا تھا۔ آج پارٹی کے آدھے لوگ کام کر رہے ہوتے ہیں اور باقی پارٹی منا رہے ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ کے محبوب ﷺ کی دعوت کے اندر ایسی کشش اور مقناطیسیت تھی کہ ہر کلمہ گو بندہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا تھا۔ مثال کے طور پر.....

⊙ پاؤں سے معذور ایک صحابی نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ مجھے احد کے معرکہ میں جانے اجازت دے دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، آپ کے چار بیٹے جہاد میں شریک ہو رہے ہیں آپ معذور ہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ گھر میں آرام کر لیں۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی! میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں چلا جاؤں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو جہاد میں جانے کی اجازت دے دی.....جس قوم کے معذوروں کا یہ حال ہو، پھر ان کے صحتمندوں کا کیا حال ہوگا۔

⊙ چھوٹے چھوٹے دو بچے پنجوں کے بل کھڑے ہیں تا کہ کہیں انکار نہ کر دیا جائے۔ ایک کو منع کر دیا جاتا ہے کہ تو بہت چھوٹا ہے۔ اس نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ میری اس دوسرے لڑکے سے کشتی کروا لیجیے، اگر میں اس کو پچھاڑ دوں تو مجھے بھی اجازت دے دیجیے۔ فرمایا، بہت اچھا۔ جب کشتی لڑنے کا وقت آیا تو چھوٹے نے دوسرے کو اشارے سے کہا کہ آپ کو تو اجازت مل گئی ہے، اب اگر آپ گر جائیں گے تو مجھے بھی اجازت مل جائے گی۔ چھوٹے کا اشارہ دیکھ کر بڑے نے تھوڑی دیر کے لیے اس کے ساتھ پنجہ آزمائی کی اور خود ہی گر گیا، چھوٹا اس کے سینے پر بیٹھ گیا۔ اب چھوٹے نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے اسے گرا لیا ہے۔ اب اللہ کے نبی ﷺ نے دونوں کو جہاد کی اجازت دے دی .....ارے! جس قوم

کے بچوں کا یہ حال ہو، پھر اس قوم کے جوانوں کا کیا عالم ہوگا۔

⊙ نبی ﷺ نے ایک یہودی کا نام لے کر فرمایا کہ اس بد بخت کو کون قتل کرے گا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے نام پیش کیے۔ ایک نابینا صحابی تھے۔ انہوں نے بھی کہا کہ میں اس کو قتل کروں گا۔ وہ نابینا صحابی گئے اور انہوں نے کفر کے اس امام کو قتل کر دیا..... جس قوم کے نابینا لوگوں کا یہ حال ہو اس قوم کے بینا لوگوں کا کیا حال ہوگا..... تو معلوم ہوا کہ معاشرے کے ہر ہر فرد کو اللہ کے نبی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تیار کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (صف:۴)

(جیسے سیسہ پلائی دیوار ہوتی ہے)

⊙ جب بدر کے لیے روانگی ہوئی تو نبی ﷺ نے سب سے پہلے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا صحابی تھے ان کو مدینے کا انچارج مقرر فرمایا۔ یعنی اگر صحتمند میدان جہاد کے لیے نکلے تو معذوروں کو بھی کسی نہ کسی کام پر لگا دیا۔ حالانکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی مدینہ میں موجود تھے مگر ان کی اہلیہ بیمار تھیں اور انہیں تیمار داری کے لیے خاوند کی ہر وقت ضرورت تھی۔ ان کی موجودگی کے باوجود نبی ﷺ نے ابن مکتوم رضی اللہ عنہ مدینے کا نگران متعین فرمایا۔ بعد میں پھر ابولبابہ کو نگران متعین فرمایا۔ یہ نبی ﷺ کی حکمت عملی کا سب سے پہلا پوائنٹ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نامساعد حالات سے نمٹنے کے لیے ہر وقت کے لیے تیار کر دیا تھا۔

(۲) دشمن کے بارے میں معلومات

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی دوسری حکمت عملی یہ تھی کہ آپ ﷺ دشمن کے بارے میں خوب معلومات رکھتے تھے

مثال کے طور پر....

⊙ ہجرت کے دو سال بعد تک سیدنا عباس رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رہے اور ان کے ذریعے نبی علیہ السلام کو روئے سائے مکہ کے بارے میں پتہ چلتا رہا۔

⊙ انصارِ مدینہ آزادی سے مکہ مکرمہ آتے جاتے تھے، جب کبھی وہ تجارت کی نیت سے مکہ مکرمہ جاتے تو واپسی پر نبی علیہ السلام ان سے وہاں کے حالات دریافت کرتے تھے۔

⊙ نبی ﷺ نے میدان بدر میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو پہلے بھیجا اور فرمایا کہ تم پہلے جا کر کفار کے حالات معلوم کر کے آؤ اور ہمیں بتاؤ کہ وہ اس وقت کس حال میں ہیں۔

⊙ نبی ﷺ نے بدر کی لڑائی سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چھوٹے چھوٹے گروپ بنا کر انہیں ساحلِ سمندر کے مختلف راستوں پر فوجی اہمیت کے مقامات معلوم کرنے کے لیے بھیجا اور پھر ان کی فراہم کردہ معلومات پر نبی علیہ السلام نے پوری پلاننگ کی۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معلومات فراہم کیں کہ راستے کیسے ہیں، کنوئیں کہاں موجود ہیں، کہاں پانی موجود نہیں، لشکر کس راستے سے جا سکتا ہے اور کس راستے سے نہیں جا سکتا۔

⊙ اللہ کے محبوب ﷺ نے حضرت معبد رضی اللہ عنہ کو حمراء الاسد میں، حضرت اوس رضی اللہ عنہ کو ذی طوٰی میں، بشر بن سعد کو عمرۃ القضاء کے موقع پر ظہران میں، سہیل بن نویرہ کو خیبر میں، انس بن مرثد کو اوطاس میں اور عبداللہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو بنو ہوازن میں معلومات کے مشن پر روانہ فرمایا..... آج کی دنیا ایسے مشن پر روانہ ہونے والوں کو کمانڈوز کہتی ہے۔ یہ جا کر اندر کی معلومات لانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ جیسے پولیس والے جاسوسی کرتے ہیں اسی طرح یہ لوگ معلومات بھی لے آتے ہیں اور موقع پا کر وہاں فوجی کارروائی بھی کرتے ہیں۔

⊙ نبی علیہ السلام بعض قبائل کو اپنا حلیف بنا لیتے تھے کہ ہم اور آپ آپس میں جنگ نہیں کریں گے اور جب جنگ نہ کرنے کی بات طے پا جاتی تھی تو ان لوگوں سے بھی دشمنوں کی معلومات حاصل کیا کرتے تھے۔

⊙ نبی علیہ السلام نے احد کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجے ہوئے خط کے ذریعے کفر کے لشکر کی معلومات حاصل کیں۔

⊙ اللہ کے نبی علیہ السلام کبھی کبھی ان معلومات کی تصدیق بھی کرواتے تھے۔ چنانچہ اس خط کے آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت مونس رضی اللہ عنہ جو دونوں بھائی تھے، کو بھیجا کہ تم ان معلومات کی تصدیق کر کے مجھے بتاؤ۔ انہوں نے جا کر ان معلومات کی تصدیق کر دی۔

⊙ جب غزوۂ بدر کے لیے گئے تو نبی علیہ السلام کو ایک بوڑھا آدمی مل گیا..... فارسی زبان میں بوڑھے آدمی کو ''مرد پیر'' کہتے ہیں۔

ابھی میری شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت میرے پیر و مرشد میرے بارے میں مجمع میں فرماتے تھے کہ اسے تم جوان سمجھتے ہو اور میں اسے بوڑھا سمجھتا ہوں۔ تو ہم تو ابھی شادی شدہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس وقت کے بوڑھے ہیں، بعد میں پھر فرمایا کرتے تھے کہ اس کا جسم جوانوں والا ہے لیکن اس کا دماغ بوڑھوں والا ہے.....

تو نبی علیہ السلام کو ایک بوڑھا مل گیا۔ بوڑھوں سے کوئی بات اگلوانی بڑی مشکل ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے اس بوڑھے کو بلا کر اس سے کفار کے لشکر کے بارے میں معلومات لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے بارے میں کچھ بھی نہ بتایا۔ مزے کی بات سنیے کہ اس بوڑھے نے معلومات دینے کے بعد پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف اشارہ کر کے کہہ دیا کہ ہم پانی کے علاقے کے لوگ ہیں یہ جواب سن کر وہ سمجھا کہ یہ عراق کے رہنے والے لوگ ہیں کیونکہ عراق میں دریائے

دجلہ اور دریائے فرات تھے اور وہ پانی کا علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ نبی ﷺ نے ایسا لفظ استعمال کیا جو سچ تھا مگر وہ بوڑھا سمجھ نہ سکا۔ کیونکہ مدینہ کی وادی بھی پانی کے علاقے والی وادی تھی۔ جب آپ ﷺ نے یہ جواب دیا تو اس نے پھر آپ کے ساتھیوں کا کوئی نوٹس ہی نہ لیا۔

⊙ کچھ صحابی دو غلاموں کو پکڑ کر لائے۔ وہ کفار کے لشکر کے لوگ تھے نبی ﷺ نے ان سے کہا کہ تم لشکر کے بارے میں معلومات دو۔ وہ جواب دیتے ہوئے گڑبڑ کرنے لگے اور صحیح معلومات دینے میں پس وپیش کر رہے تھے۔ جب پوچھا کہ لشکر کی تعداد کتنی ہے تو وہ کہنے لگے کہ پتہ نہیں اتنی ہوگی یا اتنی ہوگی۔ جب وہ اس قسم کی باتیں کرنے لگے تو نبی علیہ السلام پہچان گئے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ان سے اچانک یہ سوال پوچھا کہ تم روزانہ کتنے جانوروں کو ذبح کرتے ہو؟.....وہ ٹھیک بتا بیٹھا کہ ہم روزانہ اتنے جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک جانور کو روزانہ اتنے آدمی کھا سکتے ہیں اور اتنے جانوروں کے لیے اتنے بندے ہوتے ہیں۔ لگتا ہے ہزار نوجوانوں کی جماعت موجود ہے۔ آپ ﷺ نے جو اندازہ لگایا بالکل وہی تعداد کفار کے لشکر کی تھی۔

⊙ غزوۂ خیبر میں نبی علیہ السلام نے دو صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہاں بھیجا کہ تم جا کر وہاں سے معلومات لے کر آؤ۔

⊙ غزوۂ خندق میں اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور خاص طور پر ہدایت فرمائی کہ وہاں کسی قسم کی کوئی کاروائی نہیں کرنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں گیا تو اس وقت سارے کافر آگ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور میں بھی ان کے درمیان بیٹھ گیا۔ ابوسفیان بالکل میرے سامنے تھا، اگر میں ایک تیر مارتا تو اس کا کام تمام ہو جاتا، مگر چونکہ نبی علیہ اسلام نے فرمایا تھا کہ کوئی کارروائی نہیں کرنی، اس

لیے میں نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ جب میں وہاں جا کر بیٹھا تو اس وقت وہ مشورہ کر رہے تھے۔ مشورہ کرتے کرتے ان سے ابوسفیان نے کہا کہ ہم ایک اہم مشورہ کر رہے ہیں، کیا ہم میں کوئی غیر تو موجود نہیں ہے، ذرا ایک دوسرے سے تعارف کرلو۔ میں نے ساتھ والے کا بازو پکڑ لیا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا واہ تم مجھے نہیں پہچانتے میں تو فلاں قبیلے کا بندہ ہوں۔ میں نے کہا اچھا اچھا ٹھیک ہے۔

(۳) عسکری رازوں کی حفاظت:

اللہ کے نبی ﷺ کی تیسری حکمت عملی یہ ہوتی تھی کہ آپ ﷺ اپنے عسکری رازوں کی حفاظت فرماتے تھے۔ مثال کے طور پر.....

⊙.....کئی غزوات ایسے تھے کہ جانا کہیں اور ہوتا تھا اور نبی ﷺ کسی اور طرف کے حالات پوچھتے تھے۔ مثلاً اگر کسی کنویں کے بارے میں پوچھتے تو اس کے بعد دریافت فرماتے کہ اس سے آگے کنواں کدھر ہے؟ سب مسلمان بھی یہی سمجھ رہے ہوتے کہ ادھر ہی جانے کا ارادہ ہے۔ سارے حالات پوچھنے کے بعد جب لشکر تیار ہو جاتا تھا تو نبی علیہ السلام دوسری طرف کو جانے کا حکم فرما دیتے تھے۔ لہٰذا کسی کو پتہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ تو اللہ کے نبی ﷺ اچانک سفر کر کے دشمن کے سر پر پہنچ جاتے تھے۔

⊙.....ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کو ایک خط دے کر بھیجا اور فرمایا کہ یہ خط لے کر جاؤ اور خود تم نے بھی اسے دو دن کے بعد پڑھنا ہے۔ دو دن کے بعد جب خط کھولا تو منزل قریب تھی، ان کو پتہ چلا کہ یہ کام ہے اس وقت ان کو دشمن وغیرہ کا کوئی خوف نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہ کام کیا اور واپس آ گئے۔ یعنی آپ ﷺ نے اپنے رازوں کو اپنے لوگوں سے بھی چھپایا، تاکہ راز فاش ہونے کی صورت میں ان کی ہمتیں کم نہ ہو جائیں۔

⊙..... نبی علیہ السلام جب غزوہ خیبر کی لیے نکلے تو یہود بے بہبود کو پتہ ہی نہیں تھا چنانچہ جب اللہ کے نبی ﷺ خیبر پہنچ گئے تو وہاں کے یہودی اپنے کھیتوں میں کاشتکاری کے لیے نکلے ہوئے تھے..... میں نے خیبر کا علاقہ دیکھا وہاں قلعہ بھی دیکھا، وہاں کی زمین اتنی زرخیز ہے کہ یوں لگتا تھا کہ ہم کسی دریائی علاقے کی زمین میں آچکے ہیں۔ بالکل ہموار زمین ہے۔ جب وہ اپنے کھیتوں میں کام کرنے کی لیے نکلے تو انہوں نے مسلمانوں کی فوج کو اپنے سامنے دیکھا۔ اب انہوں نے بدحواسی میں بھاگنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی کوئی تدبیر بھی نہ بنا سکے۔

(۴) اپنی پسند کے میدان کا انتخاب:

چوتھی حکمت عملی یہ ہوتی تھی کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اپنی پسند کا میدان منتخب فرمایا کرتے تھے اور وہ میدان ان کے لیے واقعی فائدہ مند ثابت ہوتا تھا اس کی بھی چند مثالیں سن لیجیے.....

⊙ بدر کے میدان میں نبی علیہ السلام نے جبل عریش کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سامنے بہت دور تک نظر جاتی تھی اور نبی ﷺ کے پیچھے پہاڑ تھا پہاڑ کے پیچھے سے کوئی حملہ نہیں کر سکتا تھا جس کی وجہ سے عقب محفوظ ہو گیا اور سامنے سے دور تک دشمن کی Activities (سرگرمیاں) نظر میں تھیں۔ پھر جب بارش ہو گئی تو ادھر ریت تھی وہ پکی ہو گئی اور ادھر دشمن کی طرف پکی زمین تھی وہاں کیچڑ بن گیا۔ چنانچہ جب کافر مقابلے کیلئے آئے تو خود ہی پھسلتے پڑتے تھے۔

⊙ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک کام اور کیا کہ آپ ﷺ نے ایسی جگہ کو چنا کہ پانی کے کنویں اور تالاب آپ کی اپنی فوج کے علاقے میں آ گئے۔ اس طرح کافروں کا پانی بند ہو گیا۔ اب ان کے پاس نہ اپنے پینے کے لیے پانی تھا اور نہ ہی اپنے جانوروں کو پلانے کے لیے پانی تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ اسود بن عبدالاسد ایک بہت

بڑا بہادر کافر تھا۔ وہ پانی کی تلاش میں نکلا اور حضرت حمزہ ﷺ نے اسے قتل کر دیا .....یعنی تمام آبی وسائل پر بھی نبی علیہ السلام کا قبضہ تھا تا کہ دشمن کی قوت کو توڑا جا سکے یہ ایسا طریقہ تھا کہ دشمن بغیر لڑائی کے اپنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

⊙ غزوۂ احد میں نبی ﷺ نے اپنے آپ کو ایسی جگہ پر رکھا کہ جب سورج نکلا تو اس کی شعاعیں سامنے کافروں کی آنکھوں میں پڑتی تھیں۔ جب وہ سامنے مسلمانوں کو دیکھتے تو سورج کی شعاعوں کی وجہ سے ان کی آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ گویا مسلمانوں کو دیکھنے کے لیے ان کی آنکھیں کھلتی ہی نہیں تھیں۔ وہ آنکھیں کھولتے تو خود بخود ہی بند ہو جاتی تھیں۔ آپ ذرا سورج کے سامنے اس طرح کھڑے ہو کر دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے کافروں کا اس وقت یہی حال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تھوڑی دیر میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگنے لگ گئے۔ اس وجہ سے ان کو شروع میں ہی شکست ہو گئی۔

⊙ غزوۂ خندق کو دیکھ لیجیے۔ اپنے طور پر تو کافر اتنے قبائل کو لے کر آئے تھے کہ سمجھتے تھے کہ آج ہم مسلمانوں کو مولی گاجر کی طرح کتر دیں گے اور یہ لوگ بھی مسلمانوں کو یہی کہتے تھے کہ تمہارے خلاف اتنی بڑی فوج آ رہی ہے کہ اب تمہاری خیر نہیں

ان الناس قد جمعو الکمه فا خشوهم

[انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تمہارے خلاف جمع ہو گیا ہے پس تم ڈر جاؤ]

لیکن اللہ کی شان دیکھیے کہ نبی علیہ السلام نے خندق بنا لی اور جب کافر وہاں پہنچے تو خندق دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے کہ ہم نے تیاری کیا کی تھی اور آگے سے مسئلہ کیا پیش آ گیا۔ تو نبی ﷺ نے میدان جنگ بھی ایسا چنا تھا کہ تین طرف سے پہاڑ تھا اور پہاڑ کی طرف سے حملہ ہو نہیں سکتا تھا اور چوتھی طرف سے جو دو ڈھائی کلو میٹر جگہ تھی

نبی ﷺ نے چند دن رات کے اندر وہاں خندق کھدوادی، پھر اس میدان میں پوزیشن سنبھال کر بیٹھ گئے، لہٰذا اب کوئی بندہ ان کی طرف آگے جا ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ گھوڑے پر بیٹھ کر چھلانگ لگاتے تو وہ خندق کو عبور نہیں کر سکتا تھا اور اگر کوئی خندق کے اندر نیچے اتر کر اوپر چڑھنا چاہتا تو جیسے ہی وہ نیچے اترتا مسلمان اسے تیر مار کر نیچے سے بھی نیچے (یعنی قبر میں) بھیج دیا کرتے تھے..... کافروں کا ایک بڑا پہلوان تھا اس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہوا اور شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا..... ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ اتنے عرصہ میں سٹور سے ان کے کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں، مورال ڈاؤن ہو گیا اور لوگ پریشان ہو گئے۔ اس حکمت عملی سے نبی ﷺ نے انسانوں کے اس سیلاب کو روکا۔ بالآخر وہ اپنے دانت پیستے ہوئے واپس ہو گئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا (الاحزاب:۲۵)

[جن لوگوں نے کفر کیا انہیں اللہ نے پھیر دیا اپنے غصے میں، وہ کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے]

جیسے بچے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کو انگوٹھا (ٹھٹھ) دکھاتے ہیں، تو لم ینالو خیرا، کا ہماری زبان میں یہی ترجمہ بنتا ہے کہ ان کے ہاتھ ٹھٹھ آیا۔

(۵) صف بندی کا اہتمام:

نبی علیہ السلام کی ایک حکمت عملی یہ بھی ہوتی تھی کہ جب غزوہ شروع ہوتا تھا تو آپ ﷺ اپنے صحابہ کی صف بندی فرماتے تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کفار اس سے پہلے بھی آپس میں لڑتے تھے لیکن صحیح صف بندی کر کے نہیں لڑتے تھے۔ فقط حملہ کر دیتے تھے، کوئی کہیں ہوتا تھا اور کوئی کہیں۔ یعنی وہ کسی ترتیب سے

جنگ نہیں کیا کرتے تھے۔ اس طرح جن کی تعداد زیادہ ہوتی تھی وہ غالب آجایا کرتے تھے۔ مگر نبی علیہ السلام نے میدان جنگ میں صفیں بنوائیں۔ غزوہ بدر میں تاریخ میں پہلی مرتبہ نبی ﷺ نے ایک گروپ کو میمنہ اور ایک کو میسرہ بنایا۔ یعنی ایک رائیٹ سائیڈ کا گروپ تھا اور ایک لیفٹ سائیڈ کا گروپ تھا۔ اس کے بعد ایک گروپ کا نام نبی ﷺ نے ساقہ رکھا۔ یہ ریزرو فوج تھی کہ اگر میمنہ گروپ کے لوگ کمزور ہوتے ہیں تو ان کی مدد ان کے ذریعے کی جائے گی اور اگر میسرہ گروپ کے لوگ کمزور ہوئے تو ان کی مدد کی جائے گی۔ ان گروپوں کے درمیان پیغام رسانی کیلئے دو صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیز رفتار اونٹنیاں دے کر متعین فرمایا۔ وہ اونٹنیوں پر سوار ہو کر لشکر کے سپہ سالار کو نبی علیہ السلام کا پیغام سنایا کرتے تھے۔ یہ جنگی حکمت عملی تاریخ میں پہلی دفعہ نبی علیہ السلام نے متعارف فرمائی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

(٦) دشمن کو مرعوب کرنے کی حکمت عملی:

فتح مکہ کے موقع پر نبی علیہ السلام جب چلے تو ایک ہی راستہ سے آپ جا سکتے تھے۔ نبی علیہ السلام کی حکمت عملی دیکھیں کہ آپ ﷺ نے مکہ کی چار مختلف سمتوں سے مختلف گروپوں کو بھیجا۔ ایک راستہ سے آپ ﷺ خود تشریف لے گئے اور دوسرے راستے سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اس طرح دو اور گروپوں کو مختلف راستوں سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر یہ لوگ مکہ میں ہماری خبر سنیں گے تو جس راستے سے ہم آرہے ہیں، وہ اس سے مخالف سمت میں بھاگیں گے، تو جہاں بھاگیں گے ان کو ادھر سے بھی مسلمان آتے نظر آئیں گے اور اس طرح کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ جائے گا۔ ایک راستے سے بھی داخل ہو سکتے تھے مگر چاروں طرف سے پیش قدمی کر کے نبی علیہ السلام نے بتایا کہ جنگی حکمت عملی یہ بھی ہوتی ہے۔

(۷) پیش قدمی:

نبی علیہ السلام کی یہ حکمت عملی بھی تھی کہ آپ ﷺ پیش قدمی کر کے آگے جا کر دشمنوں سے لڑا کرتے تھے مثلاً .....

- غزوۂ خندق کے موقع پر نبی علیہ السلام نے فرما دیا تھا کہ آج کے بعد کافر یہاں لڑنے نہیں آئے گا۔ بلکہ ہم کافروں کے ہاں لڑنے کیلئے جائیں گے لہذا غزوہ خندق کے بعد جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ان سب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باہر نکل کر گئے اور دشمن سے ان کے علاقوں میں جا کر مقابلہ کیا۔
- غزوۂ بواط میں آپ ﷺ نے دوسو صحابہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر امیہ بن خلف کے قافلے کا تعاقب کیا۔
- غزہ تبوک میں مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں تھے اس کے باوجود نبی علیہ السلام نے پیش قدمی فرمائی اور اگرچہ جنگ نہ ہوئی لیکن رومی فوج مسلمانوں کے اس لشکر سے مرعوب ہو کر واپس اپنے ملکوں کی طرف بھاگ گئی۔

(۸) وقت کا خیال رکھنا:

نبی علیہ السلام کی ایک حکمت عملی یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ وقت کا بڑا خیال کرتے تھے اس لئے آپ وقت ضائع کئے بغیر اچانک دشمن کے سر پر پہنچ جاتے تھے۔ اس کو سریع الحرکت فوج کہتے ہیں۔

- جب نبی علیہ السلام خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو عجیب حکمتِ عملی کا مظاہرہ کیا دن میں پہاڑوں کی غاروں کے پاس پڑاؤ ڈالتے چھپے رہتے اور لوگوں کو پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کوئی جا رہا ہے یا نہیں جا رہا۔ اور جب رات ہو جاتی تو سفر کرتے تھے۔ راستے میں کسی کو پتہ ہی نہ چلا۔ دشمن کو اس وقت پتہ چلا جب نبی علیہ السلام خیبر پہنچ گئے۔

جب اچانک ایسی صورت حال پیش آجائے تو دشمن مرعوب ہو جاتا ہے۔

⊙ دومۃ الجندل میں بھی ایسا ہی ہوا۔ رات کو سفر کرتے اور دن میں پوشیدہ رہتے۔ پھر جب اچانک حملہ کیا تو دشمن حواس باختہ ہو کر بھاگ گیا۔

(۹) پہل کاری:

نبی علیہ السلام کے اندر ایک اور حکمت عملی بھی تھی اسے Initiative (پہل کاری) کہتے ہیں۔ یعنی جہاں کہیں کوئی دشمن اسلام کے خلاف سازشیں کرتا نظر آتا تھا تو اس سے پہلے کہ وہ آپ کی طرف آتا آپ اس کی طرف جا کر مقابلہ کرتے تھے۔ بنو مطلق کے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے جیسے ہی نبی علیہ السلام کو اطلاع ملی آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیار کر کے بھیجا اور اچانک حملہ کروا کر پورے قبیلے کو گرفتار کروالیا۔

(۱۰) لچکدار حکمتِ عملی:

نبی علیہ السلام جو حکمت عملی بناتے تھے اس میں وقت کے ساتھ ساتھ لچک ہوتی تھی اگر موقع پر ایک طریقہ سے بات نہیں چلتی تو پھر اس کو فوراً دوسری حکمت عملی میں تبدیل فرما دیتے تھے۔ مثلاً.....

⊙ احد میں جب افراتفری ہوئی تو کافر واپس پلٹے۔ اس دوران میں نبی علیہ السلام نے اپنی حکمت عملی یہ بنائی کہ آپ احد پہاڑی کی طرف چڑھ گئے۔ یہ اس لئے کرنا پڑا کہ پیچھے سے بھی کافر آگئے تھے اور آگے سے بھی کافر آگئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ درمیان سے پیچھے احد کی طرف جا کر محفوظ ہو گئے اور ان کے جنگجوؤں کے ہاتھ نہ آسکے۔ جنگی حکمت عملی میں یہ تبدیلی موقع کی مناسبت سے ہوتی ہے۔

⊙ غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں بھی نبی علیہ السلام نے اپنے منصوبے کو تبدیل

فرمایا۔

(۱۱) ایک وقت میں ایک دشمن سے لڑائی:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک حکمت عملی یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ ایک وقت میں ایک دشمن سے نمٹا کرتے تھے۔ مثلاً جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو یہودیوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کرلیا اور قریش مکہ کے ساتھ لڑائی ہوئی۔ اور جب صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کے ساتھ معاہد ہو گیا تو نبی علیہ السلام نے آگے بڑھ کر خیبر میں یہودیوں کی کمر توڑ دی۔ آج ان تمام نکات پر غور کر کے کفر نے اپنی جنگی حکمت عملی وضع کی ہے۔ یہ تعلیمات دنیا کو کس نے دیں؟ اللہ کے محبوب ﷺ نے دیں۔

(۱۲) شکست خوردہ دشمن کا تعاقب:

نبی اکرم ﷺ کی ایک حکمت عملی یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ شکست کھانے والے دشمن کا تعاقب بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ احد میں جب کافر اپنا بلوہ کر کے واپس بھاگے تو نبی علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر ان کا حمراء الاسد تک تعاقب کیا۔ اس طرح کافروں کو واپس آنے کی جرأت نہ رہی۔ اگر آپ ﷺ ان کے تعاقب میں نہ جاتے تو ممکن تھا کہ کافر رات کے اندھیرے میں پلٹ کر دوبارہ حملہ کر دیتے۔ لیکن جب نبی علیہ السلام نے تعاقب کیا تو ان کے ذہن میں آ گیا کہ مسلمانوں کی ایک اور تازہ دم فوج آ گئی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو پہلے کاروائی ہوئی ہے وہ ختم ہی ہو جائے اس لئے انہوں نے سیدھا مکہ مکرمہ جانے میں اپنی عافیت سمجھی۔

(۱۳) اقتصادی ناکہ بندی:

نبی علیہ السلام کی ایک حکمت عملی ''اقتصادی ناکہ بندی'' بھی تھی۔ قریش مکہ کے تجارتی قافلے مکہ سے شام کی طرف سمندر کے کنارے جاتے تھے۔ اللہ کے

محبوب ﷺ نے اپنے صحابہ کو ادھر بھی بھیجا۔ انہوں نے جا کر وہاں دو چار کارروائیاں کیں تو ان کے قافلوں کا وہاں سے جانا بند ہو گیا۔ پھر وہ نجد کے راستے جانے لگے اللہ کی شان دیکھئے کہ ان کا ایک بڑا آدمی ثمامہ بن آثال تھا۔ وہ کوئی کارروائی کرنے کیلئے آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں گرفتار کر کے اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے پیش کر دیا۔ نبی علیہ السلام نے اسے ستون کے ساتھ بندھوا دیا، چند دن تک اس کو تعلیم دیتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس پر مہربانی فرما کر اسے آزاد کر دیا کہ اب چلے جاؤ۔ اس نے کہا، جی! اب میں کہاں جاؤں، اب مجھے کلمہ پڑھا دیجئے تا کہ میں بھی آپ ﷺ کے غلاموں میں شریک ہو جاؤں۔ سبحان اللہ! جب وہ مسلمان ہو گیا تو نبی علیہ السلام نے اس کو اپنے علاقے میں واپس بھیج دیا۔ کفار قحط کے وقت نجد سے گندم منگواتے تھے۔ اب جب انہوں نے وہاں سے گندم مانگی تو سردار نے کہا، جناب! میں مسلمان ہوں جب تک مجھے میرے آقا ﷺ حکم نہیں فرمائیں گے میں اس وقت تک آپ کو گندم نہیں دوں گا۔ اب کفار پریشان ہوئے کہ نہ اب شام جا سکتے ہیں اور نہ نجد سے کچھ ملتا ہے ہم تو مر جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ابو سفیان کو بھیجا اس نے آ کر نبی علیہ السلام کے سامنے منت سماجت کر کے اجازت مانگی۔ بالآخر نبی علیہ السلام نے اس سردار کو حکم دے دیا کہ اب مشرکین کیلئے گندم بحال کر دو۔

(۱۴) گوریلا کارروائی:

گوریلا کارروائیاں بھی نبی علیہ السلام کی حکمت عملی کا حصہ تھیں ..... اس کی مثال بھی سن لیجئے ..... ایک کافر سردار کو قتل کرنا تھا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے جو اسے جا کر سمیٹے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے، اے اللہ کے نبی! اس کام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ چنانچہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ اس کے پاس جا کر قرضہ مانگنے لگے۔ وہ ہر

بار انکار کرتا رہا۔ ایک موقع پر انہوں نے کہا کہ قرضہ کے بغیر میرا گزارہ نہیں ہے۔ اس نے کہا، اچھا تم اپنے گھر کی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھو۔ انہوں نے کہا، ہم عرب ہیں، ہمارا عورتوں کو رہن رکھنا تو ہمارا مر جانا ہی ہے، ایسا کرتا ہوں کہ میں اپنے جنگی ہتھیار آپ کے پاس رہن رکھ دیتا ہوں۔ وہ بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا، بالکل ٹھیک ہے۔ انہوں نے اسے کہا کہ میں ہتھیار لے کر آؤں گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری قوم کو دھوکہ ہو لہٰذا میں دن میں نہیں آسکتا میں رات کو آؤں گا۔ اس نے کہا ہاں ہاں بالکل نہ بتانا، بس میں دروازہ کھٹکھٹا دوں گا، تم اکیلے ہی آجانا۔ انہوں نے کہا، ٹھیک ہے۔

جب یہ ہتھیار لے کر گئے تو بہترین خوشبو لگا کر گئے ..... جب سر میں خوشبو لگا کر اس کے پاس گئے اور اسے ہتھیار دینے لگے تو جان بوجھ کر اپنا سر اس کے قریب کر دیا۔ اس نے کہا یار کیا ہی بات ہے، لگتا ہے تم تو عنبر لگا کے آئے ہو۔ انہوں نے کہا، تمہیں کیا پتہ، میری کئی بیویاں ہیں میں یہی خوشبو تو لگاتا ہوں جس سے وہ سب خوش رہتی ہیں۔ اس نے کہا، یار پھر مجھے بھی سونگھنے دو۔ انہوں نے اپنا سر اس کے قریب کر دیا اور کہا، سونگھ لو۔ انہوں نے پوچھا، تم کونسی خوشبو لگاتے ہو؟ اس نے کہا، میں تو اتنی زیادہ اچھی خوشبو نہیں لگاتا۔ انہوں نے پوچھا، کیا میں سونگھ سکتا ہوں؟ وہ کہنے لگا، سونگھ لو۔ جب اس نے یہ کہا تو صحابی ﷺ نے اس کے بال پکڑ لئے اور اسے قتل کر دیا۔ ایسی گوریلا کارروائیوں سے کفر کے سرغنوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔

ایک دلچسپ صورت حال:

غزوۂ خندق میں ایک عجیب مزے کی بات پیش آئی۔ ایک شخص تھا جس کا نام نعیم بن مسعود تھا۔ اس نے حضرت علی ﷺ سے کہا، میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا، آجاؤ میں تمہیں نبی علیہ السلام سے ملا دیتا ہوں۔ ایک دوسرے صحابی ﷺ نے حضرت علی ﷺ سے کہا کیا پتہ کہ یہ کیا نیت رکھتا ہو۔ حضرت نے فرمایا، میں نے

اسے دیکھ لیا ہے آپ فکر نہ کریں، اگر اس کی نیت خراب ہوگی تو میں خود اس کے ساتھ نمٹ لوں گا.....نعیم بن مسعود نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

اس کے بعد اس نے پوچھا' اے اللہ کے نبی! اب میرا کام کیا ہے؟ فرمایا، تم کوشش کرو کہ یہ کفار مکہ اور دوسرے جو لوگ مل کر آئے ہوئے ہیں وہ بھاگ جائیں۔ اس نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں یہ کام کرلوں گا۔ آپ صرف مجھے یہ اجازت دے دیں کہ میں ان کے سامنے جو مرضی بات کرنا چاہوں کرلوں۔ فرمایا..... الحرب خدعة. (جنگ تو تدبیر کا نام ہے) چنانچہ اس کو کھلا پاس مل گیا۔ اس کے بعد وہ واپس چلا گیا۔

واپس جا کر وہ یہودیوں کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا' خدا کے بندو! یہ قریش تو مکہ سے چل کے آئے ہیں یہ آج نہیں تو کل واپس چلے جائیں گے، تم نے تو رہنا ہی یہیں ہے اور مسلمان تمہارے پاس ہیں، کافروں کو جانے دو پھر مسلمان تمہارے ساتھ نمٹ لیں گے۔ پھر تم اکیلے ہو گے اور تمہیں مسلمانوں سے کوئی بھی نہیں بچائے گا۔ یہ سن کر وہ گھبرانے لگے اور کہنے لگے، اب کیا کرنا چاہیے۔ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے، کیا میں تمہیں ایک اور راز بتاؤں انہوں نے کہا، ضرور بتائیں.....فرمایا کہ قریش مکہ آپس میں یہ مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہارے بڑے بڑے سرداروں کو اپنے پاس رکھیں اور جب واپس جانے لگیں تو پھر تمہارے سرداروں کو قتل کر کے جائیں گے۔ چنانچہ یہودیوں کے سردار گھبرا گئے۔

اگلی رات میں وہ قریش مکہ کے پاس گئے۔ وہ آپس میں مشورہ کر رہے تھے۔ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے تم لوگ کیا مشورہ کر رہے ہو، یہ یہودی کہنے کو تو تمہارے ساتھ ہیں مگر اندر سے مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے پوچھا، کیسے؟ فرمایا، کیا رات کو

ان کا کوئی بندہ تمہارے پاس ہوتا ہے، وہ سب اپنے اپنے قلعوں میں ہوتے ہیں نا، تم ان کے دو چار سردار مانگو تا کہ وہ بھی یہاں آ کر تمہارے ساتھ رہیں، تب پتہ چلے گا کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگے کہ یہ تو واقعی آپ نے بڑی عقلمندی کی بات کی ہے۔ چنانچہ اگلے دن قریش مکہ نے ایک قافلہ یہودیوں کے پاس بھیج دیا۔ قافلہ والوں نے کہا، جی آپ ہمارے ساتھ ہیں تو پھر اپنے کچھ سردار ہمارے حوالے کر دیں۔ ان کی تو گویا جان ہی نکل گئی۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ رات ایک بندے نے جو بات کہی تھی، وہ بالکل صحیح تھی۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان مشرکین کو رفع کرو، جانے دو، یہ مصیبتیں کہاں سے آ گئی ہیں، اس طرح ان کی آپس میں پھوٹ پڑ گئی، اس پھوٹ کی وجہ سے قریش مکہ کے مورال اور بھی زیادہ ڈاؤن ہو گئے اور پھر انہوں نے واپس بھاگنے میں جلدی کی۔

صحابہ کرامؓ کی عسکری تربیت:

نبی علیہ السلام اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عسکری ٹریننگ بھی دیا کرتے تھے آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو جماعتیں بناتے تھے اور تیر اندازی کا مقابلہ کراتے تھے۔ یہ گھوڑے دوڑانا، تیر اندازی کرنا تربیت ہی تو ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی دو جماعتیں بنوائیں اور فرمایا کہ ایک تیر تم مارو اور ایک تیر تم مارو، دیکھتے ہیں کہ کس کا تیر نشانے پر لگتا ہے۔ ایک جماعت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں ان کی طرف سے تیر ماروں گا۔ جب نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں ان کی طرف سے تیر ماروں گا تو دوسری جماعت کے لوگ کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی! پھر ہم مقابلہ ہی نہیں کرتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، اچھا، مقابلہ کرو میں ایک تیر ادھر سے ماروں گا اور ایک تیر ادھر سے ماروں گا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مقابلہ کیا۔

جہادی قوت حاصل کرنے کی دلیل:

نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ ایک صحابی کے ہاتھ میں ایک چمکدار کمان دیکھی، آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کمان کہاں کی بنی ہوئی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ فارس کی بنی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم عرب کی بنی ہوئی کمان سے جنگ کرتے تو اللہ تمہیں فتح سے ہمکنار فرما دیتے۔ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اگر تم اپنے بنے ہوئے اسلحہ سے جہاد کرتے تو اللہ فتح سے ہمکنار کر دیتے اس بات کی دلیل ہے کہ

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الانفال:٦٠)

[اور جو کچھ (سپاہیانہ) قوت جمع کر سکو تیار رکھو]

حاصلِ کلام:

اگر ان تمام پوائنٹس کو جمع کیا جائے تو یہ دنیا میں کسی بھی ملک کے لیے بہترین جنگی حکمت عملی کے لیے رہنما اصول ہیں۔ سبحان اللہ! اللہ کے محبوب ﷺ نے اس حکمت عملی کی وجہ سے تھوڑے وسائل کے ساتھ، تھوڑے وقت میں اور بہت تھوڑے نقصان کے ساتھ اپنے پیغام کو دنیا میں پہنچا دیا۔ اور آج دنیا کی حالت تو یہ ہے کہ جب ہمارا ملک تقسیم ہوا تو دو کروڑ افراد کی موت واقع ہوئی۔ جبکہ نبی علیہ السلام کے دور میں بہت کم جانی نقصان کے ساتھ اسلام پھیل گیا۔ نبی علیہ السلام کا یہ کارنامہ دنیا میں ایک غیر خونی انقلاب ہے۔ کیونکہ اگر اتنے لوگ پکنک منانے چلے جائیں تو ان میں سے بھی بعض لوگوں کی موت آ جاتی ہے۔ انسانیت کو دین سکھانے اور بچھڑے ہوئے لوگوں کو اپنے رب سے ملانے کا یہ صحیح طریقہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں نبی علیہ السلام کے اس علم سے بھی فیض یاب فرما دے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم الادیان عطا فرمایا ہے اسی طرح اللہ ہمیں علم الابدان بھی عطا فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

صبر میری چادر ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلصَّبْرُ رِدَائِیْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ.

ایک حدیث پاک کا تسلسل چل رہا تھا۔

صبر کا مفہوم:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

اَلصَّبْرُ رِدَائِیْ (اور صبر میری چادر ہے)

صبر کا لفظ قرآن مجید میں نوے مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ اس کا لفظی مطلب ہے روکنا، تھام لینا۔ جب کسی انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ طبعًا کچھ جزع فزع بھی کرتا ہے۔ اس کے اعضاء و جوارح میں بے قراری آجاتی ہے اور اس کی زبان پر شکوے جاری ہو جاتے ہیں۔ ایسے مشکل حالات میں اپنے آپ کو روک لینا، تھام لینا اور زبان پر شکوہ شکایت کا کوئی لفظ نہ لانا صبر کہلاتا ہے۔ بے صبری کی یہی دو علامتیں ہوتی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ مصیبت آنے پر انسان مخلوق کے سامنے اپنے خالق کے شکوے کرے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کے اعضاء و جوارح میں بے قراری ہو۔

اگر یہ دونوں چیزیں انسان میں نہ پائی جاتی ہوں تو اسے صابر کہتے ہیں۔

صحیح معنوں میں صابر لوگ:

دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں جسے زندگی میں ناموافق حالات برداشت نہ کرنے پڑتے ہوں۔ بعض لوگوں کو جب ایسے حالات پیش آتے ہیں تو ان کی طبیعت میں اضطراب آجاتا ہے۔ ایسا آدمی اتنا پریشان ہوتا ہے کہ جہاں بیٹھتا ہے اسی مصیبت کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو لوگوں کی نظر میں قابل رحم بناتا پھرتا ہے۔ کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایسے حالات میں مایوس ہو کر ڈیپریشن میں چلے جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اللہ رب العزت کی طرف زیادہ رجوع کر لیتے ہیں۔ وہ پہلے کی نسبت زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ تیسرے طبقہ کے لوگ صحیح معنوں میں صابرین ہوتے ہیں۔

مشکل حالات آنے کی وجہ:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ (البقرۃ: ۱۴۳)

[بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ رؤوف اور رحیم ہے]

تو پھر وہ مشکلات کیوں بھیجتا ہے؟ اس کی رحمت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے کہ بندے کو کوئی مسئلہ ہی نہ ہو۔ تو پھر اس پر مصیبتیں کیوں آتی ہیں؟.....

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں ہر بندے کو آزمایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسے اپنے بندوں کو خوشی دے کر آزماتے ہیں اسی طرح اسے غم دے کر بھی آزماتے ہیں۔ اگر خوشی کے حالات میں انسان شکر ادا کرے اور غم کے حالات میں صبر کرے تو صحیح معنوں میں اللہ کا عبادت گزار بندہ بن جائے۔

تو یہ دنیا تو ہے ہی مسائلستان۔ کوئی بندہ اس دنیا میں پریشانیوں کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

؎ دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

اب رہا یہ سوال کہ جب اللہ تعالیٰ رحیم ہے تو مصیبتیں کیوں ڈالتے ہیں۔

زحمت کی شکل میں رحمت:

ظاہر میں جو مصیبتیں نظر آتی ہیں۔ وہ بھی حقیقت میں بندے کے ساتھ رحمت، شفقت اور رأفت ہوتی ہے۔ اس کی چند مثالیں سن لیجیے۔

☆..... جب کسی بچے پر نجاست اور گندگی لگ جاتی ہے اور اس کی ماں اس کو دھونا چاہتی ہے تو اس کے لئے اس کو گرم پانی ڈالنا پڑے گا، صابن لگانا پڑے گا اور جسم کو ملنا پڑے گا۔ اس غسل کے درمیان وہ بچہ زار و قطار رو رہا ہوتا ہے اور دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ ماں کیسی ظالمہ ہے کہ بچے کو رلائے جا رہی ہے لیکن اس رلانے میں بھی ماں کی شفقت شامل ہے۔ وہ بچے کے جسم پر نجاست اور گندگی نہیں دیکھ سکتی۔ وہ اس کو دھونا چاہتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات بندے کا دل میلا ہو جاتا ہے اور اس میں گناہوں کی وجہ سے ظلمت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت اور رأفت کی وجہ سے دھونا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ بیماری مصیبت یا کسی پریشانی کو بھیج دیتے ہیں۔ اگر بندہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ بعض اوقات زحمت کی شکل میں بھی رحمت ہوتی ہے۔

☆..... اگر آپ کے چہرے پر دانے نکل آئے ہیں تو آپ معالج کے پاس جاتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں کہ میرے چہرے پہ دانے نکل آئے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ آپ کے خون میں کوئی خرابی ہے، آپ کو کڑوی دوائی استعمال کرنی پڑے گی۔ وہ معالج

آپ کا دشمن نہیں ہے جو آپ کو کڑوی چیز کھلا رہا ہے۔ وہ آپ کا دوست ہے۔ کیونکہ آپ کا علاج کڑوی دوا سے ہی ممکن ہے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان کے اندر عجب تکبر اور خود پسندی آجاتی ہے۔ جس وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی اسے مصیبتوں اور پریشانیوں کی کڑوی دوا دیتے ہیں تاکہ اس کا بھی مزاج درست ہو جائے۔

☆.....بعض اوقات انسان کے جسم پر پھوڑا وغیرہ بن جاتا ہے۔ وہ ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اس کو کاٹنا پڑے گا۔ اور اس کے اندر سے گندہ مواد نکالنا پڑے گا۔ مریض اس کو فیس دیتا ہے اور ڈاکٹر اس کے گوشت کو چیر کر اس میں سے خون پیپ اور گندہ مواد نکال دیتا ہے حتی کہ مریض جب ٹھیک ہو جاتا ہے تو وہ اسی ڈاکٹر کا شکر گزار ہوتا ہے۔ بالکل یہی حال انسان کے حالات کا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصیبتیں بھیج کر بندے کے اندر سے گندہ مادہ نکالتے ہیں۔ وہ گندہ مواد آنسوؤں کی شکل میں نکل رہا ہوتا ہے کہ مولا! آج کے بعد تیرے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ تو بعض اوقات زحمت کی شکل میں رحمت پوشیدہ ہوتی ہے۔

صبر کرنے کا ایک نفسیاتی کلیہ:

انسان پر مصیبت آئے تو وہ برداشت کیسے ہو سکتی ہے؟..... بالآخر وہ نسان ہے وہ بے صبری کا مظاہرہ کر بیٹھے گا۔ اس لئے جو یہ کہا جاتا ہے کہ صبر کرو، مصیبت کو برداشت کرو، اس کا بھی ایک اصول سن لیجئے۔ ایک نفسیاتی کلیہ ہے کہ بڑے اجر کی توقع میں بندہ چھوٹی پریشانیوں اور مصیبتوں کو بھی آسانی اور خوشی کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ مثال کے طور پر.....

☆.....ایک مزدور دھوپ میں سر کے اوپر بوجھ اٹھائے جا رہا ہوتا ہے، اس کا پسینہ بہہ رہا ہوتا ہے، وہ سارا دن کام کر کے تھک جاتا ہے۔ یہ ساری مشقت کیوں برداشت کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسے توقع ہوتی ہے کہ جب چھٹی کا وقت آئے گا تو اسے اس

کام کی تنخواہ ملے گی۔ گویا بڑے اجر کی توقع میں اس کے لئے اس مشقت کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

☆.....ایک عورت دعائیں مانگ رہی ہے کہ یا اللہ! مجھے بیٹا عطا کر دے۔ یہ عورت جانتی ہے کہ جب مجھے حمل ہوگا۔ تو نو مہینے تک بیماروں کی طرح گزاروں گی۔ حاملہ عورت کو بعض اوقات کھانا اچھا نہیں لگتا، اسکی طبیعت ایسی ہو جاتی ہے کہ کچھ کھاتی بھی ہے تو وہ باہر آ جاتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ جب بچے کی ولادت کا وقت آئے گا تو میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہوگا۔ کتنی عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو بچے کی ولادت کے وقت شہید ہو جاتی ہیں۔ اسے اس بات کا پتہ ہوتا ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد مجھے اپنا آرام بھی قربان کرنا پڑے گا۔ ہوتا بھی یہی ہے کہ اس عرصہ میں عورت نہ اپنی مرضی سے سو سکتی ہے نہ اپنی مرضی سے کھا سکتی ہے اور نہ ہی کہیں جا سکتی ہے۔ وہ بچے کیوجہ سے کم از کم دو تین سال تک پابند ہو جاتی ہے۔ پہلے بچے کو کھلاتی ہے بعد میں خود کھاتی ہے، پہلے بچے کو پلاتی ہے بعد میں خود پیتی ہے۔ پہلے بچے کو سلاتی ہے بعد میں خود سوتی ہے۔ کئی بار ایسا ہوا وہ ابھی سوتی ہی ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد بچہ رونے لگ جاتا ہے وہ پھر اٹھ بیٹھتی ہے۔ ماں کو کتنی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ سردیوں کے موسم میں لحاف کے اندر میٹھی نیند سوئی ہوتی ہے کہ بچہ رونے لگ جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے پھر اٹھ کر بیٹھنا پڑتا ہے۔ اس عورت کو پتہ ہے کہ مجھے یہ ساری تکلیفیں اٹھانا پڑیں گی مگر اس کے دل میں ماں بننے کی ایسی چاہت ہوتی ہے کہ وہ رو رو کر دعائیں مانگ رہی ہوتی ہے کہ یا اللہ! مجھے بیٹا عطا فرما دے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ بڑے اجر کی توقع میں بندہ چھوٹی مصیبتوں کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

☆.....آپ ایک پہرے دار کو دیکھیں۔ لوگ نرم بستروں پر میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں اور وہ گلی میں کھڑا جاگ رہا ہوتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں نیند ہوتی ہے، جسم بے

آرام ہوتا ہے مگر وہ مسلسل چل کر ڈیوٹی دے رہا ہوتا ہے..... کس لئے؟ اس لیے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ مہینے کے بعد مجھے تنخواہ ملے گی۔ چنانچہ اصول یہ بنا کہ بڑے اجر کی توقع میں ایسی مشقتوں کو برداشت کرنا بندے کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ جب مومن بندے کو یہ بات سمجھ آجائے تو اس کے لئے مصیبتوں میں صبر کرنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔

بلا از دستِ دوست عطا است:

حدیث پاک میں آیا ہے۔

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا اِبْتَلَاهُ فَاِنْ صَبَرَ اِجْتَبَاهُ وَ اِنْ رَضِیَ اصْطَفَاهُ.

[جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اگر وہ صبر کر لے تو اسے اپنا مجتبیٰ بنا لیتے ہیں۔ اور اگر اس پر وہ خوش ہو تو اپنا مصطفیٰ بنا لیتے ہیں]

ہمارے مشائخ نے فرمایا:

؎ بلا از دست دوست عطا است
واز عطا نالیدن خطا است

[بلا دوست کے ہاتھوں سے ملے تو عطا ہوتی ہے اور عطا کے اوپر نالہ شکوہ کرنا یہ خطا ہوتی ہے]

لہٰذا اگر اللہ رب العزت کی طرف سے کچھ اس قسم کے حالات آجائیں تو جزع فزع کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

؎ کچھ اس کا لطف اہل محبت سے پوچھئے
شان جلال بھی انہیں شان جمال ہے

اللہ رب العزت کے جلال میں بھی اللہ کا جمال پوشیدہ ہوتا ہے۔ حضرت

مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایک ان سے کیا محبت ہو گئی
ساری دنیا سے عداوت ہو گئی
لاکھ جھڑکو اب کہاں پھرتا ہے دل
ہو گئی اب تو محبت ہو گئی

جب محبت ہو جائے تو پھر جھڑکیاں پڑنے پر انسان پریشان نہیں ہوتا بلکہ محبت اور زیادہ بڑھتی ہے۔ چنانچہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

لَیْس؟ بِصَادِقٍ فِیْ دَعْوَاهُ
مَنْ لَمْ یَتَلَذَّذْ بِالضَّرْبِ مَوْلَاهُ

[جو مولا کی بھیجی ہوئی مصیبت پر لذت حاصل نہ کرے وہ اپنے دعوے کے اندر جھوٹا ہے]

اس لئے ہمارے بزرگوں نے فرمایا۔

؎ تیری نوازشِ پنہاں کا لطف کیا جانے
وہ دل جو تیری نگاہوں سے پامال نہیں

جو محبت کے رشتے میں گرفتار نہیں ہوتا اس کو کیا پتہ کہ جھڑکیوں میں بھی محبت پوشیدہ ہوتی ہے۔ جب انسان کو یہ بات سمجھ میں آجائے تو پھر اس کے دل میں اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ آپ جانتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے رزق کا مسئلہ دور نہیں ہو رہا، اولاد نہیں مل رہی، صحت ٹھیک نہیں ہو رہی..... جب حقیقت سمجھ آجاتی ہے تو سب اعتراض ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً.....

☆..... چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے۔ کسی نے پوچھا حضرت طبیب کو بلا کر لے آئیں۔ آپ نے فرمایا کہ طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ پوچھا اس نے دیکھ کر کیا کہا

ہے؟ فرمایا' اس نے دیکھ کر کہا ہے۔ اِنِّی فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْد۔

☆ ..... حضرت عبداللہ ابن مسعود ﷺ بیمار ہوئے تو سیدنا عثمان ﷺ ان کے لئے بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور پوچھا کہ

''مَاتَشْتَکِیْ؟'' (آپ کو کیا تکلیف ہے؟)

فرمایا، ''ذُنُوْبِیْ'' (مجھے اپنے گناہوں کی تکلیف ہے)۔

پھر پوچھا فَمَا تَشْتَھِیْ؟ (آپ کیا چاہتے ہیں؟)۔

فرمایا' ''رَحْمَۃُ رَبِّیْ'' (اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں)۔

حضرت عثمان غنی ﷺ نے پوچھا، ''اچھا میں کسی معالج کو بلالاؤں؟''

فرمایا، ''میرے طبیب نے ہی تو مجھے مریض بنایا ہے۔''

انہوں نے کہا کہ اچھا میں آپ کو بیت المال سے کچھ بھیجتا ہوں۔

فرمایا لَا حَاجَۃَ لِیْ فِیْھَا۔ (مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے)۔

انہوں نے کہا اچھا میں آپ کو ہدیہ بھیجتا ہوں۔ تو جواب میں فرمایا کہ میں نے نبی علیہ السلام سے یہ سنا ہے۔

مَنْ قَرَءَ سُوْرَۃَ الْوَاقِعَۃ لَمْ تُصِبْہُ فَاقَۃً اَبَدًا

(جس نے ہر رات میں سورۃ واقعہ کی تلاوت کی اس کو کبھی بھی فاقہ نہیں آسکتا)۔

اس لیے مجھے ہدیے کی بھی ضرورت نہیں۔

اسے حقیقی معنوں میں صبر کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت جس حال میں رکھے بندہ اپنے رب کی تقسیم پر راضی رہے۔

☆ ..... چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب وغریب حکایتیں لکھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک غلام تھا جس کا نام ایاز تھا۔ محمود کو

اس سے بڑی محبت تھی ۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ہم اس سے شکل میں اچھے ہیں، عقل میں اچھے ہیں، نسب میں اچھے ہیں، حسب میں اچھے ہیں۔ لیکن آپ کی محبت کی جو نظر اس پر پڑتی ہے وہ کسی اور پر نہیں پڑتی۔ انہوں نے کہا، اچھا میں آپ کو اس بات کا جواب دوں گا۔

ایک دن محمود نے ایک کڑوا پھل منگوایا۔ اس کی کاشیں بنوائیں اور سب میں تقسیم کر دیں۔ جس نے بھی منہ میں ڈالا اس نے تھوتھو کیا۔ ایاز کو دیکھا تو وہ مزے لے لے کر کھا رہا تھا۔ محمود نے پوچھا' ایاز! کیا پھل کڑوا نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا' کڑوا تو ہے لیکن میں اسے کھا رہا ہوں۔ پوچھا، کیوں کھا رہے ہو؟ کہنے لگا، جس بادشاہ کے ہاتھوں سے ساری زندگی میٹھی چیزیں لے کر کھاتا رہا اگر ان ہاتھوں سے آج کڑوی چیز بھی مل گئی تو واپس کرتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے۔

ہم بھی یہی سوچیں کہ جس پروردگار نے ہمیں ایمان عطا فرمایا، صحت دی، عزت دی، رزق دیا اور کیا کیا نعمتیں دیں۔ اگر اس کی طرف سے کوئی مشکل حالات آ بھی جائیں تو ہم بھی مصیبت کو برداشت کیا کریں۔ اسی کو کسی عارف نے یوں کہا'

؎ نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاک تیغد
سر دستاں سلامت کہ خنجر آزمائی

[کہ دشمن کے نصیب میں نہیں تھا کہ تیری تیغ سے وہ ہلاک ہوتا۔ دوستوں کے سر سلامت رہیں کہ تو ان پہ اپنے خنجر آزماتا ہے]

یہ دشمنوں کے نصیب میں کہاں، یہ نعمت تو دوستوں کو نصیب ہوئی۔ اللہ والوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دشمنوں کو تو اللہ تعالیٰ دنیا میں سب کچھ دے دیتے ہیں کیونکہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ بلا اور مصیبت والی نعمتیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو دنیا میں دیتا ہے۔ اس لئے کسی عارف نے کہا،

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے
کہ وہ تیری دی ہوئی چیز ہے

اللہ یہ غم مجھے اس لئے اچھا لگتا ہے کہ تیری طرف سے یہ مجھے ملا۔ ایک اصول کی بات یاد رکھیں کہ بے صبری کرنے سے انسان کی مصیبت نہیں ٹلتی البتہ مصیبت پر جو اجر وثواب ملنا تھا، بندہ اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ تو پھر بے صبری کا کیا فائدہ ہوا۔

صبر کی تین اقسام

صبر کی تین اقسام ہیں۔

(۱).....طاعت الٰہی پر صبر:

جب انسان نیک اعمال کرتا ہے تو اسے اپنے نفس کو تھام کر رکھنا پڑتا ہے۔ اسے نیند بھی آ رہی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود تہجد میں اٹھ جاتا ہے۔ یہ بہت بڑا مجاہدہ ہوتا ہے۔ ہر حال میں اللہ رب العزت کے حکم کی پابندی کرنا بہت بڑا صبر آزما کام ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت ملتی ہے۔ اس گناہ کو کر لینے کے لئے ماحول بالکل موافق ہے ..... ذرا توجہ کیجئے ..... جوانی کی عمر، مکان خالی، کنوارے پن کی زندگی، بے وطنی کی زندگی، کہ اپنے وطن میں تو ندامت اور شرمندگی کا احساس ہوتا ہے، باہر تو کوئی جانتا ہی نہیں ایسے میں تو جو چاہو کرو، پھر ایک عورت خود گناہ کی دعوت دے رہی ہے۔ اور دعوت ہی نہیں بلکہ دھمکی بھی ساتھ دے رہی ہے کہ تجھے جیل میں جانا پڑے گا اور پھر اس کے محکوم بھی ہیں۔ کتنے ایسے معاملات ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ بات مان لینی چاہیے۔ لیکن سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ معاذ اللہ۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یوں اپنے نفس کو تھام لینا، روک لینا صبر کہلاتا ہے۔

سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث گزرے ہیں۔ وہ حج کے سفر پر گئے ایک جگہ خیمہ لگایا۔ دو ساتھی روٹی لینے شہر چلے گئے۔ اتنے میں ایک خوبصورت بدو عورت آئی۔ اور اس نے ان کو ایک بات کہی لیکن وہ سمجھ نہ سکے۔ انہوں نے سمجھا یہ ایک مانگنے والی عورت ہے، لہٰذا انہوں نے اسے دینے کیلئے ایک روٹی اٹھائی۔ جب انہوں نے روٹی اٹھائی تو اس نے کہا کہ مجھے یہ نہیں چاہیے۔ میں تو تمہارے پاس اس لئے آئی ہوں کہ تم بھی اکیلے ہو، چلو ہم آپس میں مل کر وقت گزاریں۔ ان کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی کہ شیطان نے اپنے نمائندے کو میرے پاس بھیجا ہے تاکہ یہ مجھے اللہ سے دور کر دے۔ چنانچہ یہ خیال آتے ہی انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ آنکھوں میں آنسو۔ ان کو روتا دیکھ کر عورت پر حیا غالب آئی اور وہ چلی گئی۔ رات کو سوئے تو ان کو خواب میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے پیارے نبی! آپ کتنے عظیم ہیں کہ زلیخا نے کہا تھا..... هَيْتَ لَكَ..... لیکن آپ نے کہا تھا مَعَاذَ اللّٰهِ۔ (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں)۔ یہ بات سن کر سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو اللہ کا نبی تھا اور اللہ کی حفاظت میں تھا، میری اس بات پر اتنا تعجب نہیں، تعجب تو اس بات پر ہے کہ تمہارے سامنے عورت گناہ کا تقاضا کرتی ہے اور تم پر اللہ تعالیٰ کا اتنا خوف غالب آتا ہے کہ وہ شرمندہ ہو کر واپس چلی جاتی ہے۔

(۲).....ترک معصیت پر صبر:

اللہ رب العزت نے انسان کو گناہ چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ نفس نہیں چاہتا کہ یہ گناہ ترک کریں، لیکن اللہ کا حکم سمجھ کر صبر کرنا پڑتا ہے۔ کسی سے ناجائز تعلق تھا۔ اس سے توبہ تو کر لی لیکن بار بار یاد آتی ہے۔ ماحول بھی موافق ہے، اس کے ساتھ بات چیت بھی کر سکتے ہیں، گناہ میں ملوث بھی ہو سکتے ہیں مگر ایسے حالات میں اپنے آپ کو تھام کے رکھنا ترکِ معصیت پر صبر کہلاتا ہے۔

جب جگر مراد آبادی نے حضرتِ اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر توبہ کی تو وہ اس وقت بلانوش تھے۔ شراب پیتے تھے۔ جب شراب سے توبہ کی تو بیمار ہو گئے۔ کیونکہ یک دم جو چھوڑ دیا۔ اطبا نے کہا کہ بہتر یہ تھا کہ آہستہ آہستہ شراب کو کم کرتے اور بالآخر چھوڑ دیتے۔ آپ یک دم چھوڑنے کی وجہ سے بیمار ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اچھا اگر میں تھوڑی تھوڑی پینا شروع کر دوں تو کیا ہوگا؟ اطبا نے کہا کہ تمہاری عمر لمبی ہو جائے گی۔ پوچھا پھر کیا ہوگا؟۔ جواب ملا موت تو بالآخر آنی ہے۔ اس کے جواب میں جگر مراد آبادی کہنے لگے جب بعد میں بھی موت آنی ہی ہے۔ تو پھر میں کس لئے پیوں۔ چنانچہ انہوں نے اس مجاہدے کو برداشت کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سچی توبہ پر استقامت عطا فرمادی۔ جو لوگ سگریٹ چھوڑتے ہیں، کھانا کھانے کے بعد ان کی حالت بھی عجیب ہوتی ہے۔

(۳).....امتحان الٰہی پر صبر:

اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی امتحان آجائے تو صبر کریں۔ جیسے ام سلیم رضی اللہ عنہا نے صبر کیا۔ اللہ نے ان کو بیٹا دیا۔ ان کے خاوند ابو طلحہ ﷺ گھر پر نہیں تھے۔ ان کے آنے سے پہلے اس بچے کی وفات ہوگئی۔ بیوی نے ان کیلئے کھانا تیار کیا اور خود اپنے آپ کو بھی آراستہ کیا اور خوشبو وغیرہ لگائی۔ جب رات کو ابو طلحہ ﷺ آئے تو کھانا کھا کر پوچھا، بیٹے کا کیا حال ہے؟ کہنے لگیں، کہ اس کے سانس کو آرام آگیا ہے۔ رات کو حضرت ابو طلحہ ﷺ نے اپنی بیوی سے مباشرت بھی کی۔

جب صبح کو اٹھے تو بیوی کہنے لگیں، اگر کسی سے کوئی چیز لی جائے اور پھر وہ واپسی کا مطالبہ کرے تو کیا وہ چیز واپس کر دینی چاہیے یا دینے سے انکار کر دینا چاہیے؟ وہ کہنے لگے ضرور واپس کر دینی چاہیے۔، روکنے کا تو کوئی جواز نہیں بنتا۔ یہ سن کر کہنے لگیں، تمہارا لڑکا جو اللہ کی امانت تھا، وہ اللہ نے لے لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو

طلحہ ؓ کو بے حد افسوس ہوا اور کہا کہ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ حضرت ابو طلحہ ؓ نے یہ سارا ماجرا نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میری امت میں ایسی عورت کو پیدا کر دیا جیسے بنی اسرائیل کی صابرہ تھی۔ اور فرمایا

بَارَكَ اللّٰهُ فِيْمَا فَعَلْتُمَا فِيْ اللَّيْلِ

(اللہ تعالیٰ تمہارے رات کے عمل میں برکت دے)

نبی علیہ السلام کی بابرکت دعا سے اس رات کے عمل سے عبداللہ بن ابی طلحہ ؓ پیدا ہوئے جن کے نو بیٹے ہوئے اور وہ سب قرآن مجید کے قاری بنے اللہ اکبر!!

صبر.....قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید کی تلاوت کریں تو پتہ چلتا ہے کہ صابرین کو اللہ تعالیٰ نے اتنے انعامات دیئے کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طلباء کا مجمع ہے تو ایک طالب علم ہونے کے ناطے چند باتیں قرآن مجید میں عرض کرتا ہوں، امید ہے کہ آپ ہوش کے کانوں سے سنیں گے اور صبر کی اس کیفیت کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

صبر کرنے کا حکم

☆.....اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صبر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا (آل عمران:۲۰۰)

[اے ایمان والو صبر کرو اور استقامت اختیار کرو]

دیکھیں کہ اصبروا امر کا صیغہ ہے، مومنین کو صبر کا حکم دیا جا رہا ہے۔

☆.....ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرۃ: ۱۵۳)

(اے ایمان والو! مدد مانگو صبر اور نماز کے ذریعے)

اس کے علاوہ عدم صبر یعنی بے صبری سے منع فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ .

(الاحقاف: ۳۵)

[جس طرح اور عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں تم بھی صبر کرو اور جلدی نہ کرو]

اس آیت میں جلد بازی سے بچنے کی تلقین کی گئی اور صبر کا حکم فرمایا گیا۔

صبر کرنے پر حیرت انگیز انعامات:

صبر کرنے پر انسان کو کیا انعام ملے گا؟ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اتنے واقعات کا اعلان فرمایا ہے کہ انسان پڑھ کر حیران ہوتا ہے۔ اس کی چند مثالیں سن لیجئے۔

☆.....اللہ تعالیٰ نے اہل صبر کے ساتھ محبت کا اظہار فرمایا

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران:۱۴۶)

[اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے]

☆.....اہلِ صبر کے ساتھ اپنی معیت کا اعلان فرمایا،

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ . (البقرۃ: ۱۵۳)

[اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے]

☆.....اہل صبر کو کہا کہ یہ صبر تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ . (النحل: ۱۲۶)

[اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے]

☆.....پھر فرمایا کہ ہم صبر پر بہترین اجر عطا فرمائیں گے،

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.

(النحل: ۹۶)

[اور جن لوگوں نے صبر کیا ان کو ہم ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے]

☆.....پچھلی قوموں کی مثالیں بھی دیں کہ انہوں نے صبر کیا تو انہیں کتنا انعام ملا۔ فرمایا،

وَقَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا.

[اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو]

☆.....یہ اللہ کے نبی علیہ السلام کی طرف سے ان کو حکم دیا گیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کیا انعامات سے نوازا۔ فرماتے ہیں۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا.

[اور بنی اسرائیل کے بارے میں تمہارے رب کا وعدۂ نیک پورا ہوا ان کے صبر کے باعث]

☆.....فرمایا کہ جو انسان صبر کرتا ہے۔ اسے بغیر حساب کے اجر ملتا ہے۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (الزمر: ۱۰)

[جو صبر کرنے والے ہیں انہیں بے حساب اجر دیا جائے گا]

سلیمان بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ ہر عمل کا اجر معلوم ہے سوائے صبر کے، بندے کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں صبر پر بندے کو کیا اجر عطا فرمائیں گے۔

☆.....اہل صبر کو بشارت دی، فرمایا:

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ o اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ oاُولٰئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَّ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ o (البقرۃ: ۱۵۵۔۱۵۷)

[اور خوشخبری سنادو صبر کرنے والوں کو وہ جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں]

اللہ رب العزت کی طرف سے تین نعمتوں کی بشارت ملی۔

☆.....پھر اہلِ صبر کو صداقت اور تقویٰ کا مژدہ جانفزا سنا کر ان کی حوصلہ افزائی کی گئی، فرمایا:

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ . (البقرۃ: ۱۷۷)

[تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں]

☆.....اہل صبر کی مدد و نصرت کا وعدہ فرمایا،

بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ . (آلِ عمران:۱۲۵)

[بلکہ اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو اور وہ تم پر ایک دم سے آپڑیں تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر مدد کے لیے بھیجے گا]

حدیث پاک میں آیا ہے کہ..... وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ ..... اور جان لیں اللہ کی مدد بندے کے صبر کے بقدر ہوتی ہے۔ یعنی جتنا صبر زیادہ کرے گا اللہ تعالیٰ کی مدد اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

☆.....فرمایا اہل صبر ہی اہل عزم ہوتے ہیں،

وَ لَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنَ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (الشوریٰ:۴۳)

[اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے]

☆.....اہل صبر کو اللہ تعالیٰ حظوظِ عظیمہ عطا فرمائیں گے، چنانچہ فرمایا،

وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○ (القصص:۸۰)

[تم پر افسوس ہے اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لایا اور نیک عمل کیا مگر وہ صبر کرنے والوں کو ہی ملے گا]

☆.....اہل صبر ہی خوش نصیب ہوتے ہیں۔فرمایا،

وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ.

(حم السجدة: ۳۵)

[یہ بات ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں]

علماء نے ذوحظ عظیم کا ترجمہ ''خوش نصیب'' کیا ہے۔

☆.....اہل صبر ہی عبرت پکڑتے ہیں۔فرمایا،

اِنَّ فِيْ ذَالِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (الشوریٰ:۳۳)

[بے شک تمام صبر اور شکر کرنے والوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں]

☆.....اور اہل صبر ہی جنت میں جائیں گے۔فرمایا

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ○ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ. (الرعد:۲۳-۲۴)

[اور ان کے پاس فرشتے ہر دروازے سے آئیں گے، کہیں گے تمہارے صبر کی وجہ سے آخرت میں کیا ہی اچھا گھر ہے]

☆.....اہل صبر کو ہی اللہ تعالیٰ امامت کا منصب عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۝ (السجدہ: ۲۴)

[اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے جب وہ صبر کرتے اور وہ ہماری نشانیوں پر یقین کرتے تھے]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ. قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا. (البقرۃ: ۱۲۴)

[اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دیا، فرمایا بے شک میں تمہیں سب لوگوں کا امام بنا دوں گا]

سبحان اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر آزمائشیں آئیں اور انہوں نے صبر کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر فرمایا، میرے ابراہیم میں تمہیں انسانوں کا امام بناؤں گا۔ اس لئے سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

خَبَرُ عَيْشٍ اَدْرَكْنَاهُ بِعْدَ الصَّبْرِ.

کہ ہم نے خوشی کی خبر ہمیشہ صبر کے بعد سنی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

من كنوز البر كتمان المصائب.

[نیکی کے خزانوں میں سے ایک خزانہ یہ ہے کہ انسان پر جب کوئی مصیبت

آئے۔تو وہ اس کو دوسروں سے چھپائے]

صبر کی تین صفات:

صبر میں کچھ صفات ہوتی ہیں۔

(۱) صبر باللہ (۲) صبر للہ (۳) صبر مع اللہ

صبر باللہ کی مثال یہ ہے،

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (النحل: ۱۲۷)

[اور صبر کر اور تیرا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے]

اللہ کے لیے صبر کیسے؟ فرمایا'

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ [اور اپنے رب کے لیے صبر کیجئے] (المدثر: ۷)

صبر مع اللہ.....؟

انبیائے کرام کا صبر:

صبر کی انتہا کیا ہے؟.....صبر کی انتہا یہ ہے کہ انسان مخلوق کے سامنے اپنے خالق کے شکوے نہ کرے، البتہ اگر کوئی مصیبت، تنگی یا تکلیف پہنچے تو اپنے مالک کے سامنے ہی فریاد کرے۔انبیائے کرام علیہم السلام کو جب کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو وہ اللہ رب العزت کی طرف ہی رجوع کیا کرتے تھے۔مثال کے طور پر.....

☆.....سیدنا یعقوب علیہ السلام نے صبر کیا تو اللہ رب العزت کے حضور اپنی فریادیوں پیش کی،

اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰه (یوسف: ۸۶)

[میں تو اپنا غم اور اپنی پریشانی کا اظہار اللہ کے آگے ہی کرتا ہوں]

☆.....صبر ایوب علیہ السلام کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے، جب سیدنا ایوب علیہ السلام پر

اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان آیا تو انہوں نے اس پر صبر کیا اور اپنی فریاد اللہ کے سامنے پیش کی۔ فرمایا،

اِنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (الانبیاء: ۸۳)

[مجھے ایذا ہو رہی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے]

اللہ کو ان کا یہ صبر اتنا پسند آیا کہ رب کریم نے قرآن مجید میں ان کی تعریف کرنے کا حق ادا کر دیا۔ فرمایا،

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ (صٓ: ۴۴)

[ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا، کتنا اچھا بندہ تھا، وہ میری طرف رجوع کرنے والا تھا]

اللہ اکبر، اللہ رب العزت کی طرف سے کسی بندے کے بارے میں ایسے تعریفی الفاظ کتنے ہی مقام اور مرتبے کی بات ہے۔

☆..... نبی ﷺ پر بھی مصیبتیں آئیں۔ انہوں نے بھی صبر کیا۔ جب آپ ﷺ کو طائف میں تکلیف پہنچی تو آپ ﷺ نے عتبہ شیبہ کے باغ کے سامنے بیٹھ کر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اِلَیْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَ هَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ

[اے اللہ! میں تجھی سے شکایت کرتا ہوں اپنی کمزوری اور بیکسی کی اور لوگوں میں ذلت اور رسوائی کی]

اپنی فریاد اللہ رب العزت کے سامنے پیش کی۔ پھر اس صبر کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب طائف کے سفر سے واپس تشریف لائے تو اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو معراج کے لیے بلا لیا۔ یوں سمجھیں کہ جو شخص بھی مصیبتوں پر صبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو

روحانی معراج عطا فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ، اتنی ترقی اور بلندی عطا فرما دی جاتی ہے، اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو یہاں تک فرما دیا کہ،

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (الطور:۴۸)

[پس اے محبوب! صبر کیجیے، آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں]

جب یہ آیت اتری تو نبی علیہ السلام پر عجیب بے خودی اور جذب کی سی کیفیت تھی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ آیت سنی تو وہ اٹھیں اور انہوں نے نبی علیہ السلام کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ کا اتنا عظیم مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اے محبوب! آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، ہم آپ کو دیکھتے ہیں۔ جب محبّ کو یہ خوشی مل جائے کہ محبوب مجھے دیکھ رہا ہے تو پھر اس کے لیے کوئی تکلیف بھی تکلیف نہیں رہتی۔

رسالہ ٔ قشیریہ میں لکھا ہے کہ ایک مجرم کو کوڑے لگائے گئے تو وہ ہر کوڑے کے لگنے پر رقص کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے پتہ چل گیا تھا کہ تماشائیوں میں اس کا محبوب بھی موجود تھا اور وہ اسے دیکھ رہا تھا..... اگر دنیاوی محبوب دیکھ رہا ہوتا ہے اور کوڑے کھانے والا محبّ کوڑے کھانے پر رقص کرتا ہے تو اگر بندے کو یہ احساس ہو کہ .....فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ..... کا مژدہ جانفزا صبر کرنے پر ملتا ہے تو پھر بندے کو کتنا صبر کرنا چاہیے۔ ہمارے بعض مشائخ یہ آیت .....فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ..... لکھ کر اپنے پاس رکھتے ہیں۔ جب ان پر کوئی تنگی یا تکلیف آتی تو وہ اس آیت کو نکال کر پڑھا کرتے تھے اور وہ تنگی اور تکلیف ان کے لیے خوشی میں تبدیل ہو جایا کرتی تھی۔

اکابرین کا صبر:

ہمارے اکابرین نے کتنا صبر کیا؟..... یہ ایک لمبی داستان ہے۔ اگر ان پر مصائب اور مشکلات آئیں تو انہوں نے اپنی زبان سے کوئی غیر ضروری الفاظ نہیں

نکالے۔ کٹنا تو گوارا کر لیا مگر غیر کے سامنے جھکنا گوارا نہ کیا۔ اسی کو علامہ اقبال نے کہا،

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتداء ہے اسماعیلؑ

کہ اس امت کی حکایت سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں قربانی کیلئے تیار ہو گئے۔ باپ نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کو ذبح کر رہا ہوں۔ تو آپ علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا،

يَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرْ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

(الصّٰفّٰت:۱۰۲)

[اے ابا جان! آپ کر گزریئے، جس کا آپ کو حکم ہوا، آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنیوالوں میں سے پائیں گے]

اور اس حکایت کی نہایت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر ہوئی۔ انہوں نے بھی اپنے تقویٰ کی بات پر ایسی استقامت دکھائی کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے گھر کے کتنے ہی نوجوانوں کو شہید ہوتے دیکھا مگر ان کے پایہ استقامت کے اندر کوئی اضمحلال نہیں آیا۔ ہٹے نہیں، بکے نہیں، بلکہ اپنی جان دینا گوارا کر لی اور صبر کی ایک نئی داستان رقم کی۔

سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ کا صبر:

اللہ رب العزت نے مردوں کو بڑے دل اور بڑے حوصلے دیئے ہوتے ہیں، عورتیں کمزور دل والی ہوتی ہیں اور جلدی گھبرا جاتی ہیں مگر ایمان وہ نعمت ہے کہ جس کی وجہ سے عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ سونے کا دل عطا فرما دیتے ہیں۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ کے صبر کی مثال سن لیجئے.....

جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ٹاکرا حجاج بن یوسف کے ساتھیوں سے ہوا تو دشمن بہت زیادہ تھے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چند سو ساتھی تھے جو ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ پھر ان کو بھی اندازہ ہو گیا کہ آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔ چونکہ وہ اپنے گھر کے دروازے پر ہی تھے اس لئے ان کے دل میں خیال آیا کہ میں اپنی والدہ کو آخری وقت میں جا کر سلام ہی کر لوں۔ چنانچہ وہ اپنی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اس وقت بوڑھی ہو چکی تھیں اور آنکھوں پر موتیا اترنے کی وجہ سے بینائی چلی گئی تھی، دیکھ نہیں سکتی تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، امی! میں آپ کو آخری مرتبہ سلام کرنے آیا ہوں۔ پوچھا، بیٹا! تمہیں کس بات کی پریشانی ہے؟ عرض کیا، امی! مجھے یہ خوف ہے کہ جب یہ لوگ مجھے شہید کر دیں گے تو میری لاش کو کاٹ ڈالیں گے، قیمہ بنا ڈالیں گے، مثلہ کر دیں گے۔ بوڑھی ماں کہتی ہے، بیٹا! جب بکری کی جان نکال لی جاتی ہے تو پھر اس کی بوٹیاں کریں یا کھال اتاریں، اس سے بکری کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت نے عرض کیا، اچھا امی! میں سلام کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں اور اب واپس جا رہا ہوں ماں نے کہا، واپس تو چلے جانا لیکن جانے سے پہلے ذرا میرے قریب ہو جا، میں تیری شکل تو نہیں دیکھ سکتی، مگر میں چاہتی ہوں کہ تمہارا بوسہ لوں اور تمہارے جسم کی خوشبو سونگھ لوں۔ بالآخر ماں نے اپنے بیٹے کو رخصت کرتے ہوئے تین باتیں کہیں۔ کہا،

☆ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ عبداللہ میرا وہ بیٹا ہے جو سردیوں کی لمبی راتوں میں تیرے سامنے مصلے پر کھڑا رہتا تھا۔

☆ اے اللہ! یہ میرا وہ بیٹا ہے جو گرمی کے لمبے دنوں میں تیری رضا کی خاطر روزہ رکھتا تھا۔

☆ اے اللہ! یہ میرا وہ بیٹا ہے جس نے خدمت کے ذریعے اپنے بڑوں کا دل خوش

کر دیا، اے اللہ! تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ باہر آئے اور آتے ہی شہید ہو گئے۔

اللہ رب العزت اپنے عظیم بندوں پر اس لئے مصیبتیں بھیجتے ہیں کہ جب یہ صبر کی انتہا کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس پر اجر کی بھی انتہا کر دیں گے۔ اور وہ فرشتوں کو دکھائیں گے کہ تم کہتے تھے کہ ایسے بندوں کو پیدا کر رہے ہیں جو زمین میں جائیں گے تو فساد مچائیں گے اور خون بہائیں گے، دیکھو میرے بندوں کو یہ میرے نام کی خاطر اپنی جانیں لٹا رہے ہیں اور غیر کے سامنے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ رہے، وہ فقط میرے سامنے فریاد کر رہے ہیں، تم ذرا میرے بندوں کے صبر کو تو دیکھو۔ اللہ کے مقرب بندوں پر مصیبتیں آنے کا راز یہی ہے کہ انہوں نے ان مصیبتوں پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دکھایا۔ اسی کو کسی شاعر نے کہا،

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے قربانی دی، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دکھایا ہوگا،

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے قربانی دی، اللہ رب العزت نے فرشتوں کو دکھایا ہوگا،

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو اللہ رب العزت نے ان کی اور ان کی والدہ کی استقامت فرشتوں کو دکھا کر کہا ہوگا،

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں،

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا صبر:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ خلق قرآن کے لیے کوڑے پڑتے ہیں۔ وہ کوڑے اتنے سخت تھے کہ کوڑے لگنے کے بعد طبیب نے ان کی پیٹھ سے، گوشت کا

جو قیمہ بن گیا تھا، اس کو اپنی انگلیوں سے اٹھالیا مگر انہوں نے اس کو استقامت سے برداشت کیا۔

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

حضرت شیخ الہندؒ کا صبر:

جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا کی جیل میں قید تھے تو فرنگی بعض اوقات زمین پر انگارے ڈال دیتا اور حضرت کو اس کے اوپر لٹا دیتا جس کی وجہ سے حضرت کی کمر جل جاتی، زخم بن جاتے اور پھر رات کو نیند نہ آتی، بس یونہی بیٹھ کر رات گذار دیتے۔ آپ کے شاگرد حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے ساتھ قید تھے۔ وہ حضرت پر قربان ہوتے اور کہتے کہ آپ کو بہت تکلیفیں دی جارہی ہیں، آپ کوئی ایسا لفظ استعمال کر لیجیے جو ذو معنی ہو اور ان مصیبتوں سے جان چھوٹ جائے۔..... انگریز کہتا تھا کہ اتنا کہہ دو کہ میں تمہارا مخالف نہیں ہوں، لیکن حضرتؒ اتنے الفاظ کہنے کے لیے بھی تیار نہیں تھے..... تو شاگرد نے کہا حضرت! امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحیل لکھی اور شریعت میں حیلے کا جواز بھی ہے۔ آپ کا بھی اتنا بڑا مسئلہ ہے، آپ بھی کوئی حیلہ کر لیجیے۔ لیکن جواب میں فرمایا، حسین احمد! تم کیا سمجھتے ہو، میں بیٹا ہوں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا..... میں بیٹا ہوں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا..... میں بیٹا ہوں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا..... یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں۔ یہ میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہیں لیکن میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔ حسین احمد! میں اللہ کے دفتر سے نام کٹوا کر ان فرنگیوں کے دفتر میں اپنا نام نہیں لکھوا سکتا۔

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

اللہ رب العزت اپنے پیاروں پر یہ حالات بھیجتے ہیں تاکہ وہ صبر کی انتہا کر دیں

اور اللہ اس پر ان بندوں کو اجر دینے کی انتہا کر دیں۔

صبر کی چادر:

تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا،

وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ [صبر میری چادر ہے]

جس طرح چادر انسان کو گرمی سے بھی بچاتی ہے، سردی سے بھی بچاتی ہے اور ہر برے موسم میں حفاظت کرتی ہے اسی طرح مومن کو صبر کی چادر ہر قسم کے برے حالات میں مقابلے کی ہمت عطا فرماتی ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرما دیں اور قیامت کے دن ہمیں بھی صابرین میں شامل فرما دیں۔ آمین ثم آمین

واٰخر دعوٰنا ان الحمدلله رب العٰلمین .

رضا میری غنیمت ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرِّضَاءُ غَنِيْمَتِيْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ.

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، اَلرِّضَاءُ غَنِيْمَتِيْ (اور رضا میری غنیمت ہے) یعنی یہ میری زندگی کا نصیب العین (ObJectiv Of Life) ہے۔

بندہ مومن کی زندگی کا نصب العین:

ہر انسان زندگی میں کسی نہ کسی کو راضی کرنے میں لگا ہوا ہے۔ کوئی اپنے افسر کو، کوئی اپنے مالک کو اور کوئی اپنے محبوب کو۔ مومن اپنی زندگی میں اپنے پروردگار کو راضی کرنے میں لگا ہوتا ہے۔ یہ مومن کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے۔ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے تو ہم دو لفظوں میں جواب دیں گے کہ ''اللہ رب العزت کی رضا''۔ چنانچہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ اللہ رب العزت مجھ سے راضی ہیں تو میں ابھی اسی لمحے مرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر میرا رب مجھ سے راضی ہو چکا ہے تو نہ مجھے کہیں جانے کی خواہش ہے، نہ کسی کو دیکھنے کی خواہش ہے، نہ کسی سے بات کرنے کی خواہش ہے۔

ذاتِ الٰہی، ذکرِ الٰہی اور رضائے الٰہی کی عظمت:

اللہ رب العزت کی ذات بھی بڑی ہے، اللہ رب العزت کا ذکر بھی بڑا ہے اور اللہ رب العزت کی رضا بھی بڑی ہے۔

☆.....ہم اکثر اللہ اکبر کہتے ہیں۔ یہ اللہ اکبر کہنا اللہ رب العزت کی عظمت کا اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی بڑی ہے۔

☆.....اسی طرح اللہ تعالیٰ کی یاد بھی بڑی ہے کیونکہ ہم ''وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ'' بھی کہتے ہیں۔ یہ بات قرآن مجید میں بھی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا، حضرت! سب سے بڑا عمل کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا، کیا میں قرآن مجید سے بتاؤں؟ اس نے عرض کیا، جی ضرور بتائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے۔ ''وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ'' (اللہ کی یاد سب سے بڑا عمل ہے)۔

☆.....ایک اور چیز بھی سب سے بڑی ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ''وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ'' اور اللہ رب العزت کو راضی کرنا سب سے بڑی بات ہے۔ جس بندے نے اللہ رب العزت کو راضی کر لیا اس نے مقصود زندگی کو پالیا۔

رضا.....مشائخِ طریقت کی نظر میں:

اللہ رب العزت کی رضا کے بارے میں مشائخ طریقت میں ایک بحث چل پڑی۔

⊙.....بعض مشائخ نے کہا کہ رضا ایک کسبی چیز ہے۔ کسبی ایسی چیز کو کہتے ہیں جو محنت سے حاصل کی جا سکتی ہو۔ مشائخ نے سلوک کے دس مقامات بتائے ہیں۔ انہیں

مقامات عشرہ کہتے ہیں۔ وہ مقامات۔ توبہ..... انابت..... زہد..... ریاضت..... ورع ..... صبر..... توکل..... تفویض..... تسلیم..... اور رضا ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رضا سب سے آخری درجہ ہے جو سالک کو نصیب ہوسکتا ہے۔

⊙..... مشائخ عراق نے کہا کہ رضا احوال میں سے ہے اور احوال وہبی ہوتے ہیں۔ جو جتنا عمل اور کوشش کرلے، راضی ہونا تو اللہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ہم نماز پڑھ لیں اور نیک اعمال کرلیں تو اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوجائیں۔ ممکن ہے کہ ہم اس درجے کی عبادت نہ کرسکیں جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ دیکھیں کہ کچھ خدمت کرنے والے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو بھاگ بھاگ کر کام کرتے ہیں۔ لیکن ان کی خدمت ان کے مالک کو پسند نہیں آتی۔

⊙..... پاک و ہند کے مشائخ نے اس سلسلہ میں بہت ہی خوبصورت بات کہی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رضا کی ابتدائی کیفیت کسبی ہے اور انتہائی کیفیت وہبی ہے۔ لہٰذا اگر اس چیز کو حاصل کرنا بندے کی قدرت میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی یہ کام بندے کے ذمے نہ لگاتے کہ تم مجھے راضی کرو۔ اس لیے یہ بندے کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا جب بندہ کوشش کرتا ہے تو وہ اللہ رب العزت کی رضا کو پالیتا ہے۔ بنی اسرائیل نے ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک عجیب سوال پوچھا۔ کہنے لگے، اے اللہ کے نبی! آپ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کرنے کے لئے کوہ طور پر جاتے ہیں، آپ اللہ تعالیٰ سے یہ بات پوچھیے گا کہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ اللہ رب العزت ہم سے راضی ہے۔ یعنی ہم اپنی طرف سے تو اسے راضی کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ لیکن یہ کوشش اور محنت اللہ تعالیٰ کو راضی بھی کررہی ہے یا نہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جاکر اللہ تعالیٰ سے یہ سوال پوچھا تو اللہ رب العزت نے جواب میں ارشاد فرمایا، اے میرے پیارے کلیم! بنی اسرائیل کو جاکر کہہ دیں کہ یہ معلوم کرنا تو بہت آسان ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی

ہیں یا نہیں ۔ پوچھا، وہ کیسے؟ فرمایا، اگر یہ لوگ اپنے دلوں میں مجھ سے شکوے نہیں رکھتے ہیں تو میں پروردگار ان سے راضی ہوں۔ اور اگر یہ اپنے دلوں میں مجھ سے شکوے رکھتے ہیں تو میں پروردگار ان سے ناراض ہوں۔ چنانچہ اب کام آسان ہوگیا ہے۔ ہر بندہ اپنے دل کے اندر جھانک کر دیکھ سکتا ہے۔ اگر دل کی یہ کیفیت ہے کہ بندہ کہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے راضی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ بھی اس بندے سے راضی ہے۔ اور اگر بندے کے دل میں یہ ہو کہ اللہ نے مجھے یہ نہیں دیا، وہ نہیں دیا، میرا یہ کام نہیں کیا، میری دعا قبول نہیں کی، اس قسم کے شکووں سے دل بھرا ہوا ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی بندے سے ناراض ہوں گے۔

امورِ ثلاثہ:

محسن انسانیت ﷺ نے صبح وشام یہ دعا پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا،

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا

[میں اللہ سے راضی ہوں کہ وہ میرا پروردگار ہے، اور میں محمد ﷺ سے راضی ہوں کہ وہ میرے نبی ہیں، اور میں اسلام سے راضی ہوں کہ وہ میرا دین ہے]

یعنی بندہ یہ کہے کہ میں ان تینوں سے خوش ہوں۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی تفصیل ہے۔

ربوبیت پر راضی ہونا:

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا میں اللہ سے راضی ہوں کہ وہ میرا پروردگار ہے۔ پروردگار، رب کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں رب اس ذات کو کہتے ہیں۔ جو کسی کو درجہ بہ درجہ تدریجاً نقطہ کمال تک پہنچادے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے رب ہیں، وہ ہمیں رفتہ رفتہ پالتے ہیں اور پھر نقطہ کمال تک پہنچادیتے ہیں۔ اور اگر مجازاً دیکھیں تو ماں باپ بھی انسان کو

پالتے ہیں۔اسی لئے عربی میں یہ لفظ ماں باپ کے لئے بھی استعمال ہوا۔فرمایا،

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (الاسراء: ۲۴)

[اے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا]

لیکن ماں باپ کی ربوبیت اور اللہ رب العزت کی ربوبیت میں فرق ہے۔

انسان تو صرف اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کی پرورش فرماتے ہیں۔

انسان زمانہ حال میں پرورش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ماضی میں بھی لوگوں کی پرورش کی حال میں بھی پرورش کر رہے ہیں اور ان کی بھی پرورش کریں گے جو زمانہ مستقبل میں آئیں گے۔

مخلوقاتِ عالم اور حمدِ الٰہی:

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا،

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

[اور جو کوئی بھی چیز ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتی ہے لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے]

جب یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتی ہے تو پھر ذہن میں ایک طالبعلمانہ سوال آتا ہے کہ ٹھیک ہے شجر و حجر ذکر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر قادر بھی ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ سبز پتے بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، صاف کپڑا بھی اللہ کا ذکر کرتا ہے، مٹی کے ڈھیلے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، پانی میں مچھلیاں اللہ کا ذکر کرتی ہیں، پرندے ہوا میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور مومن بندے بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن کافر لوگ تو اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔ دہریے تو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں، وہ ذکر کیا

کریں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے، اور ہر چیز میں تو دہریے بھی شامل ہیں۔ تو پھر اس فرمانے کا کیا مطلب ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے۔

ایک مرتبہ مجھے امریکہ میں اپنے ایک دوست کے پاس جانا پڑا۔ وہ دل کے بڑے اسپیشلسٹ ڈاکٹر تھے۔ مجھے وہاں چند دن ٹھہرنا تھا۔ وہ مجھے کہنے لگے، حضرت! میں آپ کو اپنا دفتر دکھانے کے لئے لے جاؤں گا اور وہاں دعا بھی کرواؤں گا۔ میں نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ ایک دن وہ مجھے اپنے دفتر میں لے گئے۔ انہوں نے مجھے سارا دفتر دکھایا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میں یہاں دل کا بڑا اسپیشلسٹ ہوں اور پھر کہنے لگے کہ میں مختلف مشینوں کے ذریعے دل کے کام کو چیک کرتا ہوں کہ یہ ٹھیک کام کرر ہا ہے یا نہیں۔

ان مشینوں میں سے ایک مشین کا نام ایکو کارڈیو.....تھا۔ میں نے پوچھا، اس مشین کا کیا کام ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اس کے ذریعے دل میں خون کے آنے اور جانے کی پوری تصویر بھی سکرین پر آجاتی ہے۔ اور باقاعدہ اس کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ وہ مجھے کہنے لگے، حضرت! اب میں آپ کی دل کی کیفیت چیک کرتا ہوں۔ ساتھ اور بھی ساتھی تھے۔ وہ کہنے لگے، حضرت! اچھا موقع ہے۔ جب انسان پچاس سال سے اوپر ہو جائے تو اسے ٹیسٹ کرواتے رہنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے کہا، ٹھیک ہے چیک کریں۔ اب انہوں نے مشین کے ذریعے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ اس مشین کے پوائنٹس بدن کے اوپر ہی لگاتے ہیں اور سکرین پر پوری تصویر آجاتی ہے۔ دل کیسے سکڑ رہا ہوتا ہے۔ کیسے پھیل رہا ہوتا ہے، خون کو کیسے لے رہا ہوتا ہے، کیسے دے رہا ہوتا ہے، یہ پوری رنگدار تصویر آجاتی ہے۔ جب انہوں نے مجھے وہ تصویر دکھائی تو پوچھنے لگے، حضرت! کیا میں آپ کو آپ کے دل کے پمپ کرنے کی پوری آواز بھی

سنواؤں۔ میں نے کہا، سنائیں۔ چنانچہ اب انہوں نے ایک بٹن کو آن کر دیا تو ہمیں دل کی آواز سنائی دینے لگی۔ ساتھ ساتھ یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ دل باقاعدہ پیچھے سے خون لے رہا ہے اور آگے خون دے رہا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ سائنسدانوں نے کتابوں میں لکھا ہے کہ انسان کا دل لب ڈب کرتا ہے۔ یعنی جب خون اپنے اندر لیتا ہے تو اس وقت لب کی آواز پیدا ہوتی ہے اور جب خون آگے سپلائی کرتا ہے اس وقت ڈب کی آواز پیدا ہوتی ہے۔

جب انہوں نے یہ بات کی تو میں نے کہا، ڈاکٹر صاحب! ذرا ٹھہرنا۔ وہ کہنے لگے، جی کیا ہوا؟ میں نے کہا، ذرا یہ آواز غور سے سنیں، مجھے لگتا ہے کہ سائنسدانوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے، یہ آواز لب ڈب کی تو نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے، تو پھر یہ کیسی آواز ہے؟ میں نے کہا، یہ آواز تو .....رب رب .....رب رب..... کی ہے۔ جب انہوں نے بھی اس آواز پر غور کیا تو کہنے لگے، حضرت! واقعی یہ رب کا لفظ اس آواز کے بالکل قریب ہے۔ اس وقت جتنے آدمی وہاں موجود تھے ان سب نے اس آواز کو غور سے سنا اور مجھے کہنے لگے، یہ بالکل ٹھیک ہے، یہ لب ڈب کی آواز نہیں ہے بلکہ یہ تو واضح طور پر رب رب .....رب رب..... کی آواز ہے۔

میں نے کہا، ڈاکٹر صاحب! اگر یہ بات ہے تو آج مجھے ایک بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اللہ کو یاد کرتی ہے، کبھی کبھی میرے ذہن میں یہ سوال آتا تھا کہ دہریہ اللہ تعالیٰ کو کیسے یاد کرتا ہے، آج اس بات کا پتہ چلا ہے کہ دہریہ عقلی طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانے یا نہ مانے، اس کا دل ہر وقت اس کا نام لیتا رہتا ہے۔ وہ بھی رب رب، رب رب .....ہی کرتا رہتا ہے۔

یوم الست میں رب کا ذکر:

اللہ تعالیٰ کا نام ''رب'' بہت ہی عجیب نام ہے۔ اللہ رب العزت۔ یوم الست

کو اسی نام کے ذریعے وعدہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں سے پوچھا، الست بربکم۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا، بلیٰ۔ اے پروردگار آپ ہی تو ہمارے رب ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دنیا میں بھیج دیا اور فرمادیا کہ اے میرے بندو! تم دنیا میں جاؤ اور وہاں زندگی گزارو، ہم تمہیں دیکھیں گے کہ تم رب کس کو سمجھتے ہو۔ رب کہتے ہیں پالنے والے کو۔ اب آج ہر بندہ اللہ رب العزت کو تو رب نہیں سمجھتا۔ کوئی دکان کو رب سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں دکان سے پل رہا ہوں، کوئی سمجھتا ہے کہ میں دفتر سے پل رہا ہوں اور کوئی سمجھتا ہے کہ میں اپنی کھیتی سے پل رہا ہوں۔ جی ہاں، اگر ان چیزوں سے پلنے کا یقین نہ ہوتا تو انگریزی لکھے پڑھے لوگ علماء پر اعتراض کیوں کرتے کہ یہ کہاں سے کھائیں گے۔ چونکہ انہیں یہی پتہ ہے کہ ہمیں نوکری کھلا رہی ہے، ہمیں دکان کھلا رہی ہے، ہمیں کھیتی کھلا رہی ہے، اس لئے انہی چیزوں پر یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طلباء کہاں سے کھائیں گے۔ بھئی! جو پروردگار تمہیں کھلا رہا ہے وہی پروردگار ہمیں بھی کھلائے گا۔ ان کو اس بات پر یقین نہیں ہے بلکہ وہ صرف اسباب پر یقین رکھتے ہیں۔

؎ بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

قرآن مجید میں رب کا ذکر:

آپ قرآن مجید میں دیکھیں کہ اس کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ''رب'' کا نام سب سے پہلے آیا ہے۔ قرآن پاک کی سب سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اسی طرح قرآن مجید کے آخر میں بھی اللہ کے نام ''رب'' کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی آخری سورۃ، سورۃ الناس میں ارشاد فرماتے ہیں۔ قل اعوذ برب الناس۔ اس میں بھی اللہ جل

شانہ کی ربوبیت کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو ہر دوسرے چوتھے صفحے پر "رب" کا نام ملے گا۔

ادعیہ قرآنی میں رب کا ذکر:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جتنی دعائیں بھی سکھائیں، ان کے شروع میں بھی رب کا نام ہے۔ مثال کے طور پر.....

☆ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ.

☆ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّاب.

☆ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا.

☆ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا....

☆ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا....

اس طرح کی بیسیوں دعائیں قرآن مجید میں سکھائی گئی ہیں۔ جو رب کے نام سے شروع ہوتی ہیں۔ اب اس میں کیا حکمت ہے؟

ربنا سے دعا مانگنے کا راز:

اس میں ایک بڑی ہی خصوصیت کی بات ہے۔ پہلے آپ ایک مثال کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اگر ایک بچہ روئے اور اس کی ماں کا نام فاطمہ ہو اور وہ روتے ہوئے "فاطمہ! فاطمہ!" کہے تو ماں کا دل بچے کے لئے اتنا نہیں تڑپے گا، اور اگر وہی بچہ "امی! امی!" کہے تو

ماں کا دل فوراً تڑپ جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امی کہنے سے بچے اور ماں کے خاص تعلق کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ گویا بچہ امی کہتے ہوئے یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ تو ہی ہے جو مجھے پال رہی ہے، جو میری پرورش کر رہی ہے، جو میری ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے۔ تو فاطمہ کی بجائے امی کا لفظ کہنے سے ماں کا دل زیادہ بچے کی طرف کھچتا ہے۔ بالکل یہی مثال ذہن میں رکھئے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جس نام سے چاہتے ہم دعا مانگتے، ہم کہہ سکتے تھے کہ۔ یا رزاق! یہ عطا کردے۔ یا حنان! یہ عطا کردے۔ یا منان! یہ عطا کردے۔ مگر اللہ رب العزت نے فرمایا، میرے بندو! تم مجھے باقی صفاتی ناموں سے پکارو گے تو پھر بھی میں تمہاری دعا کو سنوں گا، لیکن اگر تم ایسا لفظ بولو گے جس میں میں نے کہا کہ میں تمہاری ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہوں، یعنی ''رب'' والا لفظ، تو میری رحمت جوش میں آجائے گی اور میں تمہاری ضرورتوں کو پورا کردوں گا۔ گویا ہمارا رب کا لفظ بولنا ایسا ہی ہے جیسا کہ بچے کا اپنی ماں کو امی کہہ کر پکارنا ہے۔

مرنے کے بعد اللہ کی ربوبیت کا تذکرہ:

انسان ساری زندگی اپنا یہ یقین بناتا رہتا ہے کہ اللہ میرے رب ہیں، اللہ ہی مجھے پالتے ہیں، اللہ ہی میری تمام ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد سب سے پہلے یہی سبق پوچھا جائے گا۔ مَنْ رَّبُّكَ۔ تیرا پروردگار کون ہے؟ یعنی جو سبق ساری زندگی میں یاد کیا اس کے بارے میں سب سے پہلے امتحان لیا جائے گا۔ قبر کے اندر بھی رب کا تذکرہ۔ پھر انسان قیامت کے دن کھڑا ہوگا۔ کس کے سامنے کھڑا ہوگا؟

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یہاں بھی رب کا لفظ استعمال ہوا۔

پھر پل صراط سے گزرنا پڑے گا۔ اس سے گزرتے ہوئے بھی ربوبیت کا تذکرہ ہے، فرمایا،

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (مریم: ۷۱)

[اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس پر اس کا گزر نہ ہو، یہ تیرے رب پر لازم مقرر کیا ہوا ہے]

پھر پل صراط سے گزر کر اللہ رب العزت کے سامنے ملاقات ہوگی۔ اس ملاقات کے وقت بھی اسی لفظ کا تذکرہ ہوگا، فرمایا،

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ

(انشقاق:۶)

[اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے میں خوب کوشش کرتا ہے، سو اس سے جا ملے گا]

پھر نیک لوگ جنت میں بھیجے جائیں گے۔ ان کو بھیجتے وقت بھی رب کا تذکرہ۔ فرمایا،

وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا (زمر: ۷۱)

[اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں انہیں گروہ گروہ بنا کر جنت کی طرف لے جائیں گے]

جب وہ جنت میں پہنچ جائیں گے تو بھی رب کی ربوبیت کا تذکرہ۔ فرمایا،

وَ آخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس:۱۰)

[اور ان کا آخری قول یہی ہوگا کہ خدائے رب العالمین کا شکر ہے]

گویا یوم الست سے لے کر جنت میں جا کر ہمیشہ ہمیشہ رہنے تک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تذکرہ ہوگا۔

اور جنتیوں کو اللہ کی طرف سے جو سلام ملے گا اس میں بھی رب کا لفظ

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْم (یٰسٓ:۵۸)

[پروردگار مہربان کی طرف سے سلام کہا جائے گا]

عبادت، محبت اور بیم ورجا کا محور:

ہمیں چاہیے کہ ہم عبادت، محبت اور امید اور خوف میں توحید کا دامن تھامے رکھیں۔

- عبادت کریں تو اللہ رب العزت کی کریں..... اِیَّاكَ نَعْبُدُ..... ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔
- محبت بھی اللہ رب العزت سے کریں..... وَ الَّذِیْنَ آمَنُوْ اَشَدُّ حُبًّالِلّٰہِ..... اللہ سے شدید محبت کریں۔
- امید اور خوف (بیم ورجا) بھی اللہ تعالیٰ سے کریں..... وَ اللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاہُ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم نے ڈرنا ہے تو اللہ سے ڈرو۔

(۲) رسالت ونبوت پر راضی ہونا:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دعا میں دوسری بات یہ سکھائی کہ ..... وبمحمد نبیا ..... اور میں محمد ﷺ سے راضی ہوں کہ وہ میرے نبی ہیں۔ ہم نبی علیہ السلام سے خوش ہیں کہ وہ ہماری زندگی کے امام ہیں..... دیکھیں، قاری صاحب ہمارے نماز کے امام ہیں۔ وہ ہمیں نماز پڑھاتے ہیں۔ ان کے پیچھے جتنے مقتدی کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ وہی کچھ کرتے ہیں جو قاری صاحب کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر قاری صاحب رکوع میں چلے جائیں اور ایک آدمی کہے کہ جی مجھے تو قیام میں بڑا مزہ آرہا ہے اور وہ قاری صاحب کے ساتھ رکوع میں نہ جائے تو کیا اس کی نماز ہو

جائے گی؟ نہیں ہوگی۔ ہر حال میں امام کی بات ماننی پڑے گی۔ اگر امام سجدے میں جائے تو مقتدی بھی سجدے میں جائے گا، امام التحیات میں بیٹھ جائے تو مقتدی کو بھی اٹھ کر بیٹھنا پڑے گا اور اگر امام نے سلام پھیرا تو مقتدی بھی سلام پھیر دے۔ نماز اسی صورت میں کامل ہوتی ہے جب مقتدی ہر ہر رکن میں امام کی پیروی کرے۔

اسی طرح ہماری پوری زندگی ایک نماز کی مثال ہے۔ ہماری زندگی کے امام سیدنا رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم .....کھائیں ان کی طرح .....پئیں ان کی طرح..... مسکرائیں ان کی طرح .....چلیں ان کی طرح .....دیکھیں ان کی طرح ..... کپڑے پہنیں ان کی طرح .....عبادت کریں ان کی طرح .....معاشرت اپنائیں ان کی طرح..... معیشت کمائیں ان کی طرح .....اگر ہم ہر کام ان کی طرح کریں گے تو گویا ہم ان کی اقتدا کرنے والے بن جائیں گے اور اس اتباع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہماری پوری زندگی کے اعمال کو قبول فرمالیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱)

[اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبّ کرے گا]

اس لئے ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام بے دام ہیں۔

کچھ لوگ قربانی کے لئے لیلے بکرے پالتے ہیں۔ ان کو اچھا کھلاتے ہیں، نہلاتے ہیں، خدمت کرتے ہیں اور انہیں شام کو لے کر گلیوں میں نکلتے ہیں۔ جب وہ باہر نکلتے ہیں تو انہوں نے لیلے کے گلے میں رسی نہیں ڈالی ہوتی۔ مالک آگے آگے چل رہا ہوتا ہے اور لیلا اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔ مالک رکتا ہے تو لیلا بھی رک جاتا ہے۔ مالک دائیں طرف مڑے تو لیلا بھی دائیں طرف مڑ جاتا ہے. ایسے لیلے کو ہم اپنی زبان میں ''راکھواں لیلا'' کہتے ہیں۔ جیسے راکھواں لیلا اپنے مالک کے پیچھے پیچھے رہتا ہے اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

راکھویں لیلے بن کر زندگی گزاریں۔ جیسے نبی علیہ السلام نے کیا ہم بھی ہر کام کو اسی طرح کرنے کی کوشش کریں۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰)

[جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ رب العزت کی اطاعت کی]

(۳).....دینِ اسلام پر راضی ہونا:

نبی علیہ السلام نے تیسری بات یہ سمجھائی..... وبالاسلام دینا..... اور میں اسلام سے راضی ہوں کہ وہ میرا دین ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ اسلام ہمارے سر پر کوئی مصیبت نہیں ہے۔ جبکہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ ان کو دین ایک مصیبت نظر آتی ہے۔ دین ہرگز مصیبت نہیں ہے۔ بلکہ دین تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ:۳)

[آج میں نے تم پر دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تم پر پوری کر دی]

اس سے پتہ چلا کہ دین واقعی اللہ رب العزت کی نعمت ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ ہم نے دین کو مارے باندھے قبول نہیں کیا بلکہ اپنی خوشی اور دل کی چاہت سے ہم نے دین کو قبول کیا ہے۔ ہم چھوٹے تھے تو ماں باپ نے ہمیں دین کی طرف متوجہ کیا اور اب ہم بالغ ہو گئے ہیں اور اب ہم نے اپنے اختیار سے دین کو قبول کیا ہے۔

دین اسلام میں امتیازی خوبیاں:

دین اسلام میں کچھ ایسی خوبیاں ہیں جو کسی اور طریقہ حیات میں نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر:

(۱).....دین اسلام دین توحید ہے۔توحید خالص آپ کو کسی اور دین میں نہیں ملے گی۔ اگر دنیا میں یہ چیز ملے گی تو فقط دین اسلام میں ملے گی۔

(۲).....یہ دینِ روحانیت ہے جس میں انسان کی روحانی زندگی کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔جبرائیل علیہ السلام نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو یہ سوال پوچھا.....**ما الاحسان؟** .....احسان کیا ہے؟ یہ احسان حقیقت میں انسان کی زندگی کے روحانی پہلو کا نام ہے۔

(۳).....دینِ اسلام دینِ اخلاق ہے۔اس دین میں حسنِ اخلاق کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے اتنی اہمیت کسی اور دین میں بیان نہیں کی گئی۔

(۴).....یہ رحمت اور عدل کا دین ہے۔عدل وانصاف کا جتنا پرچار دین اسلام کرتا ہے اتنا پرچار اور کوئی دین نہیں کرتا۔

(۵).....یہ علم اور علماء کا حامی دین ہے۔دین اسلام اس بات کو پسند کرتا ہے کہ علم حاصل کیا جائے اور اس کی شمعیں دنیا بھر میں روشن کی جائیں۔

(۶).....یہ دینِ اخوت ہے۔یہ دین آپس میں بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔چنانچہ فرمایا، **انما المومنون اخوۃ**.....[مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں]۔

(۷).....یہ دینِ محبت ہے۔یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت سکھاتا ہے اور مخلوق کے ساتھ بھی محبت کے ساتھ پیش آنے کا درس دیتا ہے۔

(۸).....یہ دینِ مساوات ہے۔اس دین کے اندر لوگوں کے مابین کوئی اونچ نیچ نہیں ہے۔سب اللہ کے بندے ہیں۔نماز ہی کو لیجئے۔کیا کہیں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ امیر لوگ اگلی صفوں میں کھڑے ہوں اور غریب لوگ پچھلی صفوں میں نماز پڑھیں۔جبکہ اگر دنیا داروں کی کسی تقریب میں جائیں تو امیروں کے لئے اگلی کرسیاں مختص ہوتی ہیں۔ اور غریبوں کے لئے پچھلی جگہ ہوتی ہے۔لیکن دینِ اسلام نے مساوات کا ایسا درس دیا کہ ایک ہی صف میں امیر لوگ بھی ہوتے ہیں اور غریب لوگ بھی کھڑے ہوتے ہیں۔

گورا کھڑا ہوگا تو کالا بھی کھڑا ہوگا، عربی کھڑا ہوگا تو عجمی بھی کھڑا ہوگا۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمین بوس ہوئی قومِ حجاز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

ہمارے ایک دوست ہیں، وہ کہنے لگے کہ میں سپاہی تھا اور نماز پڑھ رہا تھا اور میرا کور کمانڈر بھی میرے ساتھ آ کر نماز پڑھنے لگ گیا۔ ماشاء اللہ، ایک جنرل اور ایک عام سپاہی ساتھ ساتھ ایک ہی صف میں نماز پڑھ رہے تھے۔

ایک مرتبہ شوگر مل میں نماز کی جماعت ہو رہی تھی۔ سب مزدور قالین پر نماز پڑھ رہے تھے۔ قالین اور دیوار کے درمیان تھوڑی سی جگہ خالی تھی۔ اسی دوران مل کا مالک آیا۔ اس کو نماز پڑھنا تھی، لہٰذا اس نے اسی خالی جگہ پر نیت باندھ لی۔ سب مزدور قالین پر نماز پڑھ رہے تھے اور مل کا مالک خالی فرش پر نماز پڑھ رہا تھا۔

(۹)..... یہ دین نظام شوریٰ کو پسند کرنے والا دین ہے۔ چنانچہ فرمایا،

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوری: ۳۸)

[اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں]

(۱۰)..... یہ دین نسل، زبان اور رنگت سے بالاتر دین ہے۔ یہودیت کا ایک عجیب سا اصول ہے کہ دنیا کا کوئی بھی غیر یہودی بندہ یہودی نہیں بن سکتا۔ فرض کریں کہ ہندوستان کا کوئی بندہ ان کے پاس جا کر کہے میں یہودی بننا چاہتا ہوں تو وہ کہیں گے کہ تم یہودی بن ہی نہیں سکتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہودیت ایک نسل سے تعلق رکھتی ہے، اس نسل کا نام بنی اسرائیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف ہم یہودی ہیں، ہمارے علاوہ کوئی یہودی نہیں بن سکتا۔ لیکن دین اسلام میں نسل، رنگ اور زبان کی کوئی بات

نہیں ہے۔

(۱۱)..... یہ دینِ تقویٰ ہے۔ اس دین میں تقویٰ کو اتنا پسند کیا گیا ہے کہ اسے فضیلت کا معیار ٹھہرا دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

[بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ مرتبے والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے]

(۱۲)..... یہ دینِ صدق ہے۔ اس دین میں سچائی کو پسند کیا گیا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مومن سب کچھ ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

(۱۳)..... یہ دینِ جمال ہے۔ یہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَال

(اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے)

آپ دیکھیں گے کہ ہر کام کو اچھے سے اچھے انداز میں کرنے کو پسند کیا گیا ہے۔

(۱۴)..... یہ دین یسر ہے۔ آسان دین ہے۔ اس پر عمل کرنا بہت ہی آسان ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا،

اَلدِّیْنُ یُسْرٌ [دین آسان ہے]

دین کی ان خوبیوں کی بنیاد پر آج ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم فقط ماں باپ کے کہنے پر مسلمان نہیں ہوئے بلکہ ہم اپنے دل کے اقرار سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم نے اپنے لئے تیرے دین کو پسند کیا، یہ ہماری زندگی کا دین ہے۔

رضا کی علامات:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے پتہ چلے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور دین اسلام سے راضی ہے یا نہیں۔ اس کی چند علامات ہیں۔

(۱).....اس کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کو قبول کرے، تقدیر کو مانے، اللہ کے دین پر راضی رہے۔ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا پر راضی نہیں ہوتے۔ وہ شکوے کرتے رہتے ہیں کہ یہ کیوں نہ دیا، وہ کیوں نہ دیا۔ ایک بزرگ فرماتے تھے، اے دوست! اگر تجھے کھانے میں سڑی ہوئی سبزی ملے تو سبزی کو نہ دیکھنا بلکہ اس بات کو دیکھنا کہ جب اللہ رب العزت نے رزق کو تقسیم کیا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے یاد رکھا تھا۔

(۲).....دوسری علامت عدم عطا پر راضی ہونا ہے۔ اگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے نہیں دی تو اس پر بھی راضی رہے۔ مثلاً دنیا والوں کو دنیا کی عیش دی گئی تو کیا ہوا۔ ہمیں اللہ رب العزت نے چٹائیوں پر بٹھایا ہے ہم اس پر بھی راضی ہیں۔

رضينا قسمة الجبار فينا

لنا علم لِلْجُهَّال مال

(۳).....تیسری علامت یہ ہے کہ اگر انسان پر قبض کی کیفیت ہو تو پھر بھی وہ اللہ کی عبادت میں لگا رہے۔ بعض اوقات بندے پر ایسا حال ہوتا ہے کہ طبیعت کسی کام کو کرنے کے لئے نہیں چاہتی۔ اس کے اندر بے ذوقی ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو قبض کہتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اس حال میں بھی عبادت میں لگا رہے تا کہ پتہ چل جائے کہ یہ بندہ عبد اللطیف ہے یا عبد اللطف ہے۔ کئی بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اگر لطف آئے تو نوافل بھی پڑھتے ہیں۔ اور اگر لطف نہ آئے تو نمازیں بھی چھوٹ جاتی ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم عبد اللطف نہ بنیں بلکہ عبد اللطیف بنیں۔ اگر بسط کی کیفیت ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے اس کی اطاعت کریں۔ جس کا کھایئے اس کے گیت گایئے۔

مخلوق کو راضی کرنے کی فکر:

آجکل ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ اللہ کی رضا کی بجائے مخلوق کی رضا تلاش کرتے

ہیں۔ مثال کے طور پر جب شادی کا موقع آتا ہے تو ہر بندہ چاہتا ہے کہ سب رشتہ داروں کو راضی کرلو۔

.....یہ بھی بنالو۔۔۔ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔

.....انتظام ایسے کرلو۔۔۔ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔

.....جہیز اتنا بنالو۔۔۔ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔

.....کھانا ایسا بنالو۔۔۔ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔

.....یہ رسم بھی پوری کرلو۔۔۔ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔

.....وہ رسم بھی پوری کرلو۔۔۔ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔

جب ذہن میں یہ ہوگی کہ لوگ کیا کہیں گے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ لوگوں کو راضی کرنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ روٹھے ہوئے رشتہ داروں کو بھی شادی کے موقع پر راضی کرلیا جاتا ہے۔

.....ماموں ناراض تھا۔۔۔جا کر منالیا۔

.....سالا ناراض تھا۔۔۔جا کر منالیا۔

.....بہن ناراض تھی۔۔۔جا کر منالیا۔

.....بھائی ناراض تھا۔۔۔جا کر منالیا۔

.....چھوٹے ناراض تھے۔۔۔ان کو بھی جا کر منالیا۔

.....حتیٰ کہ ہم نے دیکھا کہ گھر کی کوئی نوکرانی روٹھ کر چلی جائے تو اس کی طرف بھی بندہ بھیج دیتے ہیں، جی اس سے کہیے کہ غلطی ہوگئی ہے، ہم نے تمہیں ڈانٹ دیا ہے، تم ناراض ہوگئی ہو، شادی کا موقع ہے، چلو تم واپس ہمارے گھر آجاؤ۔

تو شادی کے موقع پر رشتہ داروں کو بھی راضی کرلیا، محلہ داروں کو بھی راضی کرلیا، دوستوں کو بھی راضی کرلیا، گھر کے نوکروں اور خادموں کو بھی راضی کرلیا، کیا شادیوں

کے موقع پر کوئی یہ بھی دیکھتا ہے کہ میں نے اللہ کو بھی راضی کیا ہے یا نہیں کیا۔ یاد ہی نہیں ہوتا۔

نکاح کے بغیر رخصتی:

لاہور میں ایک شادی ہوئی۔ لڑکی کے باپ نے ایک سال پہلے اس کی پلاننگ شروع کر دی۔ مکان نیا بنالیا۔ جو چیزیں خریدنی تھیں ان کی مکمل لسٹ بنالی۔ جہیز کے لئے ایک ایک چیز خریدی گئی۔ پھر شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔ بارات ہوٹل میں آئے گی، بارات کو کھانا ہوٹل میں دیا جائے گا۔ دعوتی کارڈ بھیجے گئے۔ اس نے کہا کہ میں بارات کے ساتھ آنے والے ہر بندے کو ہزار روپے کا ہار پہناؤں گا۔ چنانچہ دولہا کے ساتھ بارات میں جتنے بندے گئے ان سب کے گلے میں اس نے ایک ایک ہزار روپے کا ہار ڈالا۔ معلوم نہیں کہ دولہے کو کیا دیا ہوگا۔ اس نے باراتیوں کو کھانا بھی ایسا کھلایا کہ کوئی حد ہی نہ تھی۔ سب امور احسن طریقے سے انجام پائے۔ بالآخر دلہن کی رخصتی ہوگئی۔

جب رخصتی کو آدھا گھنٹہ گزر گیا تو کسی عورت نے اس لڑکی کی ماں سے پوچھا، جی لڑکی کا حق مہر کتنا مقرر ہوا ہے؟ اس نے کہا، مجھے تو نہیں پتہ، میں اپنے میاں سے پوچھتی ہوں۔ اس نے اپنے میاں کو فون کر کے پوچھا کہ حق مہر کتنا مقرر کیا ہے، اس نے جواب میں کہا کہ اوہو! نکاح تو کیا ہی نہیں۔ اللہ کی پناہ! انہوں نے بغیر نکاح کے بیٹی کو اپنے گھر سے رخصت کر دیا۔ پھر بارات والوں کو فون کیا کہ جہاں تک پہنچے ہو وہیں راستے میں رک جاؤ۔ فون کرنے پر بارات راستے میں رکی اور اب مولانا صاحب کو وہاں لے گئے اور سڑک پر کھڑے کھڑے نکاح کر دیا..... اللہ معاف کرے، یہ تو خدا کو راضی کرنے کا حال ہے کہ سارا سال پلاننگ ہوتی رہی اور بالآخر بیٹی رخصت ہوگئی، لیکن ان کے کاغذوں میں یہ بات ہی نہیں تھی کہ نکاح بھی ہونا ہے یا

نہیں ہونا۔

ایک دلچسپ حکایت:

ہم لوگ ہر موقع پر لوگوں کو راضی کرنے میں لگے ہوتے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ بندہ دوسرے بندوں کو کبھی راضی نہیں کر سکتا۔ ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں جانے لگا۔ ان کے پاس ایک گدھا تھا۔ باپ گدھے پر آگے بیٹھ گیا اور اس نے اپنے بیٹے کو پیچھے بٹھالیا۔ جب ایک آبادی سے گزرے تو لوگوں نے دیکھ کر کہا، دیکھو، گدھا بے چارا ایک ہے اور اس پر دو بندوں نے سواری کی ہوئی ہے۔ جب اس آدمی نے یہ بات سنی تو اس نے دل میں سوچا کہ لوگ اس بات کو محسوس کر رہے ہیں تو میں بچے کو نیچے اتار دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے بچے کو نیچے اتار دیا۔ آگے گیا تو لوگوں نے دیکھ کر کہا، اندازہ کرو کہ خود اوپر بیٹھا ہے اور چھوٹے سے بچے کو پیدل چلا رہا ہے۔ اس نے یہ سن کر کہا کہ میں بچے کو اوپر بٹھا دیتا ہوں اور خود پیدل چل لیتا ہوں۔ اب اس نے بچے کو اوپر بٹھا دیا اور خود پیدل چلنا شروع کر دیا۔ کسی نے دیکھا تو کہا، اس کا حال دیکھو کہ گدھے پر ایک چھوٹے سے بچے کو بٹھایا ہوا ہے اور خود پیدل چل رہا ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اب میں کیا کروں۔ بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ گدھے پر بیٹھتے ہی نہیں۔ اب باپ بیٹے نے پیدل چلنا شروع کر دیا۔ کسی نے دیکھا تو کہا، یہ بڑے بے وقوف ہیں، پاس گدھا بھی ہے اور پھر بھی پیدل چل رہے ہیں۔ اب وہ اور زیادہ پریشان ہوا کہ کریں تو کیا کریں۔ پھر اسے ذہن میں خیال آیا کہ ہم گدھے کو اٹھا لیتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ گدھے کو اٹھانے لگے تو گدھے نے بھی ان کو دولتیاں ماریں اور اوپر سے لوگوں نے کہا، ذرا اس بندے کا حال دیکھو کہ گدھے کو سر پر اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ آخر میں انہوں نے یہ کہا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم بندوں کو کبھی راضی کر ہی نہیں سکتے۔

بچے کو راضی کرنا مشکل ہے:

ایک بندے نے شادی کے لئے پورا انتظام کرلیا۔اس کا خیال تھا کہ میں سب کو راضی کرلوں گا۔ جو شادی میں شامل ہو گئے وہ تو راضی ہو گئے اور جو نہ آئے انہوں نے کہا کہ ہمیں تو اس نے بلایا ہی نہیں ہے۔ یوں وہ ناراض ہو گئے۔لو جی، اتنا کچھ کر کے بھی کچھ ناراض ہو گئے۔ جیسے بچے کو راضی نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح لوگوں کو بھی راضی نہیں کیا جا سکتا۔اللہ ہی انہیں راضی کرے۔

ایک بادشاہ تھا۔اس نے اپنے وزیر سے کہا، کسی وقت اپنے بچے کو اپنے ساتھ لے آنا۔ میں چاہتا ہوں کہ میں بچے کو پاس بٹھا کر پیار کروں۔ چنانچہ وہ اپنے بچے کو لے آیا۔ بچہ رونے لگ گیا۔ بادشاہ نے کہا، یہ کیوں رو رہا ہے؟ اس نے کہا، جی یہ کبھی کوئی مطالبہ کرتا ہے اور کبھی کوئی، میرے لئے اس کی ہر بات پوری کرنا مشکل ہے۔ بادشاہ نے کہا، یہ کونسا مشکل ہے، جو کہتا ہے پورا کر دو۔اس نے کہا، بادشاہ سلامت! میں اس کی ہر خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے کہا، لاؤ اس کی ہر بات میں پوری کرتا ہوں۔ بچے نے رونا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا، کیا چاہیے؟ اس نے کہا، ہاتھی چاہیے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک ہاتھی لایا جائے۔لو جی ہاتھی آ گیا۔ بچے نے تھوڑی دیر اس کو دیکھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ رونے لگا۔اب تجھے کیا چاہیے؟ اس نے کہا، سوئی چاہیے۔ بادشاہ نے کہا، بھئی! اسے سوئی لا دو۔ چنانچہ بچے کو سوئی لا کر دے دی گئی۔تھوڑی دیر کے بعد بچہ پھر رونے لگا۔ بادشاہ نے کہا، اب کیوں رو رہے ہو؟ وہ کہنے لگا، اس ہاتھی کو سوئی کے سوراخ میں سے گزارو۔

امیر شریعتؒ کا ایک دلچسپ اور فکر انگیز واقعہ:

امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مرشد عالم

رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے گہرے دوست تھے۔ آپ سید تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت خصوصیات سے نوازا تھا۔ آپ کو نور ولایت حاصل تھا۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کی طبیعت کے اندر مزاح تھا اور آپ نے اپنے مزاح میں اپنی ولایت کو چھپایا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ شاہ جی میانوالی کی جیل میں کافی عرصہ بند رہے۔ جب وہاں سے رہا ہوئے تو گھر جانے کا ارادہ کیا۔ گھر جاتے ہوئے خیال آیا کہ بڑے عرصے کے بعد گھر جا رہا ہوں، ذرا بن سنور کر ہی چلے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سر اور داڑھی کے بالوں پر سیاہ خضاب لگا لیا۔ اور بالکل نوجوان نظر آنے لگے۔ گھر کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گئے۔ اب جیسے ہی بیوی کی نظر پڑی تو اس نے سوچا کہ یہ کالی داڑھی والا کوئی نوجوان لڑکا گھر میں آ گیا ہے۔ لہٰذا اس نے فوراً پردہ کیا اور کمرے کی طرف بھاگ پڑی۔ جب وہ کمرے کی طرف بھاگی تو شاہ جی کہنے لگے، او خدا کی بندی! میں نے تیری خاطر منہ کالا کیا اور تو بھی مجھ سے دور بھاگتی ہے..... اس سے پتہ چلا کہ اگر مخلوق کی خاطر منہ کالا بھی کر لو تو پھر بھی مخلوق دور بھاگتی ہے۔ لہٰذا مخلوق کو راضی کرنا مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا آسان ہے۔ جو شخص اللہ کو راضی کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو اس بندے پر راضی کر دیتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں ..... ربا تو راضی تے سارا جگ راضی .....

ایک مختصر اور جامع نصیحت:

ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا کہ آپ امت کی ماں ہیں، آپ مجھے کچھ نصیحت کریں۔ اس کے جواب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کو ایسی مختصر اور جامع نصیحت کی کہ انہوں نے ام المومنین ہونے کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا:

''اگر آپ اللہ تعالیٰ کو راضی کریں گے اور اللہ رب العزت کو راضی کرنے کے دوران مخلوق ناراض بھی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو تم سے راضی کر دیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرو گے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں میں تمہارا بغض ڈال دیں گے اور وہ بھی تم سے ناراض ہو جائیں گے۔''

تین آدمیوں کی نجات کا واقعہ:

بنی اسرائیل کے جو تین آدمی بارش میں پھنس گئے تھے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اللہ کی رضا کی خاطر اپنی ماں کی خدمت کرتا تھا۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے تجارت کی اور اللہ کی رضا کے لئے اپنے بھائی کے رزق کا خیال رکھا اور امانت میں خیانت نہ کی۔ اور تیسرے نے کہا کہ میں اللہ کی رضا کے لئے زنا سے بچ گیا۔ چونکہ تینوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو ہٹا دیا اور ان تینوں کو اس آزمائش سے نجات عطا فرما دی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور رضائے الٰہی:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ امیر لشکر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف خط بھیجا کہ اس خط کے ملنے کے بعد آپ ایک عام سپاہی ہوں گے اور جو خط لانے والا ہے وہ امیر لشکر ہوگا، اگر آپ واپس میرے پاس آنا چاہیں تو آ جائیں اور اگر عام سپاہی کی حیثیت سے لڑنا چاہیں تو بھی آپ کو اجازت ہے۔ تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک عام سپاہی بن کر لڑنا پسند کیا۔ بعد میں کسی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے پوچھا، حضرت آپ کچھ دیر پہلے پوری فوج کے سپہ سالار تھے اور اب ایک عام سپاہی کی حیثیت سے لڑ رہے ہیں۔ کیا آپ نے اس بات کو محسوس نہیں کیا؟ فرمایا، مجھے تو کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔ پوچھا، کیوں نہیں محسوس ہوا؟ فرمایا، جب میں امیر لشکر بن کر لڑ رہا

تھا اس وقت بھی میرا مقصد اللہ کی رضا تھا اور جب میں ایک عام سپاہی بن کر لڑ رہا تھا تو اس وقت بھی میرا مقصد اللہ کی رضا تھا۔

ایک مجاہد صحابی رضی اللہ عنہ کا حیران کن واقعہ:

جب مدائن فتح ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اعلان کروایا کہ جس مجاہد کے پاس غنیمت کا جو بھی مال ہے۔ وہ لا کر جمع کروا دے۔ چنانچہ لوگوں نے اپنے پاس موجود غنیمت کی چیزیں جمع کروانا شروع کر دیں۔ اس دوران میں ایک آدمی آیا۔ اس کے کپڑے پھٹے پرانے سے تھے۔ لگتا تھا کہ وہ اتنا امیر بندہ نہیں تھا۔ اس نے رومال میں کوئی چیز لپیٹی ہوئی تھی۔ وہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا، حضرت! میرے پاس یہ ایک امانت ہے، مجھے ملی تھی، اب آپ لے لیجئے۔ جب حضرت نے رومال کھول کر دیکھا تو وہ مدائن کے بادشاہ کا تاج تھا۔ اس تاج کے اندر بڑے قیمتی ہیرے اور موتی تھے۔ فوج میں سے کسی اور آدمی کو پتہ بھی نہیں تھا کہ بادشاہ کا تاج کس کے پاس ہے۔ حضرت کو بڑی حیرانی ہوئی کہ اگر یہ بندہ اسے اپنے پاس رکھ لیتا اور ایک ہیرا بیچتا تو اس کی زندگی ٹھاٹھ سے گزرتی، لیکن یہ اتنا امانت دار ہے کہ اس غریب سے بندے نے یہ چیز بھی لا کر دے دی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس بندے سے پوچھا، اے مجاہد! تیرا نام کیا ہے؟ حضرت کے پوچھنے پر اس مجاہد نے فوراً اپنا رخ جانے کے لئے بدلا اور چلتے ہوئے کہنے لگا،

''اے امیر لشکر! جس اللہ کی رضا کے لئے میں نے یہ عمل کیا ہے، وہ اللہ میرا نام بھی جانتا ہے اور میرے باپ کا نام بھی جانتا ہے''۔

ایک عارفانہ نکتہ:

یہاں ایک اور نکتہ بھی سمجھ لیں ..... کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا

نے ایک ہاتھ میں آگ اٹھالی اور دوسرے میں پانی اٹھالیا۔ کسی نے پوچھا، جی آپ کہاں جارہی ہیں؟ کہنے لگیں، لوگ یا تو جہنم کے ڈر سے عبادت کرتے ہیں یا پھر جنت کی طلب میں عبادت کرتے ہیں، اللہ کے لئے نہیں کرتے، لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ اس پانی سے جہنم کو بجھا دوں اور جنت کو یہ آگ لگا دوں تا کہ لوگ اللہ کے لئے عبادت کریں۔

بعض لوگ اس واقعہ کو بڑے شوق سے بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ واہ واہ، رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا کیا ہی مرتبہ تھا..... امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں یہ بات لکھی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر رابعہ بے چاری راز سے واقف ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتی۔ کیونکہ جب اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں خود کہہ دیا ہے..... وَاللّٰہِ یَدْعُ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ..... (اور اللہ تمہیں سلامتی والے گھر کی طرف بلاتا ہے)۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے جنت مانگنا، اللہ کی رضا اور منشا کے عین مطابق ہے۔ اس لئے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ روزہ دار کو چاہیے کہ وہ دعا مانگے،

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ

(اے اللہ ہم آپ سے جنت کا سوال کرتے ہیں اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں)

اب پتہ چلا کہ جو صحیح معنوں میں عارف ہوتے ہیں وہ ہر چیز کو قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھتے ہیں۔

ایک حدیث قدسی:

حدیث قدسی میں آیا ہے،

''اے میرے بندے! ایک تیری مرضی ہے اور ایک میری مرضی ہے۔ اگر تو چاہے کہ وہ پورا ہو جو تیری مرضی ہے تو اے میرے بندے میں تجھے تھکا بھی

دوں گا اور تیری مرضی کو بھی پورا نہیں ہونے دوں گا اور اگر تو یہ چاہے کہ وہ پورا ہو جو میری مرضی ہے تو اے میرے بندے! میں تیرے کاموں میں تیری کفایت بھی کروں گا اور تیری مرضی کو بھی پورا کر دوں گا''۔

رضائے الٰہی کا اعلان:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو انہیں وہاں ہر نعمت ملے گی۔ اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ہمکلامی فرمائیں گے۔ اے جنتیو! کیا تمہیں ہر نعمت مل گئی ہے؟ جنتی عرض کریں گے، یا اللہ! ہمیں جنت میں ہر نعمت مل گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے، کیا کچھ اور بھی چاہیے؟ وہ کہیں گے، یا اللہ! ہمارے پاس ہر چیز موجود ہے لہٰذا ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے، اچھا تم اپنے علماء سے پوچھو کہ کچھ اور چاہیے یا نہیں چاہیے..... اللہ کی شان دیکھیں کہ جنت میں بھی علما کی ضرورت پڑے گی۔ آج یہ انگریزی پڑھے لکھے، کرسیوں پر بیٹھنے والے کہتے ہیں کہ علما کس کام کے ہیں، اگر یہ جنت میں پہنچ گئے تو ان کو وہاں بھی مولویوں کی ضرورت پڑے گی..... اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اپنے علما سے پوچھو! روایت میں آیا ہے کہ لوگ جہاں جمعہ پڑھتے ہوں گے وہاں کے عالم کے پاس جائیں گے اور ان کے پاس جا کر کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے علماء سے جا کر پوچھو کہ کیا تمہیں کچھ اور چاہیے یا نہیں چاہیے۔ علماء کہیں گے، جی ہاں، ہمیں جنت میں ہر نعمت مل گئی ہے لیکن ابھی ہمیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا دیدار مانگیں۔ چنانچہ اب جنتی کہیں گے، یا اللہ! ہمیں اپنا دیدار عطا فرمایئے، ..... کیونکہ آپ کا ہمارے ساتھ وعدہ تھا..... ولدینا مزید..... لہٰذا اللہ تعالیٰ پھر ان کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔

محبوب کا دیدار نصیب نہ ہو تو مزہ ہی کیا ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا،

دیکھی نبض جو میری تو کاغذ لیا
کچھ دیر سوچا ، عشق کا بیمار لکھ دیا
قربان کیوں نہ جاؤں میں ایسے طبیب پر
نسخے میں جس نے شربتِ دیدار لکھ دیا

تو جنتیوں کو بھی شربت دیدار ملے گا۔ جب ان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا اور جنتیوں کو ہر چیز مل جائے گی تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے، کیا کوئی اور چیز بھی چاہیے؟ جنتی کہیں گے، یا اللہ! اب تو آپ کا دیدار بھی مل گیا ہے، اب ہم آپ سے اور کیا مانگیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا ان نعمتوں کے ملنے کے بعد اب تم مجھ سے راضی ہو؟ .....تو سب جنتی کہیں گے، اے اللہ ہم آپ سے راضی۔ جب جنتی یہ بات کریں گے، تب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے،

''جنتیو! میں آج اعلان کرتا ہوں کہ میں تم سے راضی ہوں اور آج کے بعد میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا''۔

جنتی لوگوں کو جو خوشی اس مقام رضا کے ملنے پر ہوگی وہ خوشی پہلے کبھی نہیں ملی ہوگی۔ اس لئے فرمایا..... وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَر ..... (اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی ہے)۔ یعنی بندہ اللہ سے راضی اور اللہ بندے سے راضی .....اس کو کہا گیا،

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً o

(الفجر: ۲۷۔۲۸)

[اے اطمینان والی روح تو چل اپنے رب کی طرف تو اس سے رضی وہ تجھ سے راضی]

تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ..... اللہ اکبر!!!..... یہ ہے زندگی کا مقصود۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسی زندگی گزاری کہ انہوں نے نبی ﷺ کو خوش کر دیا۔ اور نبی ﷺ کی خوشی پر اللہ تعالیٰ خوش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، اے میرے صدیق! تو نے میرے محبوب ﷺ کو راضی کیا ..... وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ..... جب تو قیامت کے دن ہمارے پاس آئے گا تو اس وقت ہم آپ کو راضی کر دیں گے

اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو فرماتے ہیں، اے میرے پیارے حبیب ﷺ! آپ مجھ سے راضی ہیں، لہٰذا..... وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى..... کہ تیرا رب تجھے اتنا عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو بس بس کرے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ شان تھی کہ وہ اللہ سے راضی تھے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھے۔ چنانچہ فرمایا،

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ. (البینة: ۸)

[اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی]

اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بات کہتے تھے، ''اللہ میرے لئے یہ عزت کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے اور میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں''۔

اللہ کی رضا مانگا کریں:

اگر ایک لفظ میں اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنا ہو تو کیا مانگو گے؟ کئی ایسے ہوں گے جو بیوی مانگیں گے..... کیا مانگیں گے؟ ..... اللہ کی رضا مانگیں گے۔ اس لئے کہ جب اللہ راضی ہو جائے گا تو جنتی نعمتیں ملیں گی، ان نعمتوں میں سے ایک نعمت بیوی بھی ہوگی۔ بس ایک چیز ذہن میں رکھو کہ اللہ سے اللہ کی رضا مانگنی ہے۔ عمل کا مقصد، بھی اللہ کی رضا ہے..... نماز کا مقصد، اللہ کی رضا..... تلاوت کا مقصد، اللہ کی رضا..... دین کا علم حاصل کرنے کا مقصد، اللہ کی رضا..... دین کی بات آگے پہنچانے کا مقصد، اللہ کی رضا

.....اگر آپ ہر کام میں اللہ کی رضا کو اپنا مقصد بنائیں گے تو سمجھ لیں کہ آپ نے زندگی کے مقصد کو سمجھ لیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا نصیب فرمادے۔آمین ثم آمین

و آخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العٰلمین

عاجزی میرا فخر ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعَجْزُ فَخْرِىْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ.

عاجزی کا مطلب:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

اَلْعَجْزُ فَخْرِىْ (عاجزی میرا فخر ہے)

بعض روایات میں اَلْفَقْرُ فَخْرِىْ (فقر میرا فخر ہے) بھی آیا ہے۔ مگر صاحب مجمع البحار نے ..... اَلْعَجْزُ فَخْرِىْ..... کی بھی تصدیق کی ہے۔

کسی کے سامنے اپنے آپ کو کم سمجھنا اور اس کے ساتھ اس طرح پیش آنا جیسے کوئی کسی بڑے کے ساتھ پیش آتا ہے، عاجزی کہلاتا ہے۔ عاجزی افضل ترین عبادات میں سے ہے بشرطیکہ یہ شریعت کے مطابق ہو۔

ایک جامع الآداب عبادت:

شریعت نے نماز کو بہترین عمل کہا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو نماز پوری، کی پوری عاجزی ہی کی مثال ہے۔ ایک آدمی کسی بڑے کو دیکھ کر تین طرح سے اس کا ادب کرتا

ہے۔ یا تو وہ اسے دیکھ کر کھڑا ہو جائے گا، یا اس کے سامنے جھک جائے گا، یا پھر اس کے قدموں میں پڑ جائے گا۔ نماز ان تینوں طریقوں کا مجموعہ ہے۔ قیام میں انسان ادب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے، رکوع میں اللہ رب العزت کے سامنے جھک جاتا ہے اور سجدے میں انسان اللہ رب العزت کے سامنے اپنی پیشانی زمین پر ٹیک دیتا ہے۔

تکبر کی شناعت:

انسان کی یہ فطرت ہے کہ اسے کوئی کامیابی ملے یا اس کی مرضی کے مطابق کام ہو جائیں تو وہ اپنے آپ کو کوئی چیز سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے اندر ''میں'' آ جاتی ہے۔ یہ ''میں'' انسان کے لئے بہت ہی نقصان دہ ہوتی ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا،

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ

[وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو]

انگریزی میں ذرہ ایٹم کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک ایٹمی بیماری ہے۔ جس طرح لوگ ایٹمی ہتھیاروں سے ڈرتے ہیں کہ یہ بہت زیادہ تباہی پھیلاتے ہیں، اسی طرح تکبر بھی انسان کی روحانیت میں بہت زیادہ تباہی پھیلا دیتا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ شیطان جنوں میں سے تھا اور بڑا عبادت گزار تھا۔ حتی کہ وہ طاؤس الملائکہ کہلاتا تھا۔ لیکن اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دربار سے دھتکار دیا اور فرمایا،

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ

[نکل جا یہاں سے، تو مردود ہے]

اللہ کے دربار سے اس کے نکلنے کا کیا سبب بنا؟ .....اس کا تکبر دربار الٰہی سے نکلنے کا سبب بنا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا، .....اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (آدم علیہ

السلام کی طرف سجدہ کرو)..... لیکن..... اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ (اس نے انکار کیا اور تکبر کیا)..... وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْن (اور نہ ماننے والوں میں سے بن گیا)..... پتہ چلا کہ تکبر ایک ایسی بری چیز ہے جو اتنے عبادت گزار بندے کو بھی اللہ کی درگاہ سے مردود کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ہزاروں سال کی عبادت کو ٹھوکر لگا دی۔

تواضع.....رفعت شان کا سبب:

اس کے بالمقابل تواضع ہے۔ اپنے آپ کو جھکانے اور مٹانے کا نام تواضع ہے۔ اگر یہ تواضع اللہ کے لئے ہو تو یہ محمود ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے،

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ

[جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی، اللہ نے اس کو بلندی عطا کر دی]

یہ بھی تواضع کی علامت ہے کہ انسان معمولی کام کرنے پر اپنے نفس میں بوجھ محسوس نہ کرے۔ کئی مرتبہ انسان کسی چھوٹے سے کام کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔ بھئی! شان تو اللہ ہی کو سجتی ہے۔ بندے کی کیا شان ہے۔ اس لئے ہمارے اکابر معمولی کام کو بھی اپنے لئے برا نہیں سمجھتے تھے۔ وہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔ وہ قولاً یا فعلاً کوئی ایسا عمل نہیں کرتے تھے جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ کچھ ہیں۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کوئی ظاہری یا باطنی نعمتیں عطا فرماتے تھے تو وہ ان پر اتراتے بھی نہیں تھے، بلکہ پھر بھی تواضع اختیار کرتے تھے۔

پیر فضل علی قریشیؒ کی تواضع:

ایک مرتبہ حضرت مولانا پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر سے مسجد میں تشریف لے آئے اور وہاں جتنے بھی ذاکرین موجود تھے ان سب کو اکٹھا کر لیا۔ جب سب مرید آ کر بیٹھ گئے تو حضرت نے فرمایا، فقیرو!..... پھر خاموش ہو گئے۔ لوگ

حیران ہوئے کہ حضرت کیا کہنا چاہتے ہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا، بھئی! ایک مرتبہ کچھ ایسا معاملہ بنا کہ میرے پیٹ میں ہوا بھر گئی اور بہت ہی تکلیف دہ کیفیت بن گئی۔ ہوا پیٹ سے خارج نہیں ہو رہی تھی اور مجھ سے تکلیف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ میرا پیٹ پھول گیا کہ میں زمین پر لیٹ کر تڑپنے لگ گیا اور مجھے دن میں تارے نظر آنے لگے۔ سب لوگ سوچنے لگے کہ یہ بھی کوئی بتانے والی بات ہے۔ جب کافی دیر تک حضرتؒ اس کی تفصیل بتاتے رہے تو پھر بعد میں ایک سوال پوچھا۔ فرمایا، فقیرو! جو شخص اپنے پیٹ سے گندی ہوا کے خارج ہونے کا محتاج ہو، کیا وہ بھی کوئی بڑا بول بول سکتا ہے۔ سب نے کہا، نہیں۔ جب سب نے نفی میں جواب دیا تو پھر حضرتؒ نے بات شروع کی کہ آج رات مجھے خواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی اور اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا،

"فضل علی قریشی! تو نے متبع سنت لوگوں کی ایسی جماعت تیار کی ہے کہ من حیث الجماعت اس وقت پوری دنیا میں کہیں بھی ایسی جماعت موجود نہیں ہے"۔

دراصل حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ خواب سنانا چاہتے تھے، لیکن دل میں محسوس کیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ اپنا مقام بیان کر رہے ہیں۔ گویا انہوں نے اپنے نفس کو پہلے دوائی پلا دی تاکہ اس میں دکھاوا نہ آجائے۔

تواضع پیدا کرنے کا انوکھا انداز:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا، ذرا منبر کے قریب ہو جاؤ۔ وہ منبر کے قریب ہو گئے۔ پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا،

"عمر! تو وہی تو ہے جس کی ماں خشک گوشت چبایا کرتی تھی"

یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام حیران ہو کر پوچھنے لگے،

اے امیر المومنین! آپ نے ہمیں اکٹھا کر کے کیا بات کی ہے۔ فرمایا، اب یہ فتوحات کا زمانہ ہے، مال غنیمت آرہا ہے، دشمن قیدی بن کر آرہے ہیں، میرے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ تیرے دورِ خلافت میں اتنی فتوحات ہو رہی ہیں، چنانچہ میں نے اپنے نفس کے اندر دکھاوا، تکبر اور عجب ختم کرنے کے لئے اپنے نفس کو خوراک دی ہے کہ عمر! تم وہی تو ہو جس کی ماں خشک گوشت چبایا کرتی تھی۔ عربوں میں جو بہت ہی غریب لوگ ہوتے تھے، وہ قربانی کے موقع پر جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو خشک کر لیتے تھے۔ اور پھر اگلے چند ماہ تک وہی گوشت کھاتے رہتے تھے۔ یہ غربت کی علامت ہوتی تھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی بات کہی جس سے طبیعت میں شکستگی آتی ہے۔

تصنّع سے بچنے کی فکر:

ایک مرتبہ حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ انڈیا میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ سفر کی وجہ سے ان کے جسم میں تھکاوٹ کے آثار تھے۔ کپڑوں پر مٹی وغیرہ بھی پڑ گئی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا، حضرت! ابھی لوگ آپ سے ملاقات کے لئے آئیں گے، طلبا بھی آئیں گے، ان میں آپ کا بیان بھی ہوگا، اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے اپنے کپڑے تبدیل فرمالیں۔ حضرت نے فرمایا،

''تو مجھے تصنع سکھاتا ہے''؟

اگر حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ یوں بات کرتے کہ حضرت! سفر کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں تھکاوٹ ہے، کپڑے میلے ہیں، آپ ذرا نہا لیجئے اور صاف کپڑے پہن لیجئے، آپ کی طبیعت بحال ہو جائے گی تو حضرت یہ کام کر لیتے، چونکہ

انہوں نے یہ کہا کہ اساتذہ اور طلبا نے آنا ہے اس لئے آپ کپڑے بدل لیجئے، اس لئے حضرت نے ٹالتے ہوئے جواب دیا کہ تو مجھے تصنع سکھاتا ہے۔ چنانچہ حضرت اسی طرح بیٹھے رہے، اسی حالت میں سب سے ملاقات کی۔ جب سب لوگ ملاقات کر کے اپنے کمروں میں چلے گئے تو حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، خلیفہ صاحب! لاؤ آپ کی بات بھی مان لیتا ہوں، مجھے کپڑے تبدیل کروا دو۔ چنانچہ اس وقت حضرت نے نہا کر کپڑے تبدیل کر لیے۔ اندازہ لگایئے کہ یہ ایک چھوٹا سا عمل تھا مگر وہ بھی اللہ کی رضا کے لئے کرنا تو گوارا تھا مگر مخلوق کے لئے کرنا گوارا نہیں تھا۔

بڑا بننے کا آسان طریقہ:

یہ پکی بات ہے کہ جو بندہ اپنے آپ کو مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اوپر اٹھاتے ہیں۔ اس لئے بڑا بننے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان چھوٹا بن جائے۔ جو چھوٹا بنے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بڑا بنا دیں گے اور جو اپنی زبان سے بڑا بنتا پھرے گا کہ..... من آنم کہ من دانم..... (تم کیا سمجھے ہو کہ میں کون ہوں)..... ہم چناں دیگرے نیست (جیسے میں ہوں ویسے تو کوئی ہے ہی نہیں)..... تو وہ حقیقت میں یوں کہہ رہا ہوتا ہے ..... ہم چناں ڈنگرے نیست (جیسا ڈنگر یعنی جانور میں ہوں ویسا کوئی ہے ہی نہیں) ..... اس لئے شریعت نے ہمیں اپنے اندر عاجزی پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے ہمیں چَھپنے کی بجائے چُھپنا سکھایا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو چَھپنے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا نام موٹا موٹا لکھا جائے اور اشتہار چھپے۔ لیکن ہمیں چَھپنے کی بجائے چُھپنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

استاذ اور شاگرد کی قابلِ رشک عاجزی:

ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک کا درس دے

رہے تھے۔ سبق کے دوران ان کو ایک اشکال وارد ہوا۔ حضرتؒ نے کتاب کو دیکھا، پھر حاشیہ دیکھا، اچھی طرح غور کیا مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ چنانچہ حضرت نے طلبا کے سامنے اظہار کر دیا کہ اس وقت ذہن میں ایک اشکال پیدا ہوا ہے اور اس کا جواب سمجھ میں نہیں آرہا، البتہ اگر آپ کے ذہن میں اس کا کوئی جواب آرہا ہے تو آپ بتا دیجئے۔ اب طلبا نے بھی سوچا لیکن جواب ان کی سمجھ میں بھی نہ آیا۔ حالانکہ طلبا میں سے بھی اچھی استعداد والے ہوتے ہیں۔ انہوں نے بھی صاف کہہ دیا کہ جی ہمیں بھی اس کی سمجھ نہیں آرہی۔ حضرتؒ فرمانے لگے، اچھا میں فلاں مولانا صاحب سے پوچھ کر آتا ہوں۔ اب حضرت نے جن عالم کا نام لیا وہ حضرتؒ کے شاگرد تھے۔ چنانچہ حضرت بخاری شریف اٹھا کر ان کی طرف چل پڑے ..... اللہ اکبر!!! ہمارے بزرگوں میں اتنا اخلاص تھا کہ علم حاصل کرنے کے معاملے میں وہ اپنے اصاغر سے بھی علم حاصل کرتے تھے..... اب جب حضرت جانے لگے تو ایک طالب علم پیچھے سے اٹھا اور جلدی سے ان استاذ صاحب کے پاس گیا۔ وہ کلاس میں پڑھا رہے تھے۔ اس نے جا کر کہا، آپ کو ملنے کیلئے حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا درس موقوف کیا اور وہ بھی کمرے سے باہر آگئے۔ اب برآمدے میں دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی۔ حضرتؒ نے کتاب ان کے سامنے کر دی اور فرمایا، مولانا صاحب! یہ دیکھو، یہاں پر ایک اشکال وارد ہو رہا ہے، اگر آپ کے ذہن میں کوئی جواب آئے تو مجھے بتا دیں۔ انہوں نے کتاب کو دیکھا۔ چونکہ وہ صاحب بھی ذی استعداد تھے اس لئے ان کے ذہن میں فوراً جواب آگیا۔ اب وہ ان کو یوں جواب بتانے لگے،

''حضرت! میں جب آپ کے پاس پڑھتا تھا تو اس وقت اس مقام پر پہنچ کر آپ نے اس کو یوں حل فرمایا تھا، اور آگے سے جواب بتا دیا''۔

آخر یہ بھی انہی کے شاگرد تھے۔ کوئی اور ہوتا جس کو صحبت کا فیض نہ ملا ہوتا تو

معلوم نہیں کہ وہ آگے سے کیا جواب دیتا۔ بلکہ وہ سب کو بتاتا کہ اب تو میرے استاذ بھی مجھ سے پوچھنے آتے ہیں۔

مولانا عبدالمالک صدیقیؒ کی تواضع:

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔اس وقت آپ کا ایک مرید کسی شہر سے آپ کو ملنے کے لئے آیا۔وہ جہاں رہتا تھا وہاں حضرت کے ایک پیر بھائی بھی رہتے تھے۔ جب وہ آکر ملا تو حضرت نے اپنے پیر بھائی کا حال پوچھا۔اس نے بتایا، جی ہاں وہ ٹھیک ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ جب یہ ان کو مل کر چلنے لگا اور بتایا کہ میں اپنے پیر صاحب کو ملنے جارہا ہوں، تو انہوں نے آگے سے یہ بات کردی تھی کہ اپنے پیر صاحب کو کہہ دینا کہ دنیا اور آخرت دو بہنیں ہیں، جب ایک نکاح میں آتی ہے تو دوسری حرام ہوجاتی ہے..... ان تجمع بین الاختین .....جیسے ایک بہن کے ہوتے ہوئے دوسری بہن نکاح میں نہیں آسکتی۔ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ان دنوں حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہورہا تھا۔ان پر ہر طرح سے کشائش کے حالات تھے۔ ہر سال حج پر جاتے تھے، نئی مسجد بن گئی تھی، گھر بھی نیا بن گیا تھا اور رزق بھی خوب کھلا ہوگیا تھا۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض لوگوں پر ایسے حالات ہوتے ہیں۔اصل میں کشائش کے یہ حالات حضرتؒ کے پیر بھائی کو کھٹکے۔انہوں نے سمجھا تھا کہ ان پر یہ جو دنیاوی لحاظ سے اچھے اور آسودگی کے حالات آئے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ آخرت ان سے روٹھ ہی گئی ہو۔ایسے لوگ یہ گمان نہیں کرتے کہ ان پر اللہ کی رحمت ہوگئی ہے، اللہ نے فضل فرمادیا، اللہ نے رزق کھول دیا، نہیں بلکہ ان کی توجہ دوسری طرف چلی جاتی ہے۔ اس لئے انہوں نے بھی اعتراض کے طور پر یہ کہا تھا۔

جب اس نے یہ بات کہی تھی تو اس بندے کو بہت بری لگی تھی کہ یہ میرے شیخ کے بارے میں ایسی بات کیوں کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ یہ بات سن کر چپ ہو گیا۔ خیر جب حضرت نے اس کی خیریت پوچھی تو یہ بھی پوچھا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ اب اس نے اپنی طرف سے تو چھپانے کی کوشش کی مگر اللہ والے بھی تو جواسیس القلوب (دلوں کے جاسوس) ہوتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جو بات انہوں نے کہی تم بالکل من وعن اسی طرح میرے سامنے کہو۔ جب حضرت نے کہہ دیا تو پھر وہ جھوٹ بھی نہیں بول سکتا تھا، بیٹھا بھی مسجد میں تھا۔ چنانچہ اسے یہ بات بتانا پڑی۔ جیسے ہی اس نے یہ بات حضرت کو بتائی تو حضرت نے سر جھکا لیا اور آنکھوں میں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ بتانے والا اتنا پریشان ہوا کہ اس نے کہا کہ میرا دل چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جاتی اور میں اندر اتر جاتا، کہ میری وجہ سے حضرت کو تکلیف اور صدمہ پہنچا۔

جب تھوڑی دیر کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت بحال ہوئی تو حضرت نے سر اٹھایا اور فرمایا، ''الحمدللہ! ابھی بھی دنیا میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جن کو ہماری اصلاح کی فکر ہے''۔

اگر کوئی ہم جیسا ہوتا تو کیا کہتا۔ وہ کہتا، ..... بڑے آئے بات کرنے والے..... تمہارے پاس سے لے کر کھاتا ہوں ..... مجھ پر اللہ کا کرم ہے، اگر تمہیں کچھ نہیں ملا تو مجھ پر حسد کرتے ہو..... وغیرہ وغیرہ۔ مگر حضرت نے کہنے والے کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ بلکہ اچھا مطلب لیتے ہوئے فرمایا کہ الحمدللہ، ابھی بھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو ہماری اصلاح کی فکر ہے۔ یہ ہے تواضع۔

خلیفہء وقت کی تواضع:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وقت کے خلیفہ بھی تھے اور اپنے گھر میں بکری کا دودھ بھی

نکالتے تھے اور اگر بازار سے کوئی چیز خریدتے تھے تو اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے۔ اس کو اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی طبیعت کے اندر تواضع تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے زمانہ خلافت میں اپنا سامان سر پر اٹھا کر گھر لایا کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی کسر نفسی:

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ چراغ کی لو کم ہوگئی جس کی وجہ سے چراغ بجھنے کے قریب ہو گیا۔ اب وہ امیر المومنین تھے۔ وہ چاہتے تو خادموں میں سے کسی کو حکم کر دیتے کہ چراغ کو ٹھیک کر دو۔ مگر وہ خود اٹھے اور انہوں نے خود ہی چراغ کو درست کر دیا۔ کسی نے کہا، جی آپ کسی غلام کو یہ حکم دے دیتے۔ فرمایا، جب میں اسے ٹھیک کرنے کیلئے اٹھا تو اس وقت بھی عمر بن عبدالعزیز تھا اور جب میں نے اس کو ٹھیک کر لیا تو اب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔ سبحان اللہ، مٹنے والے ایسے مٹتے ہیں اور اللہ رب العزت مٹنے والوں کو دنیا میں ایسے نوازتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی عاجزی:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں دو عالم تھے۔ ایک کا نام زرعہ قاص تھا اور دوسرے کا نام عمر بن زر تھا۔ یہ چونکہ معمر تھے اس لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ ان سے مسئلہ دریافت کر کے مطمئن ہو جاتی تھیں۔ اگر انہیں کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتیں کہ مجھے ان کے پاس لے جاؤ، میں ان سے مسئلہ پوچھنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ امام صاحب اونٹنی نکالتے، اپنی والدہ کو اونٹنی پر بٹھاتے اور خود اونٹنی کی نکیل پکڑ کر پیدل چلتے۔ جب چل رہے ہوتے تھے تو لوگ دیکھ کر حیران ہوتے کہ یہ کون ہے، جس کی سواری کی نکیل نعمان (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) پکڑ کر جا رہے ہیں۔ چونکہ حضرت اس وقت استاد بن چکے تھے اور کثیر

تعداد میں ان کے شاگرد بھی تھے۔ اس لئے لوگ ان کو دیکھ کر راستے میں ادب کی وجہ سے کھڑے ہو جاتے تھے اور حضرت خاموشی سے چلتے رہتے تھے۔

جب ان دونوں میں سے کسی ایک کے گھر پہنچتے اور دروازے پر دستک دیتے تو وہ باہر آتے۔ امام صاحبؒ ان کو فرماتے کہ میری والدہ صاحبہ تشریف لائی ہیں اور یہ آپ سے کوئی مسئلہ پوچھنا چاہتی ہیں۔ جب والدہ صاحبہ مسئلہ پوچھتیں تو کئی مرتبہ ان دونوں کو اس مسئلہ کا جواب نہیں آتا تھا تو وہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتے کہ اس کا جواب کیا ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ آہستہ سی آواز میں ان کو اس مسئلہ کا جواب خود بتا دیتے تھے اور وہ لوگ اونچی آواز سے ان کی والدہ کو جواب سنا دیتے تھے۔ اب والدہ جب ان کی زبان سے سنتی تو مطمئن ہو جاتی۔ ساری عمر یہی ہوتا رہا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ کو یہ بھی نہ کہا، امی! جو مسئلہ آپ ان سے پوچھنے کے لئے جائیں گی وہ اس کا جواب مجھ سے پوچھ کر بتائیں گے۔ دراصل امام صاحب نے والدہ کے ادب کا خیال رکھا اور اس کے دل کے سکون کو مقدم رکھا۔ ان کی یہی تواضع تھی جس نے ان کو امام اعظم بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی عزت دی کہ دور صحابہؓ میں ان کا فتویٰ چلتا تھا۔ ۱۲۰ھ میں حضرت مسند ارشاد پر بیٹھ چکے تھے اور اس وقت صحابہ کرام دنیا میں کہیں کہیں موجود تھے۔

مولانا حسین علیؒ کی عاجزی:

میانوالی کے علاقہ ''واں بھچراں'' میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا نام مولانا حسین علیؒ تھا۔ وہ بڑے ہی سادہ اور موحد آدمی تھے۔ ان کی سادگی کو دیکھ کر لوگ سمجھتے تھے کہ شاید یہ کوئی دیہاتی بندہ ہے۔ ایک مرتبہ ملتان میں ایک جلسہ میں بیان ہونا تھا۔ اس جلسہ میں امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو

بھی مدعو کیا گیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے مجمع بہت زیادہ تھا۔

مسئلہ یہ بنا کہ جلسہ شروع ہونے کا وقت قریب تھا اور حضرت ابھی پہنچے بھی نہیں تھے۔ لوگ تلاش میں نکل کھڑے ہوئے کہ کیا ہوا، ہم نے حضرت کا استقبال کرنا تھا، لیکن وہ ابھی پہنچے ہی نہیں۔ تلاش کرتے ہوئے ایک مسجد میں گئے تو دیکھا کہ حضرت مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ پوچھا، حضرت! آپ کہاں سے آئے، ہم نے تو آپ کا استقبال کرنا تھا۔ فرمایا، میں اسی لئے سادگی کے ساتھ آ گیا ہوں کہ میں استقبال کے قابل نہیں ہوں۔

جب حضرت بیان کے لئے بیٹھے تو خطبہ میں ارشاد فرمایا،

يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ

(اے لوگو مثالیں بیان کی جاتی ہیں پس انہیں غور سے سنو)

حضرتؒ نے ایسے دردِ دل سے یہ آیت پڑھی کہ مجمع کے ہر بندے کے دل میں توحید کا مزہ آ گیا۔ بعد میں حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری تقریر اسی آیت پر کی کہ فرمایا کہ دیکھو، اللہ والے ایک چھوٹی سی آیت پڑھتے ہیں اور مجمع کے دلوں کو تڑپا کے رکھ دیتے ہیں..... سبحان اللہ! طبیعت میں تواضع دیکھو اور آگے فیض دیکھو۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی گوشہ نشینی:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث گزرے ہیں۔ کفر کی حالت میں ان کی بڑی شان ہوتی تھی۔ ان کے پاس لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد پھر حالات ایسے آئے کہ یہ مرو چلے گئے اور وہاں پر ایک جگہ پر گمنام رہنے لگے۔ وہیں نماز، روزہ اور تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ وہاں لوگوں کو ان کا تعارف ہی نہیں تھا۔ حضرت ہمیشہ اپنے اس زمانے کو یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ

وہ زمانہ بڑا اچھا تھا، نہ کوئی ملنے والا تھا، نہ کوئی مجمع ہوتا تھا اور نہ کوئی واہ واہ کرنے والے ہوتے تھے۔ بس میں تھا اور میرا پروردگار تھا۔

تواضع کی نشانیاں:

علماء نے تواضع کی تین نشانیاں بتائی ہیں۔

(1).....تواضع کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے بڑوں سے کسی کام میں بغاوت نہ کرے۔ اگر بڑے کوئی بات کہہ دیں تو وہ اس پر آمین کہہ دے۔ اور جو بڑوں کی بات رد کردے، یہ اس کے تکبر کی علامت ہے۔ حالانکہ حدیث پاک میں آیا ہے،

البرکۃ مع اکابرکم [برکت بڑوں کے ساتھ رہنے میں ہے]

(2).....دوسری نشانی یہ ہے کہ چھوٹوں سے حقارت سے نہ پیش آئے۔ چھوٹے خواہ شاگرد ہوں یا مریدین ہوں، ان کے ساتھ حقارت سے پیش نہ آئے، بلکہ عزت کے ساتھ پیش آئے۔ وہ غلام نہیں ہیں بلکہ دین کی خاطر محبت اور عقیدت رکھنے والے لوگ ہیں۔

(3).....تیسری نشانی یہ ہے کہ انسان شہرت سے اجتناب کرے۔ اس کے اپنے دل میں یہ بات ہو کہ مجھے شہرت نہیں چاہیے۔ فوائد النواد میں ہے ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے ان کے ایک خلیفہ نے پوچھا، حضرت! میں نے دیکھا ہے کہ کچھ لوگ اپنی زندگی میں بہت ہی مشہور ہوتے ہیں، ان کا بڑا نام اور چرچا ہوتا ہے اور جیسے ہی وہ مرتے ہیں، لوگوں کی یادداشت سے ان کا نام ہی نکل جاتا ہے اور ان کو کوئی یاد ہی نہیں کرتا، اور کچھ لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ زندگی میں تو اتنے مشہور نہیں ہوتے لیکن جیسے ہی ان کی وفات ہوتی ہے، ان کا نام ایسا مشہور ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت آجاتی ہے اور اسے بڑا یاد کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

خواجہ نظام الدینؒ نے اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا،

''جو شخص دنیا میں یہ چاہے گا کہ مجھے پہچانا جائے، میری تعریف کی جائے، مجھے بڑا سمجھا جائے، وہ شخص جیسے ہی مرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے نام کو مٹا دیں گے، اور جو شخص دنیا میں اپنے آپ کو مٹائے گا، اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے گا اور اپنے اندر تواضع پیدا کرے گا، جیسے ہی وہ مرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیں گے''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تواضع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس بندے کی محبت کا بیج ڈال دیتے ہیں۔

اگر کوئی اس بات پر ناز کرے کہ میرے متعلقین اور مریدین بہت زیادہ ہیں تو یاد رکھیں کہ شیطان سے زیادہ تو کسی کے بھی مرید نہیں ہیں۔ اگر کثرت کو دیکھنا ہے تو شیطان سب سے بڑا پیر ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ رب العزت کی نعمتوں کا محتاج سمجھے۔ رہ گئی شہرت، وہ تو فلمی اداکاروں، کھلاڑیوں، اور مداریوں کو بھی حاصل ہوتی ہے۔ وہ بھی بڑے مشہور ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں تو اللہ رب العزت کی نظر میں عزت مطلوب ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں سے واہ واہ کی توقع نہ رکھیں۔ اصل قبولیت یہ ہے کہ انسان علما میں پہلے مقبول ہو اور پھر عوام کی طرف اس کی قبولیت جائے۔ بعض لوگ عوام میں بڑے مقبول ہوتے ہیں لیکن علماء میں نہیں ہوتے اس قبولیت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ایک سبق آموز واقعہ:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دین اسلام کی وکالت کرنے کے لئے شاہجہان پور تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں عیسائی بھی آتے تھے اور ہندو بھی۔

وہاں سب لوگ اپنے اپنے مذاہب کے بارے میں تقریر کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ وہاں تقریر کرنے کے لئے گھر سے روانہ ہوئے۔ وہاں کے لوگ حضرت کے استقبال کے لئے تیاری کر رہے تھے۔ لیکن حضرتؒ ٹرین پر گئے اور اس شہر سے پہلے والے اسٹیشن پر اتر گئے۔ کیونکہ انہیں خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ لوگ استقبال کے لئے اکٹھے ہوکر آئیں، اور میں استقبال کے قابل نہیں ہوں۔ چنانچہ آپ نے باقی نو دس کلومیٹر کا سفر پیدل طے کرلیا۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ شہر میں پہنچے تو وہاں ایک سرائے میں حضرتؒ نے ایک کمرہ لے لیا اور وہاں ٹھہر گئے اور سوچا کہ میں کل مجمع میں پہنچ جاؤں گا۔

وہ لوگ ان کا استقبال کرنے کے لئے اسٹیشن پر پہنچے۔ لیکن جب ٹرین اسٹیشن پر پہنچی تو حضرتؒ کو نہ پاکر پریشان ہوگئے۔ اسٹیشن پر کوئی بندہ بھی ایسا نہیں تھا جو حضرت کے بارے میں بتاتا۔ بالآخر کسی نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت کہیں شہر میں نہ آئے ہوئے ہوں۔ شہر سے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ ایک آدمی نے کہا کہ میں ذرا سرائے سے پتہ کرتا ہوں۔ چنانچہ جب اس نے وہاں جاکر مسافروں کے ناموں کی فہرست دیکھی تو وہاں خورشید حسن کا نام تھا۔ اس نے پہچان لیا کہ یہ حضرت ہی ہوں گے۔ چنانچہ اس نے ہوٹل والے سے پوچھا کہ یہاں اس کمرے میں کون ہے؟ اس نے کہا کہ ایک مولانا ہیں، وہ ہلکے پھلکے اور دبلے پتلے سے ہیں۔ اس نے کہا، ہاں بس وہی ہیں۔ جب کمرے میں گیا تو وہاں حضرت تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا، حضرت! ہم تو آپ کے استقبال کیلیے اسٹیشن پر گئے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے، میں اسی لئے تو وہاں آیا نہیں کہ میں استقبال کے قابل ہی نہیں ہوں۔ کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد حضرتؒ نے ایک ایسی عجیب بات کہی جو سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا،

''میں نے دو لفظ پڑھ لیے ہیں جس کی وجہ سے دنیا پہچان گئی، ورنہ قاسم اپنے آپ کو ایسے مٹاتا کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلتا''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی تواضع کی وجہ سے ایسی عزت سے نوازا کہ جہاں علم کا نام آئے گا وہاں قاسم نانوتویؒ کا نام ضرور آئے گا۔ اسی لئے یہ دعا سکھائی گئی،

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا

[اے اللہ! مجھے اپنی نگاہوں میں چھوٹا بنا دے اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا دے]

یعنی لوگ بڑا سمجھیں۔ جب لوگ بڑا سمجھیں گے تو دین کی بات بھی سنیں گے اور اس بات پر عمل بھی کریں گے۔ یہی تواضع ہے کہ انسان اپنی نظر میں چھوٹا ہو اور لوگوں کی نظر میں بڑا ہو۔

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عجز بھری دعائیں:

عاجزی کے ساتھ دعا مانگنا دعا کی قبولیت کی کنجی ہے۔ نبی علیہ السلام بہت ہی عاجزی کے ساتھ دعا مانگتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَ تَرٰی مَکَانِیْ وَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ لَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِنْ اَمْرِیْ وَاَنَا الْبَآئِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِیْ. اَسْئَلُکَ مَسْئَلَةَ الْمِسْکِیْنِ اَبْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَ اَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ وَ دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَکَ جِسْمُهٗ وَ رَغِمَ لَکَ اَنْفُهٗ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَائِکَ شَقِیًّا وَّکُنْ لِّیْ رَؤُوْفًا رَّحِیْمًا یَّا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَا خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ.

[یا اللہ تو سنتا ہے میری بات کو اور دیکھتا ہے میری جگہ کو اور جانتا ہے میرے پوشیدہ کو اور ظاہر کو، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور میں مصیبت زدہ محتاج فریادی پناہ ہوں جو ترساں و ہراساں، اقرار کرنے والا، ماننے والا اپنے گناہ کا ہے۔ تجھ سے بے کس کا سا سوال کرتا ہوں، تیرے سامنے گڑگڑاتا ہوں جیسے ایک گناہگار ذلیل گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے خوفزدہ اور آفت رسیدہ شخص کی طرح طلب کرتا ہوں اور اس شخص کی طرح کہ جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو، آنسو بہہ رہے ہوں، تیرے سامنے اس نے اپنے جسم کو گرایا ہوا ہو اور تیرے سامنے اپنی ناک رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ! مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ کر اور میرے واسطے بہت مہربان اور رحیم ہو جا، اے سب سے بہتر جن سے مانگا جائے اور سب دینے والوں سے بہتر]

سبحان اللہ، نبی علیہ السلام کی دعا کے ایک ایک لفظ سے اللہ رب العزت کی عظمت اور اپنی عاجزی سامنے آتی ہے۔

جب طائف سے نبی علیہ السلام واپس جانے لگے تو آپ ﷺ نے کتنی پیاری دعا مانگی فرمایا،

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَ هَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَ صَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِيْ غَضَبَكَ اَوْ يَحُلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ.

[اے اللہ! میں آپ ہی سے شکایت کرتا ہوں اپنی کمزوری اور بیکسی کی اور لوگوں میں ذلت اور رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی ضعفا کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑاتا ہے، یا کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کی بھی پروا نہیں ہے، تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ تیری ناراضگی کو اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔ نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت]

اس طرح عاجزی سے مانگی ہوئی دعائیں اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت پاتی ہیں۔

لوگوں سے تعریف کی توقع نہ رکھیں:

عزیز طلبا! ایک نکتے کی بات یاد رکھنا۔ بعض اوقات انسان دوسروں سے تعریف کا متمنی ہوتا ہے۔ جبکہ یہ تعریفیں انسان کی نیکیوں کا اجر ہوتی ہیں۔ چنانچہ لوگ بیان کرنے کے بعد پوچھتے ہیں، سنائیں! کیسا بیان تھا؟ جواب ملتا ہے، واہ واہ کیا بات ہے، بہت ہی اچھا بیان تھا۔ اب یہ جواب اس کی اس نیکی کا بدلہ بن گیا۔ یہ کتنے نقصان کی بات ہے کہ اتنے بڑے عمل کا اجر ایک بندے کی زبان سے دو تعریفی بول بن جائیں۔ ہم تو قیامت کے دن اللہ رب العزت کے ہاں اجر چاہتے ہیں۔ قیامت کے دن ایک عالم کو پیش کیا جائے گا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ وہ جواب دے گا، جی میں نے اللہ کی رضا کی خاطر مدرسے بنائے، مسجدیں

بنوائیں، دین کا کام کیا۔ اسے جواب ملے گا، نہیں، تو چاہتا تھا کہ تجھے بڑا عالم کہا جائے،..... فقد قیل (تجھے کہا جاچکا).....اب تمہارے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس دن انسان کو پتہ چلے گا کہ میرے اتنے اتنے نیک اعمال کا اجر لوگوں کے چند تعریفی کلمات بن گئے تھے.....اب بتائیں کہ کیا لوگوں سے تعریف کی توقع رکھنی چاہیے؟..... ہرگز توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ ہاں، اگر کوئی بغیر توقع کے تعریف کردے تو یہ اللہ کی طرف سے سمجھیں، بندہ خود لوگوں سے تعریف کی توقع نہ رکھے۔

کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا، حضرت! میں تو اپنی تعریف کی توقع نہیں رکھتا مگر لوگ تعریف کرتے ہیں۔ فرمایا، اگر تمہارے دل میں توقع نہیں ہوتی اور لوگ تعریف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو اجر آخرت میں دینا ہے، اس کا یہ مقدمہ ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا،

مَنْ طَلَبَ مَحَامِدَ النَّاسِ بِمَعَاصِیْ اَللّٰهُ عَادُ حَامِدَهُ لَهُ ذَامًّا

[جو گناہوں کے ذریعے لوگوں سے تعریف چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت کو بھر دیتے ہیں]

دلوں میں نفرت کیسے آتی ہے؟ اس کی مثال یوں سمجھیں۔ جب تھانیدار آتا ہے تو پولیس والا اٹھ کر سیلوٹ مارتا ہے اور جب وہ جانے لگتا ہے تو پیچھے سے اسے موٹی موٹی گالیاں دیتا ہے۔ یہ دنیا والوں کی تعریفیں ایسی ہی ہوتی ہیں کہ زبان سے تعریف کر دی اور ان کے دلوں میں ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ رب العزت سے تعریف کی توقع رکھے۔

کسی نے فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا حضرت! اخلاص کسے کہتے ہیں؟ فرمایا، کیا تم نے کبھی بکریوں کے چرواہے کو دیکھا ہے۔ عرض کیا، حضرت!

دیکھا ہے۔ فرمایا، جب وہ بکریوں کے درمیان میں بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو کیا اس کے دل میں یہ توقع ہوتی ہے کہ بکریاں میری تعریف کریں گے؟ کہا، جی نہیں، اس کے دل میں تو کوئی توقع ہی نہیں ہوتی کہ بکریاں میری تعریف کریں۔ فرمایا، جس طرح چرواہا بکریوں کے درمیان بیٹھ کر عبادت کرتا ہے اور وہ بکریوں سے بے طمع ہوتا ہے اسی طرح مومن لوگوں کے درمیان بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے مگر ان سے تعریف کے بارے میں بے طمع ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ لوگوں کی خوشنودی مکڑی کے جالے کی طرح ہوتی ہے۔

مولانا سعید احمد گوہانویؒ کا واقعہ:

حضرت مولانا سعید احمد گوہانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے علاقے میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اس عاجز کو بھی کئی مرتبہ ان کی صحبت میں جانے کا موقع ملا۔ ایک دفعہ وہ لوگوں کو اچانک فرمانے لگے،

''ماشاء اللہ آپ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں، آپ تو سب جنتی ہیں، اللہ کے مقبول بندے ہیں''۔

انہوں نے ایسی تمہید باندھی کہ سننے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت تو ابھی بیٹھے جنت کے ٹکٹ تقسیم کر رہے ہیں۔ پھر آخر میں فرمایا،

''دیکھو، میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ لوگ میرے بارے میں اپنے دل میں حسنِ ظن لے کر آئے ہیں کہ یہ اللہ کا ولی ہے، اور مومن سے حسن ظن رکھنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا پسندیدہ عمل ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں جنت دے گا۔ چنانچہ تمہارے لئے تو جنت میں جانا آسان ہے۔ مسئلہ تو میرا ہے، جب قیامت کے دن میں اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے، بتا تو

نے کیا عمل کیا؟ کیا تو نے اخلاص سے عمل کیا؟''

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْن (الاعراف: ٦)

[تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ان سے بھی پوچھیں گے اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے]

پھر حضرتؒ نے رونا شروع کر دیا۔ واقعی ایسی ہی بات ہے کہ اللہ والے ہمیشہ اس بات کو سوچتے رہتے ہیں کہ نہ جانے ہماری اللہ تعالیٰ کے سامنے کس حال میں پیشی ہوگی۔ وہ ڈرتے ہیں اسی لئے وہ اپنے آپ کو مٹاتے ہیں اور اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے اندر جو کچھ پاتے ہیں، وہ اسے اللہ کی رحمت سمجھتے ہیں۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ یہ تو بس اللہ کا کرم ہے۔

قاری محمد طیبؒ کی عاجزی:

ایک مرتبہ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ حضرت قاری صاحب بہت بڑے عالم تھے۔ شکل وصورت کے اعتبار سے بھی بہت ہی خوبصورت، نفیس اور نازک بدن تھے۔ ہمارے حضرتؒ نے ان کو حرم میں دیکھا۔ ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ ان کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ملنے کے بعد پوچھا، حضرت! آپ نے یہ چہرہ کیسے بنایا؟ جیسے ہی میں نے یہ سوال پوچھا، قاری صاحب فوراً کہنے لگے،

''یہ میں نے نہیں بنایا، بلکہ میرے شیخ نے بنایا ہے''۔

دیکھیں، انہوں نے اس اچھائی کی نسبت اپنی طرف نہیں کی بلکہ اپنے شیخ کی طرف کی۔ یہ تواضع ہے اور اگر اپنی طرف نسبت کرے کہ میں نے یہ کیا..... میرا تجربہ اتنا ہے..... میں اتنا سمجھ دار ہوں..... تو بس پھر انسان خطرے میں ہوتا ہے۔

عاجزی کے کلمات کی فوری قبولیت:

ایک مرتبہ حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ انڈیا کے دورے پر گئے۔ انہوں نے راستے میں ایک بیری دیکھی ..... بیری دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک بیری کا تنا بڑا ہوتا ہے اور کافی اوپر جا کر بیر لگتے ہیں اور ایک بیری جھاڑی کی شکل میں ہوتی ہے۔ وہ چھوٹی سی ہوتی ہے مگر بیروں سے بھری ہوتی ہے .....تو انہوں نے جھاڑی نما بیری راستے میں دیکھی۔ حضرت کو اس وقت بھوک بھی لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ وہاں سے بیر توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ بیر کھاتے ہوئے ان کو خیال آیا کہ یہ چھوٹی سی بیری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اتنے سارے بیر لگا دیے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگا،

اے اللہ! یہ چھوٹی سی بیری ہے، تو نے اسے اتنے سارے پھل عطا فرما دیئے ہیں، میں بھی تیرا چھوٹا سا بندہ ہوں، اللہ! مجھے بھی پھل عطا فرما دے"۔

حضرت فرماتے ہیں کہ عاجزی کے یہ کلمات اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے قبول ہوئے کہ جب میں اگلے شہر میں گیا تو ایک قطب مدار آ کر مجھ سے بیعت ہوا۔ اللہ اکبر!!!۔

توحید باری تعالیٰ میں اعلیٰ ترین کلام:

سیدنا صدیق اکبرؓ نے ایک بات ارشاد فرمائی جس کے بارے میں علماء نے کہا کہ توحید باری تعالیٰ کے بارے میں امت میں اتنی بلند بات کسی نے نہیں کہی۔ فرمایا،

لَخَلْقِهٖ سبحٰن من لم یجعل لِقَلْبِهٖ سَبِیْلًا اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ.

[پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے تک پہنچنے کے لئے عاجزی کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں بنایا]

اس بات سے اللہ تعالیٰ کی کتنی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اسی مضمون کو کسی عارف

نے یوں کہا،

؎ تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

یعنی فیض بھی جاری ہے اور اس کی گردن اور زیادہ جھکتی جاتی ہے۔ اور جتنا زیادہ جھکتی ہے اتنا زیادہ فیض جاری ہوتا ہے۔ ایک اور عارف نے کہا،

؎ جو اہل وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

جب تک صراحی گردن کو نہیں جھکائے گی پیمانہ نہیں بھر سکے گی۔ اور جو بندہ گردن نہ جھکائے اور اکڑا رہے اس کا فیض بھی جاری نہیں ہوتا۔

.....ایک بچے کو باپ نے پڑھنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ پڑھ کر واپس آیا تو باپ نے پوچھا، بیٹا! آج استاد نے کیا سبق پڑھایا؟ بچے نے کہا، جی استاد نے پڑھایا ہے کہ ''الف خالی ہوتی ہے''..... ہمارے زمانے میں ایسے ہی پڑھایا کرتے تھے کہ الف خالی، با کے نیچے ایک نقطہ، تا کے اوپر دو نقطے، حروف کی پہچان کروانے کے لئے اس طرح پڑھاتے تھے.....تو بچے نے کہا استاد نے پڑھایا ہے کہ الف خالی ہوتا ہے۔ واقعی جو الف کی طرح بن کے رہتا ہے وہ فیض سے خالی رہتا ہے۔ اور جو جھکتا ہے اللہ رب العزت اس پر رحمت فرما دیتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں کہ ''الف'' کھڑی کھڑی نظر آتی ہے اور ''ب'' لیٹی لیٹی نظر آتی ہے۔ لیکن ''ب'' کو وصلی کہتے ہیں۔ وصلی کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک کو دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ جس کے اندر جھکاؤ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسے بندوں کو اللہ کے ساتھ جوڑنے کے لئے قبول فرما کر اس کے فیض کو جاری فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تواضع والی نعمت نصیب فرما دے، ہمیں تکبر سے بچنے کی توفیق عطا

فرمادے۔اوراپنی بارگاہ میں قبولیت نصیب فرمائے۔(آمین ثم آمین)

وآخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العٰلمین

زہد میرا پیشہ ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ.

زہد کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

نبی علیہ السلام نے فرمایا،

وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ [اور زہد میرا پیشہ ہے]

اہل لغت کے نزدیک زہد ''عدم رغبت'' کو کہتے ہیں۔ جب کسی چیز میں انسان کی رغبت نہ رہے تو گویا وہ اس چیز سے زاہد ہو گیا۔ جیسے قافلے والوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے رکھنے میں چنداں دلچسپی نہیں تھی۔ قرآن مجید میں ہے کہ،

وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ [اور وہ تھے اس سے بیزار]

چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو چند کھوٹے سکوں کے بدلے میں اونے پونے بیچ دیا۔ تو اس بے رغبت ہونے کی کیفیت کو زہد کہتے ہیں۔ اسی طرح وہ چھوٹی سی چیز جو قابل التفات نہ ہو، اس کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے،

شَيْءٌ زَهِيْدٌ.

اصطلاح شرعیہ میں دنیا اور اس کے مال ومنال سے بے رغبت ہونا، زہد کہلاتا ہے۔

حرفہ کا مطلب:

حرفہ اس کام کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان آمدنی حاصل کرتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے زہد کو اپنا پیشہ ارشاد فرمایا، فرمایا، اَلزُّهْدُ حِرْفَتِی (زہد میرا پیشہ ہے)۔ یعنی میں اپنی ضرورتوں کو اتنا کم کر لیتا ہوں کہ یہی میرا پیشہ بن گیا ہے۔

دو سے نظر ہٹاؤ، ایک پہ جماؤ:

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں دو چیزوں سے آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا۔ اور ایک چیز پر نظریں جمانے کا حکم دیا۔ جن چیزوں سے نظروں کو ہٹانے کا حکم دیا وہ مال اور جمال ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مال کے بارے میں فرمایا،

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (طٰہٰ:۱۳۱)

[اور تم اپنی نظر ان چیزوں کی طرف نہ دوڑاؤ جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیاوی زندگی کے رونق کے سامان کے طور پر دے رکھی ہیں تاکہ ہم انہیں آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور دیرپا ہے]

اور جمال سے نظریں ہٹانے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا،

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور:۳۰)

[ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں]

ان آیات میں فرمایا گیا کہ تم مال اور جمال کے حریص نہ بنو اور ان کے پیچھے نہ پڑو، کیونکہ مال اور جمال دونوں ناپائیدار ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جو چند کھوٹے

سکّوں کے عوض بیچا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت کے نزدیک حسنِ ظاہر کی قیمت چند کھوٹے سکّوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تو جو حسنِ ظاہر کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں، وہ چند کھوٹے سکوں کی متاع کے پیچھے زندگی کے سودے کرتے پھرتے ہیں۔

جس چیز کی طرف نگاہیں جمانے کا حکم دیا، وہ اللہ والوں کا چہرہ ہے۔ فرمایا،

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ. (الکھف)

[آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھیے جو اللہ کی رضا کیلئے صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہیں، اے محبوب ﷺ! آپ کی نگاہیں ان کے چہرے سے نہ ہٹنے پائیں]

زہدِ شریعت، زہدِ طریقت اور زہدِ حقیقت:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا، حضرت! زہد کسے کہتے ہیں؟ فرمایا، زہد کے مختلف درجات ہیں ایک ہے عوام الناس کا زہد۔ وہ یہ کہ انسان اللہ کی خاطر حرام کو چھوڑ دے۔ پھر فرمایا کہ جو ضرورتِ زندگی سے زائد چیزیں ہیں ان سے بے رغبت ہو جانا، خواص کا زہد ہے۔ اور وہ چیزیں جو انسان کی توجہ اللہ سے ہٹا کر اپنی طرف کرتی ہیں، اگرچہ خلاف شرع نہیں، ان کو چھوڑ دینا اخص الخواص کا زہد ہے۔

☆.....زہدِ شریعت یہ ہے کہ اسباب سے نظریں ہٹا کر مسبب کی طرف نظریں جماؤ۔

☆.....زہدِ طریقت یہ ہے کہ اپنے دل کی نگاہیں غیر سے ہٹا کر اپنے اللہ پر جماؤ۔

☆.....زہدِ حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی خودی یعنی ''میں'' کو اتنا مٹائے کہ بس ایک

اللہ کے سوا کچھ بھی نہ رہے۔

انسان اتنا جری کیوں؟

آج اکثر یہ فتنہ پایا جاتا ہے کہ خدا پرستی کی بجائے نفس پرستی عام ہوتی جارہی ہے اور آخرت طلبی کی بجائے دنیا طلبی عام ہوتی جارہی ہے۔ چنانچہ حلال اور حرام کا امتیاز ہی ختم ہوتا جارہا ہے۔ بندہ صرف یہ چاہتا ہے کہ بس، میرے پاس مال آنا چاہیے جیسے بھی آتا ہے۔ دوسرے کی جیب سے نکالنا پڑے، دوسرے کو جان سے مارنا پڑے یا اسے لوٹنا پڑے۔ آج کا انسان بڑے دھڑلے سے یہ کام کر لیتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ کل آخرت میں میرا کیا بنے گا۔ حیرت کی بات ہے کہ انسان اتنا جری کیوں ہو جاتا ہے؟

محتاجی کو کم کرنے کا نسخہ:

علما نے دو باتیں لکھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ محبتِ دنیا انسان کیلئے مہلکات (ہلاک کرنے والی چیزوں) میں سے ہے۔ اور ترکِ لذاتِ دنیا انسان کیلئے منجیات (نجات دلانے والی چیزوں) میں سے ہے۔ ہم سب حاجت مند ہیں۔ دنیا کا کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے ساتھ حاجت نہ لگی ہوئی ہو۔ کسی کے ساتھ کم اور کسی کے ساتھ زیادہ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (فاطر: ۱۵)

[اے انسانو! تم سب فقیر ہو]

فقیر اسی کو کہتے ہیں جو غیر کا محتاج ہو اور غنی اس کو کہتے ہیں جو غیر کا محتاج نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ غنی ہیں اور ہم سب محتاج ہیں۔ اب اس محتاجی کو کم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی آرزوؤں کو کم کر لے۔ جب آرزوئیں بڑھ جاتی ہیں تو پھر انسان کے

اندر حرص کی بیماری آجاتی ہے اور حرص کا علاج قبر کی مٹی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حریص آدمی کو اگر ایک جنگل سونے کا بنا ہوا دے دیا جائے تو وہ تمنا کرے گا کہ مجھے ایک اور جنگل بھی سونے کا مل جائے۔ ظاہر میں دیکھیں کہ پیٹ اتنا چھوٹا ہے کہ دو روٹیوں سے بھر جاتا ہے اور حقیقت میں دیکھو کہ یہ قبر کی مٹی کے سوا کسی چیز سے بھرتا ہی نہیں۔ اربوں پتی بندہ بھی دو روٹیاں ہی کھاتا ہے۔ دنیا دار لوگ جو اپنے سر پر زیادہ بوجھ اکٹھا کر لیتے ہیں۔ اسکا کیا فائدہ؟ کچھ لوگ مالدار ہوتے ہیں اور کچھ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں۔ مالدار وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خوب دیا اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ اور وہ بندہ جس کو مال ملے اور وہ اس کو جمع کرے اور پھر اپنا بینک بیلنس چیک کرتا رہے، وہ مالدار نہیں، بلکہ مال کا چوکیدار ہوتا ہے۔ جمع یہ کرے گا، عیاشی اس کی اولاد کرے گی اور قیامت کے دن حساب اس کو دینا پڑے گا۔

جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ کیوں؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جنت میں عورتوں کی تعداد کم ہوگی اور جہنم میں زیادہ ہوگی۔ پوچھا گیا کہ ان کی تعداد جنت میں کیوں کم ہوگی۔ تو فرمایا..... شغلھن الاحمران (ان کو دو چیزوں نے اپنی طرف کھینچ لیا)..... وہ کیا چیزیں ہیں۔ فرمایا ..... الذھب و الزعفران (سونا اور زعفران)..... ان دو چیزوں کی سرخی نے ان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ عام مشاہدہ بھی یہی ہے کہ وہ ان چیزوں میں لگ کر آخرت سے غافل ہو جاتی ہیں۔ آج کی ایک عام عورت کی زندگی ایسی ہی ہے۔ بس اس کو میچنگ کا کپڑا چاہیے۔ وہ پورا دن شاپنگ کرتی پھرے گی۔ وہ دو در جن دکانوں کے چکر صرف اس لئے لگائے گی کہ مجھے اس سے ملتا جلتا دوسرا کپڑا مل جائے۔

کاشتکاروں اور زاہدوں کا مقام:

اگر کوئی آدمی فوت ہونے سے پہلے یہ وصیت کر لے کہ میری وراثت اس بندے کو دی جائے جو اللہ پر توکل رکھتا ہو تو سب فقہا نے متفقہ فیصلہ دیا کہ اس کی وراثت کاشتکاروں میں تقسیم کی جائے گی، کیونکہ کاشتکار لوگ زمین میں ڈال کر پانی دے سکتے ہیں مگر وہ اپنی مرضی سے کھیتی کو اگا نہیں سکتے۔

مالی دا کم پانی دینا تے بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

چونکہ کاشتکار کے دل میں توکل ہوتی ہے اور اس کی نظر اللہ پر ہوتی ہے۔ اس لئے فقہا نے یہ جواب دیا کہ ایسے بندے کی وراثت کاشتکاروں میں تقسیم کی جائے گی۔ اسی طرح ایک بحث اور چل پڑی کہ اگر کوئی آدمی یہ وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میری وراثت عقل مندوں میں تقسیم کی جائے تو اب کن لوگوں میں تقسیم کی جائے گی۔ فقہا نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس کی وراثت زاہدوں میں تقسیم کی جائے گی۔ پھر سوال اٹھا کہ زاہد لوگوں میں کیوں تقسیم کی جائے گی، حالانکہ دنیا میں عقلمند لوگ تو بہت ہیں۔ تو انہوں نے حدیث پاک میں ریفرنس (حوالہ) دیتے ہوئے کہا، کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

الدنیا دار من لادار لہ ومال من لا مال لہ ولھا یجمع من لا عقل لہ

[دنیا ایک ایسا گھر ہے جو کسی کا گھر نہیں اور ایسا مال ہے جو کسی کا مال نہیں اور اس کو وہ جمع کرتا ہے جو صاحب عقل نہیں]

تو گویا دنیا کو وہ لوگ جمع کرتے ہیں جن میں عقل کی رتی بھی نہیں ہوتی۔ اور جو انسان دنیا سے بے رغبت ہو کر رہے گا وہ اس حدیث پاک کے مطابق عقلمند انسان

ہے۔

ترکِ لذات دنیا کا مطلب:

جب ترک دنیا کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے کیا مراد ہوتا ہے؟ کیا انسان گھر والی کو چھوڑ دے؟ کیا وہ شہروں کو چھوڑ کر جنگلوں اور غاروں میں ڈیرہ لگا لے؟ .....نہیں، بلکہ ترک دنیا کا مطلب ''ترک لذات دنیا'' ہے۔ آج ہماری خرابی کی بنیاد ہماری ضرورتیں نہیں ہیں۔ بلکہ ہماری خواہشات ہیں۔ یاد رکھیں، ضرورتوں کی ہمیشہ ایک حد ہوتی ہے اور خواہشات کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ آج نوجوان کی ضرورت شادی کی وجہ سے تو پوری ہو رہی ہوتی ہے۔ لیکن اس کی آرزوؤں کی کوئی حد ہی نہیں ہوتی۔ اس کی نظر اِدھر بھی اٹھے گی اور اُدھر بھی اٹھے گی۔

ترک لذات دنیا کا کیا مطلب ہے؟ اگر مزے دار کھانا سامنے آئے تو کیا انسان کھانا چھوڑ دے؟ نہیں، اگر ایسی نعمت ملے تو اسے اللہ کی نعمت سمجھ کر کھائے اور اس کا شکر ادا کرے، مگر اس کے پیچھے نہ پڑے کہ مجھے یہ کھانا لینا ہے، چاہے حلال طریقے سے ملے چاہے حرام طریقے سے ملے۔ اگر وہ اس کے پیچھے پڑ گیا تو اسے چکنی چپڑی کھانے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑے گا۔

موانع زہد:

لذات دنیا کو ترک کرنے میں رکاوٹیں ہوتی ہیں۔

☆.....پہلی وجہ یہ ہے کہ انسان کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ''ایہہ جہان مٹھا، تے اگلا کیں ونج ڈٹھا''۔ لہذا جو مزے اڑانے ہیں وہ یہیں اڑاؤ۔ یہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔

☆.....دوسری وجہ شہوت کا غلبہ ہے۔ انسان پر شہوت کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ ضرورت

پوری ہونے کے باوجود وہ لذات میں پڑا رہتا ہے۔

☆ ..... تیسری وجہ انسان کی طبعی سستی اور کاہلی ہے جو لذات دنیا کو ترک کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔

خالق اور مخلوق کا محبوب بننے کا طریقہ:

ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں کہ اللہ مجھے دوست رکھے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا، تو دنیا سے بے رغبت ہو جا، اللہ تعالیٰ تجھے اپنا دوست بنالیں گے۔ اس شخص نے اگلا سوال کیا، اے اللہ کے نبی! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں کہ لوگ مجھے دوست رکھیں۔ فرمایا، جو چیزیں لوگوں کے پاس ہیں، تو ان سے بے رغبت ہو جا، لوگ تجھے اپنا دوست بنالیں گے۔ سبحان اللہ۔ جو کچھ مخلوق کے پاس ہے، اس سے بے رغبت ہو جایئے، مخلوق اپنا دوست بنا لے گی اور دنیا سے بے رغبت ہو جایئے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا دوست بنالیں گے۔ جبکہ آجکل کا سب سے بڑا فتنہ یہی ہے کہ ہر بندے کا جی چاہتا ہے،

يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِيَ قَارُوْنُ

[اے کاش! میرے پاس بھی اتنا ہوتا جتنا قارون کو ملا تھا]

مگر اہل علم ان چیزوں کی طرف رجحان نہیں دیتے۔ لہٰذا اس زمانے میں بھی اہلِ علم نے کہا تھا،

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا . (قصص: ۸۰)

[اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس ہے، مومنوں اور نیکو کاروں کے لیے جو ثواب تیار ہے وہ کہیں بہتر ہے]

دنیا کی ان چیزوں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے انسان کو چاہیے کہ آخرت میں کام

آنے والے اعمال جمع کرے۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان رزق حلال کمانے کے لئے کام ہی نہ کرے۔ وہ ضرور کام کرے۔ اگر تھوڑا ملے تو صبر کی زندگی گزارے اور اگر زیادہ ملے تو دین کے لئے خرچ کر کے اللہ کا شکر کرتے ہوئے زندگی گزار دے۔ یہ نہ ہو کہ جس کو اللہ نے تھوڑا دیا ہے، وہ اس کوشش میں ہو کہ مجھے تو فلاں بندے جیسی زندگی گزارنی ہے۔ یہ اللہ کی تقسیم ہے۔ اس پر بندے کو راضی رہنا چاہیے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ڈاکٹر رزق کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں اور ان پڑھ قسم کے لڑکے بزنس مین بن کر لاکھوں روپیہ کمارہے ہوتے ہیں۔

فیل ہونے پر اللہ کا شکر:

میرے بھائی جان کا ایک شاگرد تھا جو دسویں جماعت میں فیل ہو گیا۔ اور وہ یہ شہر ہی چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ آٹھ نو سال تک نظر ہی نہ آیا، ایک دن وہ راستہ چلتے ہوئے بھائی جان کو مل گیا۔ انہوں نے پوچھا، تم اتنا عرصہ نظر ہی نہیں آئے۔ کہاں رہتے ہو؟ وہ کہنے لگا،

''استاد جی! اللہ کا مجھ پر فضل ہوا کہ میں میٹرک میں فیل ہو گیا''

اس نے اپنے استاد کے سامنے یہ بات کہہ دی۔ بھائی جان بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ چنانچہ پوچھا کہ فیل ہونے کے بعد پھر کیا کام کیا؟ کہنے لگا، پھر میں شرم کی وجہ سے شہر چھوڑ کر فیصل آباد چلا گیا۔ وہاں جا کر میں نے چھابی لگانا شروع کر دی۔ جب کام چل پڑا تو میں نے ایک دکان کے سامنے تھلے پر بنیانیں بیچنا شروع کر دیں۔ اس کے بعد اور کام بڑھ گیا جس کی وجہ سے میں نے ایک چھوٹی سی دکان کرایہ پر لے لی۔ پھر اور کام بڑھا تو میں نے کپڑے کی ایک دکان بنالی۔ اس کے بعد دوسری دکان بنالی۔ الحمدللہ۔ آج نو سال کے بعد میں کپڑے کی تھوک کی دو دکانوں کا

مالک ہوں، شکر ہے کہ میں فیل ہوگیا، اگر پاس ہوگیا ہوتا تو آج میں کہیں کلرک لگا ہوا ہوتا۔ تو جو پاس ہوجاتے ہیں وہ کلرک بن کر ناشکری کرتے ہیں کہ ملتا کچھ نہیں اور جو فیل ہوجاتے ہیں وہ فیل ہونے پر بھی اللہ کا شکر ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے، جس کو چاہے زیادہ دے اور جس کو چاہے تھوڑا دے۔ اس لئے بندے کو بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے، اسے قسمت کا رونا نہیں رونا چاہیے۔ البتہ دل میں سوچے کہ،

رضینا قسمة الجبار فینا۔ [ہم رب جبار کی تقسیم پر راضی ہیں]

داؤد طائیؒ فرمایا کرتے تھے، اے دوست! اگر تجھے کھانے میں کبھی جلی ہوئی سبزی ملے تو سبزی کو نہ دیکھنا، بلکہ اس بات کو دیکھنا کہ جب اللہ نے رزق کو تقسیم کیا تھا تو اس نے تجھے یاد رکھا تھا۔

اگر ہم تقدیر پر راضی ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے تھوڑے عملوں پر راضی ہو جائیں گے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے تھوڑے رزق پر اللہ سے راضی ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے تھوڑے عملوں سے راضی ہو جائیں گے۔ ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ میری امت کے فقراء میری امت کے امیر لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ یہ نعمت انہیں اس لئے ملے گی کہ انہوں نے دنیا میں تھوڑے رزق پر ہی اکتفا کیا ہوگا۔

نور ایمان سے منور دل:

حضرت حارثہؓ ایک صحابی تھے۔ ایک مرتبہ وہ صبح صبح نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے پوچھا؟

كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ؟ [اے حارثہ! تو نے کیسے صبح کی؟]

انہوں نے جواب میں عرض کیا، میں نے ..... مُومِنٌ حَقًّا (پکا مومن) ..... بن

کر صبح کی۔ پھر نبی علیہ السلام نے پوچھا... وما علامة ایمانکم (تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟) اس سوال کے جواب میں انہوں نے اپنی کیفیت بتاتے ہوئے عرض کیا،

"اے اللہ کے نبی! مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ہر وقت اللہ کے عرش کے سامنے ہوں اور آخرت کی طرف میرا رجحان رہتا ہے، اور دنیا سے میرا دل اچاٹ ہے"۔ انہوں نے اس طرح کی کئی باتیں کیں۔ نبی علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا، عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ [یہ وہ بندہ ہے جس کے دل کو اللہ نے نور ایمان سے منور کر دیا ہے]

شرح صدر کی تین علامتیں:

جب قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی،

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (الانعام:۱۲۵)

[اور اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے]

تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! شرح صدر کی کیا علامت ہے؟ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، شرح صدر کی تین علامات ہیں۔

(۱)..... التجافی عن دار الغرور

[دھوکے کے گھر سے انسان کا دل اچاٹ ہو جائے]

(۲)..... والانابة الی دار الخلود

[اور ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف انسان کا دل لگ جائے]

(۳)..... واستعداد للموت قبل نزوله

[اور موت کے آنے سے پہلے انسان موت کی تیاری میں لگ جائے]

یہ سو فیصد سچی بات ہے۔ایک بزرگ فرماتے تھے اے دوست! تجھے جتنا دنیا میں رہنا ہے اتنا دنیا کے لئے محنت کرلو اور جتنا آخرت میں رہنا ہے اتنا آخرت کے لئے محنت کرلو۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں سو پچاس سال رہنا ہے، اس کے لئے کتنے جھنجھٹ ہیں۔اور آخرت میں ہم ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے لیکن اس کی تیاری کی ہمیں فکر ہی نہیں ہے۔

زاہد اور مرغابی میں مماثلت:

لذاتِ دنیا کے پیچھے پڑنے کی بجائے آخرت کی تیاری میں لگ جانا ہی زہد ہے۔اگر ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ اربوں پتی بھی بنادے تو وہ پھر بھی زاہد ہی ہوگا۔اس کی مثال مرغابی کی سی ہے۔مرغابی پانی میں تو بیٹھتی ہے، مگر اس کے پر ایسے چکنے ہوتے ہیں کہ وہ پانی میں گیلے نہیں ہوتے۔اس لئے جب ذرا سا اشارہ پاتی ہے تو وہ پانی کے اندر سے آرام سے اڑ جاتی ہے کیونکہ اس کے پر خشک ہوتے ہیں۔ یہ اس کے پروں کی خاصیت ہے۔ اگر اس کے پر گیلے ہو جائیں تو وہ اڑ ہی نہ سکے۔ اے دوست! تو بھی اپنی زندگی کو مرغابی کی مانند بنا، اگرچہ تجھے دنیا میں رہنا ہے، مگر دنیا کے پانی سے تیرے پر بھیگنے نہیں چاہئیں، اگر بھیگ گئے تو جب تجھے موت کے وقت جانا ہوگا تو تجھے اڑنے میں دشواری پیش آئے گی۔

زاہدوں کی موت کے مناظر:

زاہد کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اس کے لئے موت بہت ہی آسان ہو جاتی ہے کیونکہ ان کا دل تو دنیا سے پہلے ہی کٹا ہوتا ہے۔اس لئے ان کے لئے آگے جانا آسان ہوتا ہے۔مثال کے طور پر.....

☆.....حضرت خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک بوڑھا آیا۔ اس وقت میں اپنی عطر کی دکان پر بیٹھا تھا۔ دکان میں عطر کی چھوٹی چھوٹی شیشیاں پڑی تھیں۔ اس نے آکر ان شیشیوں کو بڑے غور سے دیکھا میں نے پوچھا، باباجی! آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ اس نے کہا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری جان اتنی شیشیوں میں اٹکی ہوئی ہے، وہ ان میں سے کیسے نکلے گی۔ میں نوجوان تھا۔ میں نے جب اس کی بات سنی تو مجھے غصہ آ گیا اور میں نے کہہ دیا، جیسے آپ کی جان نکلے گی ویسے میری بھی نکلے گی۔ اس نے کہا، اچھا! میری جان تو ایسے نکلے گی، وہ بوڑھا وہیں لیٹ گیا اور اپنے اوپر چادر لے کر کہنے لگا،

لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ

پھر جب میں نے اٹھ کر اسے دیکھا تو وہ فوت ہو چکا تھا..... میرے دل پر اسی وقت چوٹ پڑی کہ واقعی جن لوگوں نے محنت کی ہوتی ہے ان کو یونہی موت آتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بدلی اور پھر وہ بڑے بزرگ بنے اور بعد میں انہوں نے ''تذکرۃ الاولیا'' کتاب لکھی۔

☆.....حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک فقیر ہمارے پاس آ کر کہنے لگا، یہاں کوئی اچھی جگہ ہے۔ جہاں انسان مر سکے؟ قریب ہی ایک کنواں تھا۔ ہم نے کہا، وہ کنویں کے قریب اچھی جگہ ہے۔ جیسے ہی اس نے ہمارا یہ جواب سنا، اس نے وہاں وضو کیا اور دو رکعت نفل پڑھ کر لیٹ گیا۔ ہم نے وہاں جا کر دیکھا تو وہ فوت ہو چکا تھا۔

☆.....امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد اپنے لئے کفن کا کپڑا منگوایا جب کپڑا لایا گیا تو انہوں نے اسے بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھا اور پھر فرمانے لگے،

''بادشاہ کہ خدمت میں حاضری کے لئے بڑی خوشی سے تیار ہوں''

یہ کہنے کے بعد آپ قبلہ رخ ہو کر لیٹ گئے اور اس حالت میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

☆.....بھوپال میں ننھے شاہؒ نامی ایک بزرگ تھے۔ان کی ایک بیٹی تھی جس کا نام حفصہ تھا۔اس کی عمر تین چار سال تھی۔ان کا اس سے بڑا پیار تھا۔وہ پیاری پیاری باتیں کرتی تھی.....بیٹیاں ویسے ہی پھولوں کی طرح پیاری ہوتی ہیں.....ایک دن ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔چنانچہ وہ اپنی آنکھیں بند کر کے اللہ تعالیٰ سے لو لگا کر لیٹے ہوئے تھے۔اتنے میں حفصہ بھی آ گئی۔اب حفصہ یہ چاہتی تھی کہ جیسے میرے ساتھ پہلے بولتے تھے، کھیلتے تھے، باتیں کرتے تھے اسی طرح کریں، لیکن وہ رسپانس نہیں دے رہے تھے۔ جب اس نے دو چار باتیں کرنے کے بعد دیکھا کہ ابو رسپانس نہیں دے رہے تو وہ کہنے لگی، ابو! آپ مجھ سے نہیں بولتے، میں آپ سے نہیں بولتی، بس میری آپ سے کٹی ہو گئی۔ چنانچہ وہ روٹھ کر چلی گئی، اور اس نے دوسرے کمرے میں جا کر رونا شروع کر دیا۔ جب ماں نے اسے روتے دیکھا تو پوچھا، بیٹی، کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کہا، ابو مجھ سے نہیں بولتے، میں ابو سے نہیں بولتی۔ وہ کہنے لگی، آؤ میں آپ کے ابو سے آپ کی صلح کرواتی ہوں۔لہٰذا وہ اسے لے کر میاں کے پاس آئی اور کہنے لگی، جی آپ دیکھیں کہ یہ ہماری بیٹی ہے، یہ آپ سے روٹھ گئی ہے۔آپ اس کو ذرا اٹھائیں اور پیار کر کے منالیں۔ جب اس نے ایک دو دفعہ بات کی تو انہوں نے جواب میں کہا،

''کونسی حفصہ اور کیسی حفصہ، ہم نے تو اپنے یار کو منالیا، لا الہ الا اللہ محمد رسو ل اللہ'' یہ الفاظ کہے اور فوت ہو گئے.....اللہ اکبر کبیرا۔

جنہوں نے اللہ سے دل لگایا ہوا ہوتا ہے ان کو یہاں سے ٹیک آف کرتے ہوئے ان کو کوئی مصیبت نہیں ہوتی۔ایک مرتبہ پی آئی اے کا جہاز ٹیک آف کرتے

ہوئے ایکسیڈنٹ کا شکار ہوا۔ ہمارے ایک دوست وہاں کام کرتے ہیں، میں نے ان سے پوچھا، جی وجہ کیا بنی؟ وہ کہنے لگا کہ انہوں نے اس پر زیادہ لوڈ لا دلیا تھا، انہوں نے کارگو اتنا زیادہ بھر لیا تھا کہ جیسے ہی وہ اوپر اٹھنے لگا تو پہلے سپیڈ کے حساب سے جلدی اٹھ جاتا تھا، اب اس مرتبہ اسے اٹھنے میں دیر لگی اور نیچے رہا اور سامنے والی عمارت سے ٹکرا گیا.....اس کی بات سن کر مجھے احساس ہوا کہ اگر جہاز میں کارگو کا لوڈ زیادہ ڈال دیا جائے ٹیک آف کرتے ہوئے اس میں پرابلم ہوسکتا ہے، تو جو بندہ اپنے اوپر گناہوں کا بوجھ زیادہ لادے تو موت کے وقت اس کو بھی ٹیک آف کرتے ہوئے مصیبت پڑ جائے گی، اور جنہوں نے محنت کی ہوتی ہے ان کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتی۔

زاہد کے تین انعامات:

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ زاہد کو اللہ تعالیٰ تین انعامات عطا فرماتے ہیں۔

☆.....اس کے دل میں معرفت عطا فرماتے ہیں۔

☆.....اس کی زبان سے حکمت بھری باتیں نکلتی ہیں۔

☆.....اس کے لئے موت کے وقت آسان فرما دیتے ہیں۔

راحتِ تن اور راحتِ من:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ زہد راحتِ تن اور راحتِ من بھی ہے۔ راحتِ تن یہ ہے کہ انسان کے پاس اسباب تھوڑے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ اور راحتِ من یہ ہے کہ اس کا دل کہیں اٹکا ہوا نہیں ہوتا۔

زاہد کی دو رکعت کا مقام:

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ زاہد کی دو رکعت عام بندے کی ساری سے زیادہ اجر

والی بن جاتی ہیں۔ یعنی دوسرا بندہ اپنی ساری زندگی میں جو عمل کرتا ہے اس کو وہ اجر نہیں ملتا جو زاہد بندے کو دو رکعت ادا کرنے پر اللہ کی طرف سے مل جاتا ہے۔

زاہد کی مثال:

امام غزالیؒ نے زاہد کی ایک اچھی مثال دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بندہ بادشاہ کے دروازے پر ملاقات کیلئے حاضر ہونا چاہتا ہے۔ اس کے راستے میں کتا بیٹھا ہوا ہے۔ اب وہ کتا بھونکتا ہے اور اسے آگے نہیں جانے دیتا۔ اس بندے کے ہاتھ میں دو ہڈیاں ہیں۔ وہ اس کتے کے سامنے ہڈی پھینک دیتا ہے تو کتا اسی میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کی جان چھوٹ جاتی ہے جس کی وجہ سے اسے بادشاہ کے دربار میں حاضری نصیب ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا ہڈی کی مانند ہے اور شیطان اللہ رب العزت کے راستے میں موجود کتے کی مانند ہے، یہ کتا ہمیں الجھاتا ہے اور ہمیں آگے بڑھنے نہیں دیتا، تم بس دنیا کی ہڈی اس کے سامنے ڈال دو اور دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ، یہ اسی کے اندر الجھ جائے گا اور تمہیں اللہ کا قرب نصیب ہو جائے گا۔

زہد کے انداز:

زہد تین طرح کا ہوتا ہے:

(۱).....خائفین کا زہد: کچھ لوگ جہنم کے عذاب سے ڈر کر چھوڑ دیتے ہیں اسے خائفین کا زہد کہتے ہیں۔

(۲).....راجبین کا زُہد: بعض لوگ جنت کی تمنا میں مصیبت کو چھوڑ دیتے ہیں تاکہ جنت کے امیدوار بن جائیں، ان کا یہ ڈرنا راجبین کا زہد کہلاتا ہے۔

(۳).....محبین کا زہد: یہ ان لوگوں کا زہد ہے جو اللہ کی محبت میں ہر طرف سے بے رغبت ہو چکے ہوتے ہیں۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

ابو سلیمان دارازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو چیز اللہ سے دور کردے اسے ترک کرنا زہد ہے۔

ایک سبق آموز جواب:

جس بندے کے دل میں طمع نہ ہو اس کے لئے بہت تھوڑا بھی کافی ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ ہم ایک ملک میں جارہے تھے۔ ساتھ ایک انگریز بیٹھا تھا.....اس وقت ہم کسی جگہ پر جنرل منیجر کے طور پر کام کرتے تھے.....اس نے ایک مارکیٹ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہ دنیا کی مہنگی ترین مارکیٹ ہے اور کروڑوں پتی لوگ یہاں آکر مارکیٹنگ کرتے ہیں۔ ہم تو صرف وہاں سے گزر رہے تھے۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے کہ یہ مارکیٹ کتنی مہنگی ہے۔ وہ حیران ہوا۔ اس نے یہ سمجھا کہ شاید یہ عرب ملک کا کوئی ایسا امیر بندہ ہے کہ اس کو قیمت کے کم ہونے کی پرواہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے دوسری دفعہ پھر مجھ سے پوچھا، اچھا کیا آپ کے پاس اتنا بنک بیلنس ہے کہ آپ کو یہاں قیمت کے زیادہ یا کم ہونے کی کوئی پرواہی نہیں؟ میں نے کہا، جی یہ وجہ نہیں ہے۔ اس نے پوچھا، پھر کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا، وجہ یہ ہے کہ میں نے کچھ خریدنا ہی نہیں.....اسی کو زہد کہتے ہیں

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

جب دنیا کی غلط لذات سے دلچسپی ہی نہ ہو تو پھر مومن کا یہاں رہنا بھی آسان اور یہاں سے جانا بھی آسان ہے۔

عجیب اشعار:

مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عجیب اشعار کہے،

تم یونہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے
پر غیب میں سامان چھپا میرے لئے ہے
پیغام ملا تھا جو حسین ابنِ علی کو
خوش ہوں کہ وہ پیغامِ قضا میرے لئے ہے
یوں ابرِ سیاہ پر تو فدا ہیں سبھی مے کش
مگر آج کی گھنگھور گھٹا میرے لئے ہے
اللہ کے رستے کی جو موت آئے مسیحا
اکسیر یہی ایک دوا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں لذات دنیا کو ترک کر کے اپنی رضا کی خاطر نیکیوں بھری زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادے (آمین، ثم آمین)

و اخر دعوٰنا ان الحمدلله رب العلمین

یقین میری غذا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ.

جسمانی اور روحانی غذا:

نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے،

اَلْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ [یقین میری غذا ہے]

غذا اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان کو نشو ونما ملے۔ جیسے کھانا پینا انسان کی غذا سمجھی جاتی ہے اور اس سے انسان کے جسم کو نشو ونما ملتی ہے۔ غذا اچھی ہو تو انسان کا جسم اچھی طرح بڑھتا ہے اور اس کے اندر بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک روحانی غذا ہے، جسے انوارات، تجلیات، برکات اور فیوضات کہتے ہیں۔ یہ انسان کو روحانی طور پر مضبوط کر دیتے ہیں۔

یقین کسے کہتے ہیں؟

یقین اسے کہتے ہیں کہ انسان کسی چیز کے بارے میں پکا گمان کر لے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی سانپ کو دیکھ کر دور بھاگتا ہے، کیونکہ اس کے دل میں یہ یقین

ہوتا ہے کہ اگر سانپ ڈس لے تو اس کے زہر کی وجہ سے وہ موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دیکھنے میں سانپ کتنا خوبصورت ہوتا ہے۔ اس پر اتنا اچھا ڈیزائن بنا ہوتا ہے کہ اسے پکڑنے کو جی چاہتا ہے مگر اسے کوئی بندہ بھی ہاتھ نہیں لگاتا بلکہ اس سے دور بھاگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہوتی ہے کہ اس سے جان کا خطرہ ہے۔ اسی طرح جب دین پر یقین پختہ ہو جاتا ہے تو انسان گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتا کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس میں ایمان کا خطرہ ہے۔

یقین ملنے کے دو ذرائع:

یقین انسان کو دو طرح سے ملتا ہے۔

(۱) مشاہدے کے ذریعے (۲) خبر کے ذریعے

(۱) مشاہدے کے ذریعے یقین:

مشاہدے سے مراد یہ ہے کہ جب انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو وہ یقین کر لیتا ہے۔ چنانچہ کتنی ہی چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم دیکھ کر مان لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر.....

⊙ کشش ثقل (Gravitational Force)۔ یہ آنکھ سے نظر تو نہیں آتی لیکن جب ہم درخت سے پھل کو زمین پر گرتا دیکھتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ زمین اشیاء کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تبھی تو پھل نیچے آتا ہے اوپر نہیں جاتا۔

⊙ مقناطیسی گھڑی کو دیکھ کر ہم مانتے ہیں کہ زمین کے شمال اور جنوب میں ایک مقناطیسی قوت موجود ہے، جسے South pole (شمالی قطب) اور North pole (جنوبی قطب) کہتے ہیں۔ ہم اسے آنکھ کے ذریعے نہیں دیکھ سکتے، لیکن مشاہدے کی وجہ سے اسے مان لیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ ہر چیز انسان کے مشاہدے میں

نہیں آسکتی، کیونکہ انسان کا مشاہدہ تو محدود ہے۔ مثال کے طور پر.....

- چیونٹی اگر دس میٹر کے فاصلے پر چل رہی ہو تو وہ ہمیں نظر نہیں آتی۔
- چیونٹی کے چلنے کی بھی آواز ہوتی ہے، مگر ہم اسے سن نہیں سکتے۔ البتہ آلات کی مدد سے وہ آواز سنی جاسکتی ہے۔
- چیونٹی چینی کی خوشبو کو جلدی محسوس کر لیتی ہے۔ جبکہ ہمیں محسوس ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر کہیں چینی کا چھوٹا سا گرین (دانہ) بھی پڑا ہو تو ہمیں محسوس ہی نہیں ہوتا کہ چینی کا دانہ پڑا ہے یا نہیں۔ لیکن چیونٹی اس کی خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے وہاں پہنچ جاتی ہے۔
- ہم جس کمرے میں موجود ہوتے ہیں اس میں آواز کی لہریں موجود ہوتی ہیں مگر ان کو سننے کے لئے ریڈیو رسیور کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ریڈیو لگا کر مکہ مکرمہ سے تلاوت کی آواز بھی سن سکتے ہیں اور مختلف اسٹیشنوں سے خبریں سن سکتے ہیں۔ یہ آواز کی لہریں تو پہلے موجود تھیں مگر آلات کی مدد سے ان کا سننا آسان ہو گیا۔
- جانور زلزلے سے پہلے زمین سے آنے والی آوازوں کو بھی سن لیتے ہیں مگر انسان نہیں سن سکتے۔
- پرندے جب ایک براعظم سے دوسرے براعظم کی طرف چلتے ہیں تو ان کے پاس آلات تو نہیں ہوتے پھر ان کو سمت کون بتاتا ہے؟ وہ ہزاروں میل کا سفر کر لیتے ہیں۔ جب کوئی چیز ہوا میں چلی جاتی ہے تو اسے نیچے زمین ایک جیسی نظر آتی ہے۔ انہیں کون بتاتا ہے کہ وہ مشرق کی طرف جائیں یا مغرب کی طرف، شمال کی طرف جائیں یا جنوب کی طرف؟ .....اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ کے اندر ایک ایسا سسٹم بنا دیا ہے کہ جس کو استعمال کر کے وہ بالکل ایک

سمت میں جاتے ہیں اور اسی ایک سمت میں واپس آجاتے ہیں۔

- بلی رات کو دیکھ لیتی ہے لیکن انسان کو اندھیرے میں نظر نہیں آتا۔
- ایک چھوٹا سا کیڑا اپنی مادہ کی موجودگی کو تیرہ کلومیٹر دور سے محسوس کر لیتا ہے لیکن انسان کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی پردے کے پیچھے موجود ہو تو اسے وہ بھی نظر نہیں آتا۔
- جب انسان کھانستا ہے تو اس کے منہ سے اربوں کھربوں کی تعداد میں جراثیم نکلتے ہیں جن کو انسان اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ انہیں صرف خوردبین کی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر ہم بھی اس کو دیکھ سکتے کہ کھانسنے سے کسی کے منہ سے کتنے جراثیم نکل رہے ہیں تو ہم ایک دوسرے سے دو دو قدم دور رہتے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر مہربانی فرما دی کہ ہمیں اتنے ہی حواس دیئے جتنے ضروری تھے اور آگے پیچھے کا معاملہ ہماری نظر سے اوجھل کر دیا۔
- جب ایک ایکسرے کروانے کے لئے جاتے ہیں تو کوئی چیز ہمارے جسم کے اندر سے گزرتی ہے اور ہماری ہڈی کا فوٹو لے لیتی ہے۔ وہ چیز ہمیں آنکھ سے نظر نہیں آتی۔ وہ الفاریز، بیٹاریز اور گیماریز ہوتی ہیں جو آلات کے ذریعے سے تو محسوس ہوتی ہیں لیکن آنکھ کے ذریعے نظر نہیں آتیں۔

(۲) خبر کے ذریعے یقین:

یقین کرنے کا دوسرا طریقہ خبر کا طریقہ ہے۔ یعنی کسی معتبر بندے کے بتانے سے یقین کر لینا۔ مثلاً آپ میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے سعودی عرب نہیں دیکھا، لیکن وہ پھر بھی مانتے ہیں کہ دنیا میں سعودی عرب موجود ہے۔ اس لئے کہ کتابوں میں بھی اس کے بارے میں پڑھا اور جو لوگ وہاں سے ہو کر آئے انہوں نے بھی بتایا کہ سعودی عرب میں اللہ کا گھر ہے۔ یوں کتابوں کے مطالعہ سے

اور لوگوں کے بتانے سے اس بات کو ہم تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہ ہم نے خبر کے ذریعے سے مانا ہے۔

ایک مرتبہ مجھے ٹبہ سلطان پور جانے کا موقع ملا۔ وہاں بیان کے بعد ایک صاحب اپنے جوان بیٹے کو لے کر میرے پاس آئے۔ ان کا بیٹا وکیل تھا اور وہ دہریہ بنا ہوا تھا۔ اس نے ماں باپ کو بہت پریشان کیا ہوا تھا۔ باپ نے مجھے بتایا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اس نے سائنس پڑھی ہے، پتہ نہیں کہ اس کا دماغ کیسے خراب ہوا کہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتا۔

میں نے وکیل صاحب سے بات کی تو وہ کہنے لگا، جی میں سائنس پڑھا ہوا ہوں، میں جب کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہوں تو مانتا ہوں، فقط سنی سنائی بات نہیں مانتا۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔ جب کوئی بندہ سمجھنے کے لئے تیار ہی نہ ہو تو اسے سمجھانا بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے۔ مجھے بھی اندازہ ہو گیا کہ اب گھی ٹیڑھی انگلی سے ہی نکلے گا، سیدھی انگلی سے نہیں نکلے گا۔

چنانچہ میں نے اس سے پوچھا، کیا واقعی آپ سنی سنائی بات کو نہیں مانتے؟ کہنے لگا، نہیں، میں سائنس پڑھا ہوا ہوں، اگر کوئی چیز مشاہدے سے دیکھتا ہوں تو مانتا ہوں، ورنہ نہیں مانتا۔ میں نے اس کو پکا کر لیا۔ جب اچھی طرح پکا ہو گیا تو میں نے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس سے پوچھا، وکیل صاحب! آپ کا نام کیا ہے۔ اس نے اپنا نام بتا دیا۔ میں نے پھر پوچھا، آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ اس نے وہ بھی بتا دیا۔ میں نے کہا کہ جو آپ نے اپنے والد کا نام بتایا ہے، آپ یہ کیوں مانتے ہیں کہ یہ میرے والد ہیں، دیکھ کر مانا ہے یا سن کر مانا ہے؟ کہنے لگا، سن کر مانا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر آپ یہ کہیں کہ مجھے اپنے باپ کا پتہ ہی نہیں ..... اب تو اس کا باپ اس پر غضب ناک ہونے لگا اور کہنے کہ ہاں بالکل ٹھیک ہے، اب تو کہہ دے کہ مجھے نہیں پتہ

کہ میرا باپ کون ہے۔ چنانچہ اب وہ پریشان ہو گیا کہ اگر یہ بات سارے شہر میں پھیل گئی تو میرا کیا بنے گا..... وہ اسی اضطراب میں کہنے لگا، جی میری امی نے مجھے بتایا ہے کہ یہ تمہارا باپ ہے۔ میں نے کہا، تمہاری امی تو پھر بھی جھوٹ بول سکتی ہے، اگر تم ماں کے کہنے پر باپ کو باپ مان لیتے ہو تو کیا نبی علیہ السلام کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں مان سکتے۔

تو نبی علیہ السلام کی بات کو مان لینا یقین کہلاتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے جو کچھ آ کر بتایا، ہم آپ ﷺ کو صادق الامین سمجھتے ہوئے اس کو مانتے ہیں۔

اسی طرح بجلی کی تار میں انسان کو نظر تو کچھ نہیں آ رہا ہوتا، مگر ہاتھ کوئی بھی نہیں لگاتا۔ کیونکہ ہر ایک کو پتہ ہوتا ہے کہ 11KV کی تار ہے، اسے جو بندہ بھی ہاتھ لگائے گا وہ پھڑک جائے گا۔ جس طرح 11KV کی تار کو کوئی بندہ ہاتھ نہیں لگاتا اسی طرح اگر پکا یقین ہو کہ اگر ہم گناہ کریں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا ایک جھٹکا پڑے گا تو پھر ہم گناہ کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔ نوجوان آجکل سوال پوچھتے ہیں کہ گناہوں سے بچنا بڑا مشکل ہے، کیا کریں۔ یاد رکھیں کہ گناہوں سے بچنا صرف اس وقت تک مشکل ہے جب تک یقین کمزور ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی یہ کہے کہ میں سانپ کو دیکھ کر اسے پکڑے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اب بتائیں، کوئی بندہ یہ کہہ سکتا ہے۔ ہر بندہ دور بھاگے گا کہ یہ سانپ ہے، اگر کاٹے گا تو میری جان چلی جائے گی۔ مومن بھی ایسا ہی سمجھتا ہے کہ اگر میں گناہ کا مرتکب ہوں گا تو میرا ایمان چلا جائے گا۔

آجکل کے لوگ ڈاکٹر کے کہنے پر کئی چیزیں چھوڑ دیتے ہیں۔ شوگر کا مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور ڈاکٹر اسے کہتا ہے کہ آپ نے آج کے بعد چینی نہیں کھانی، چکنائی نہیں کھانی، چاول نہیں کھانے، اگر کھائیں گے تو آپ کو یہ چیزیں نقصان دیں گی۔ چنانچہ وہ مریض ڈاکٹر کے کہنے پر یہ سب چیزیں چھوڑ دیتا ہے۔ اگر

وہ ڈاکٹر کے کہنے پر یہ نعمتیں کھانی چھوڑ سکتا ہے تو کیا نبی علیہ السلام کے کہنے پر ہم گناہوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے بتایا ہے کہ اگر تم یہ یہ کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہوں گے، جس کی وجہ سے تمہیں دنیا میں بھی ذلت اٹھانا پڑے گی اور آخرت میں بھی سزا ہوگی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ بکری چارہ کھاتے ہوئے مالک کی ایک آواز پر وہ چارہ کھانا چھوڑ دیتی ہے، لیکن انسان نبی علیہ السلام کے کہنے پر گناہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان یقین کی کمزوری کی وجہ سے گناہوں سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتا۔ البتہ اگر یقین بن جائے تو گناہوں سے بچنا بہت آسان ہوتا ہے۔ ہمارے اکابر کا یقین بنا ہوا تھا کہ اگر ہم گناہ کے مرتکب ہوں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں،

مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهٖ (النساء: ۱۲۳)

[جو کوئی بھی گناہ کرے گا اسے اس کی سزا مل کر رہے گی]

اسی یقین کی وجہ سے وہ گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتے تھے۔ حالانکہ گناہوں کے مواقع بھی ہوتے تھے، لیکن وہ ان مواقع سے یوں دور بھاگتے تھے جیسے کوئی شیر اور سانپ سے بھاگتا ہے۔

یقین کامل کے واقعات:

(۱).....سیدنا یوسف علیہ السلام کے سامنے گناہ کا بہترین موقع تھا۔ بند کمرہ ہے، گھر کی بڑی خود اپنے آپ کو گناہ کے لئے پیش کر رہی ہے، پھر پردیس ہے، ماں باپ کے سامنے رسوائی کا بھی کوئی ڈر نہیں، جاننے والا بھی کوئی نہیں کہ یہ کون ہے اور کس خاندان سے ہے، بھرپور جوانی بھی ہے، لیکن ان کے دل میں ایک یقین تھا کہ نافرمانی کرنے سے اللہ رب العزت ناراض ہوتے ہیں۔ لہٰذا گناہوں کے لئے سازگار ماحول کے باوجود انہوں نے فرمایا.....معاذ اللہ.....(میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں)

(۲)..... کتابوں میں لکھا ہے کہ تابعین میں سے تین بزرگ دشمن کی قید میں آ گئے۔ اس نے دو کو تو شہید کر دیا اور ایک کے بارے میں چاہا کہ وہ اسے اپنی فوج کا جرنیل بناؤں۔ چنانچہ وہ اس کو گھر لے آیا۔ گھر میں آ کر اس نے اپنی خوبصورت بیٹی سے کہا کہ تم اس آدمی کو اپنی طرف مائل کرو تا کہ یہ ہمارے دین پر آ جائے۔ امید ہے کہ یہ ہمارے لئے بڑے کام کا آدمی ثابت ہوگا۔

وہ جوان لڑکی بن سنور کر ایک ہفتہ تک ان کے پاس آتی، کھانا پیش کرتی اور ان کے ساتھ باتیں کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن انہوں نے ایک مرتبہ بھی اس کے چہرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ وہ لڑکی بڑی حیران ہوئی کہ یہ جوان مرد ہے، میں گھنٹوں اس کے پاس تنہائی میں آ کر بیٹھتی ہوں، لیکن یہ میری طرف دھیان ہی نہیں دیتا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟..... چنانچہ اس سے رہا نہ گیا اور اس نے پوچھا، جی آپ میری طرف کیوں نہیں دیکھتے؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے اللہ نے غیر محرم کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگی، اچھا اگر تم اتنے پکے ہو تو پھر مجھے بھی تم اپنے جیسا بنالو۔ چنانچہ انہوں نے اسے کلمہ پڑھایا اور مسلمان کر دیا۔

شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے

پھر وہ کہنے لگی، اب تو میں مسلمان ہو چکی ہوں اس لئے اب یہاں رہنا مشکل ہے، مجھے اب یہاں سے نکالیے۔ انہوں نے اسے کہا، اب آپ ہی کوئی بندوبست کریں۔ چنانچہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میں ان کے ساتھ جنگل کی سیر کو جانا چاہتی ہوں۔ لہٰذا جنگل کی سیر کے بہانے ان کو گھوڑے مل گئے اور یوں اللہ رب العزت نے اس تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو اس جگہ سے رہائی عطا فرمائی۔ جب وہ دونوں مسلمانوں کے علاقے میں پہنچے تو اللہ رب العزت نے انہیں اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ اب دیکھیں کہ انہیں وہ نعمت ملنی تھی، اگر پہلے ہاتھ

بڑھا دیتے تو ان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا، انہوں نے اپنے آپ کو تھام لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آزادی کی نعمت بھی دے دی اور یہ نعمت بھی عطا فرما دی۔

(۳).....سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ حج کے سفر میں اپنے خیمے میں بیٹھے تھے اس وقت ان کے دوست کھانا لانے کے لئے شہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی عورت ان کے خیمے میں آ گئی۔ اس نے ان کو گناہ کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ مجھے گناہ کی طرف متوجہ کر رہی ہے تو انہوں نے یہ سوچ کر رونا شروع کر دیا کہ شیطان نے اپنا ایجنٹ میرے پاس بھیج دیا۔ جب اس عورت نے ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو وہ شرمندہ ہو کر واپس چلی گئی۔

ان کو رات خواب میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی خدمت میں عرض کیا، حضرت! آپ کتنے خوش نصیب ہیں کہ آپ کی پاکدامنی کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے اور آپ نے زلیخا کی دعوت کے باوجود اس کی طرف پیش قدمی نہ کی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا، میں تو اللہ کا نبی تھا، مجھ پر اللہ کی طرف سے حفاظت اور مدد تھی یہ اتنی حیرانی کی بات نہیں، حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ سلیمان! تمہارے سامنے عورت نے اپنے آپ کو پیش کیا اور تم نے رو کر اپنے آپ کو گناہ سے بچا لیا، اللہ کے ہاں تمہارے اس گناہ سے بچنے کا رتبہ بہت بڑا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ جب دل میں یقین ہوتا ہے تو پھر تنہائی میں بھی انسان گناہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

رزق ملنے کا یقین:

رزق ملنے کے یقین کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ اگر بندے کو رزق ملنے کا یقین ہو تو نہ وہ جھوٹ بولے گا، نہ وہ کسی کو دھوکا دے گا، نہ چوری کرے گا، اور نہ ہی وہ کسی

دوسرے کا مال ہتھیانے کی کوشش کرے گا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود:٦)

[اور زمین پر جو جاندار بھی ہے اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے]

اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم علیہا السلام کو بے موسم کے پھل کھلائے، تو کیا امتِ محمدیہ کو موسم کے پھل نہیں کھلا سکتے۔ اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کو چالیس سال تک من وسلویٰ کھلایا، تو کیا اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو گندم کی روٹی نہیں دے سکتے۔ یہ تو یقین کرنے کی بات ہے۔ اگر یقین کریں گے تو اللہ تعالیٰ رزق عطا فرمائیں گے۔

زکوۃ سے مال محفوظ ہونے کا یقین:

چنانچہ اگر یقین ہو کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے میرا مال پاک بھی ہو جاتا ہے اور محفوظ بھی ہو جاتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے مال کی حفاظت کرے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے اس کا مال اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ لہٰذا اس مال کو کوئی ضائع بھی نہیں کر سکتا۔

دارالعلوم دیوبند کے خازن ایک نواب صاحب تھے۔ وہ تہجد گزار تھے۔ ان کے پاس دارالعلوم کے پیسے ہوتے تھے۔ وہ جس جگہ پر دارالعلوم کے پیسے رکھتے تھے اسی جگہ ان کے ان کے اپنے پیسے بھی ہوتے تھے۔ اس الماری کو انہوں نے چھوٹا سا تالا لگایا ہوا تھا۔ ایک دن تہجد کے لیے اٹھے تو دیکھا کہ چور آیا ہوا ہے اور وہ اس تالے کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جبکہ یہ اللہ کے ایسے بندے تھے کہ وضو کر کے نفل پڑھنے میں لگ گئے اور وہ تالا توڑنے کی کوشش میں لگا رہا۔ اس سے تالا ہی نہ ٹوٹا۔ حتی کہ جب فجر کی نماز کا وقت قریب ہوا تو وہ مصلے سے اٹھ کر آئے اور کہنے لگے، اے بھائی! اگر ساری رات میں تجھ سے یہ تالا نہیں ٹوٹا تو اب کہاں ٹوٹے گا۔ یہ سن کر چور نے سمجھا کہ اب گھر والے جاگ گئے ہیں، چنانچہ وہ بھاگ گیا۔

اس کے بعد انہوں نے مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھی .....ان کا تکیہ کلام تھا ''اللہ کے فضل سے''یعنی جب وہ کوئی بات کرتے تو وہ کہتے، اللہ کے فضل سے، اللہ کے فضل سے.....وہ نماز پڑھ کر امام صاحب سے کہنے لگے، حضرت! آج تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا۔ امام صاحب اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے، کیا کہہ رہے ہو؟ کہا، آج تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا۔ انہوں نے کہا، کیا مطلب؟ پھر انہوں نے رات کو پیش آنے والا واقعہ سنایا۔ امام صاحب نے واقعہ سن کر کہا کہ جب تم اٹھ گئے تھے تو تمہیں چاہیے تھا کہ پہلے ہی چور کو بھگا دیتے۔ تم نے اسے اسی وقت کیوں نہ بھگا دیا۔ یہ اس کی بات سن کر ناراض ہو کر کہنے لگے،

''میں اپنے مال کی پوری پوری زکوٰۃ دیتا ہوں، ممکن ہی نہیں تھا کہ چور میرے تالے کو توڑ کر چوری کر سکتا، میرا مال میرے اللہ کی حفاظت میں ہے''۔

اللہ کی ایک نیک بندی رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا سوئی ہوئی تھیں۔ ان کے کمرے میں ایک چور آیا اور ان کی چادر اٹھا کر بھاگنے لگا۔ بھاگتے ہوئے اسے چکر سا آیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ گیا۔ اس نے گھبرا کر چادر وہیں پھینک دی۔ جب اس نے چادر پھینک دی تو اسے دروازہ نظر آیا۔ پھر جب دروازے کی طرف بھاگا تو اسے آواز آئی،

''اگر ایک دوست سویا ہوا ہے تو دوسرا دوست جاگ رہا ہے''۔

اگر بندے نے اللہ سے ایسا تعلق بنایا ہوا ہو تو کیا اسے کوئی آدمی نقصان پہنچا سکتا ہے؟ کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بندے کو یقین ہو جائے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے میرا مال میرے اللہ کی حفاظت میں آ جائے گا تو پھر بندے کو کوئی پریشانی ہی نہیں ہوتی۔

حرام مال سے اولاد کے نافرمان ہونے کا یقین:

اگر بندے کو یہ یقین ہو جائے کہ اگر میں حرام مال کماؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس کے

بدلے میں میری اولاد کو نافرمان بنادے گا، تو کیا کوئی حرام مال کے قریب جائے گا؟ ہرگز نہیں جائے گا۔ یہ ایک عام دستور ہے کہ جو بندہ بھی حرام کماتا ہے اس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اولاد یا بیوی وغیرہ کو نافرمان بنادیتے ہیں۔ اگر یہ پکا یقین ہو تو کوئی کیوں حرام کمائے۔ بھئی اگر ترلقمے کھانے کی بجائے ہم خشک روٹی کھالیں گے تو کم از کم اولاد تو اپنی فرمانبردار بنے گی۔ لوگ اس بات کا خیال ہی نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کروڑوں پتی بن جاتے ہیں لیکن گھر کا سکون لٹ جاتا ہے۔ اولاد بات ہی نہیں سنتی۔ بچے اپنے باپ سے اس طرح نفرت کرتے ہیں جیسے کوئی پاپ سے نفرت کیا کرتا ہے۔ اس حرام کمائی کا کیا فائدہ کہ انسان اپنی اولاد کو نافرمان بنا بیٹھے۔

سود سے مال ناپاک ہونے کا یقین:

اگر بندے کو یہ یقین ہو کہ سود کا کام کرنے سے میری اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک جنگ شروع ہو جائے گی اور میرا مال ناپاک ہو جائے گا تو کوئی بندہ بھی سود کا کام نہیں کرے گا۔ وہ بھاگ بھاگ کر سود پر قرضے نہیں لے گا۔ وہ ہر صورت میں سود سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ قرآن مجید نے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر تم سود سے نہیں بچو گے:

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (البقرۃ:۲۷۹)

[تو تم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ]

لیکن اس کو ہم بہت ہی معمولی سی چیز سمجھتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ بندے کا یقین کمزور ہوتا ہے۔

موت کا یقین:

اگر بندے کو یہ یقین ہو کہ میری موت کا وقت متعین ہے لہٰذا میں وقت آنے پر مروں گا، تو وہ موت سے نہیں ڈرے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے دیگر اکابر

کو اس بات کا پکا یقین تھا۔ لہٰذا وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے۔ شاید موت ان سے ڈرتی تھی۔ وہ بالکل نہیں گھبراتے تھے۔ علامہ اقبال نے کہا،

تھے ہمیں ایک تیرے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

حضرت خالد بن ولید ﷺ فرماتے تھے کہ میں جہاں دشمن کا سب سے زیادہ رش دیکھتا تھا، وہاں جاتا تھا۔

ایک آدمی نوویں منزل سے پکی سڑک پر آ گرا اور محفوظ رہا۔ ایک دو دن تک لوگ اس کی طبیعت کے بارے میں آ کر پوچھتے رہے۔ وہ اسے کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نئی زندگی دے دی ہے۔ وہ بھی بڑا خوش تھا۔ تیسرے دن اسے ایک دوست ملنے آیا اور کہنے لگا، یار! تمہیں نئی زندگی ملی ہے، ہمیں مٹھائی تو کھلاؤ۔ اس نے کہا، یہ ہمارے گھر کے سامنے مٹھائی کی ایک بہترین دکان ہے، میں وہاں سے لے آتا ہوں۔ چنانچہ وہ بیٹھک سے گھر میں گیا تاکہ پیسے لے کر مٹھائی لے آئے۔ گھر والوں نے فرش دھویا ہوا تھا۔ فرش پر اس کا پاؤں پھسلا اور وہیں اس کی موت آ گئی ..... وہ نوویں منزل سے گرا تو اس وقت محفوظ رہا، کیوں کہ ابھی موت کا وقت نہیں آیا تھا، اور جب وقت آیا تو فرش سے پاؤں پھسلا اور وہیں اس کی موت آ گئی۔

عزت اور ذلت ملنے کا یقین:

اسی طرح مومن کے دل میں پکا یقین ہوتا ہے کہ مجھے عزت اللہ تعالیٰ نے دینی

ہے۔اور اگر یہ یقین ہو کہ مجھے عزت مال کی وجہ سے ملے گی تو پھر وہ By hook & By crook (ہر جائز ناجائز طریقے سے) مال کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔لیکن یاد رکھیں کہ عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔فرمایا:

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

[عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور ایمان والوں کیلئے ہے]

ایک اور مقام پر فرمایا،

وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (آل عمران:۲۶)

[اور (اے اللہ!) آپ جسے چاہتے ہیں عزت دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ذلت دیتے ہیں]

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک خط لکھا کہ آپ ماں کا درجہ رکھتی ہیں، لہٰذا آپ مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔انہوں نے اس کے جواب میں بہت ہی پیاری نصیحت کی۔فرمایا،

''اگر تم لوگوں کی خوشی کی خاطر اللہ کو ناراض کرو گے تو اللہ ان لوگوں کے دلوں میں تمہارا بغض پیدا کر دیں گے اور یہ اندر سے تمہارے دشمن بن جائیں گے اور اگر تم اللہ کی رضا کے لئے لوگوں کو ناراض بھی کر بیٹھو گے تو اللہ لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت ڈال دیں گے اور وہ اندر سے تم سے محبت کرنے لگ جائیں گے''۔

یقین کے درجات:

یقین کے مختلف درجات ہیں۔

(1) علم الیقین (2) عین الیقین (3) حق الیقین

علم الیقین کا مطلب یہ ہے کہ علم کی حد تک انسان کو یقین ہو کہ یہ ایسے ہے۔عین

الیقن سے مراد یہ ہے کہ وہ آنکھ سے بھی دیکھ لے۔ اور حق الیقین سے مراد یہ ہے کہ بندے پر اس چیز کی حقیقت کھل جائے۔ مثال کے طور پر.....

⊙ اگر آپ مکہ مکرمہ میں ہیں اور آپ کو ٹھنڈی ہوا لگے تو ٹھنڈی ہوا کے لگتے ہی آپ کو علم الیقین حاصل ہو جاتا ہے کہ کہیں بارش ہوئی ہے۔ پھر اس کے بعد آپ طائف کی طرف سے بادل آتے دیکھتے ہیں تو آپ کو عین الیقین بھی نصیب ہو جاتا ہے کہ ہاں طائف میں بارش ہوئی ہوگی اور وہاں سے یہ بادل مکہ مکرمہ آرہے ہیں اور یہ ٹھنڈی ہوا وہیں سے آرہی ہے۔ پھر وہ بادل آپ کے اوپر برسنے لگ گئے تو آپ کو اب حق الیقین حاصل ہو گیا۔

⊙ سردی میں آپ ٹھٹھرتے ہوئے گھر واپس آئے ہیں۔ بیوی کہتی ہے کہ میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔ تو آپ کو یہ علم الیقین ہوتا ہے کہ یہ گرم چائے لائے گی۔ پھر اس نے چائے لا کر آپ کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی اور آپ نے اس میں سے بخارات اٹھتے ہوئے دیکھے۔ اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔ یعنی آپ کو آنکھ کے ذریعے محسوس ہو گیا کہ چائے بڑی گرم ہے۔ اور جب آپ نے چائے کا کپ اٹھا کر اپنے منہ سے لگا لیا، اسے حق الیقین کہیں گے۔

⊙ اسی طرح ایک آدمی اس بات پر علم الیقین رکھتا ہے کہ اگر کوئی زہر کھالے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی کو اپنی آنکھوں کے سامنے زہر سے مرتے دیکھے تو اسے عین الیقین کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی خود زہر کھائے تو اسے حق الیقین کہیں گے۔

انبیائے کرام کو آخرت کے معاملات میں حق الیقین حاصل ہوتا ہے، اولیائے کرام کو آخرت کے معاملات میں عین الیقین حاصل ہوتا ہے۔ اور عوام الناس کو اس معاملہ میں علم الیقین حاصل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حق الیقین نصیب تھا۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے

تھے کہ اگر جنت اور جہنم میرے سامنے آجائیں تو میرے یقین میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہ ہو کیونکہ میں بن دیکھے ان پر اتنا یقین رکھتا ہوں۔

اولیائے کاملین کا یقین:

اولیائے کاملین سے جو کرامات سرزد ہوتی ہیں ان کی بنیادی وجہ بھی قوت یقین ہوتی ہے۔ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک گمان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے گمان کے مطابق معاملہ فرما دیتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر ساری مخلوق کو میرا کنبہ بنا دیا جائے اور ساری زمین کو تانبے کا بنا دیا جائے اور آسمان سے ایک قطرہ بھی پانی کا نہ گرے تو مجھے پھر بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس کنبے کو رزق عطا فرما دے گا۔

ایک بند پتھر..... کیڑے کا گھر:

ہمارے ایک دوست سوات کی سیر کے لئے گئے۔انہیں وہاں پہاڑ پر ایک خوبصورت گول سا پتھر نظر آیا۔ان کی بیوی کہنے لگی کہ اس کا کلر ہمارے ڈرائنگ روم کے پینٹ کے ساتھ میچ کرتا ہے،لہٰذا اس کو لے جاتے ہیں اور اسے ڈرائنگ روم میں ڈیکوریشن پیس کے طور پر رکھیں گے۔چنانچہ وہ اسے اٹھا کر لے آئے اور ڈرائنگ روم میں سجا دیا۔

وہ پتھر ان کے گھر میں دو سال تک رہا۔ایک مرتبہ ان کی بیوی ڈرائنگ روم کی صفائی کر رہی تھی۔اس نے سوچا کہ میں پتھر کو بھی صاف کر دیتی ہوں۔چنانچہ اس نے جیسے ہی وہ پتھر اٹھایا،گر گیا۔فرش کے ساتھ ٹکرا کر اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ہم نے دیکھا کہ اس پتھر کے بالکل وسط میں ایک خلا تھا۔جس میں ایک کیڑا تھا۔وہ کیڑا بھی زمین پر گرا اور اس نے چلنا شروع کر دیا۔

تو نے پتھر میں کیڑے کو پالا
خشک مٹی سے سبزہ نکالا

جو پروردگار اس کیڑے کو بند پتھر کے اندر رزق پہنچا دیتے ہیں، وہ ایک آدمی کو اس دنیا کے اندر رزق کیوں نہیں عطا فرمائیں گے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ بندے کا پیٹ دو روٹیوں سے بھی بھر جاتا ہے۔ اس کا پیٹ ہاتھی کے پیٹ کی طرح تو نہیں ہے کہ اسے ٹنوں کے حساب سے چارہ کھانا پڑے۔ کوئی وہیل مچھلی کے پیٹ کی طرح تو نہیں ہے کہ اسے ٹنوں کے حساب سے خوراک کی ضرورت ہو۔ پیٹ تو اتنا چھوٹا ہے کہ دو روٹیوں سے بھی بھر جائے لیکن خدا پر یقین پھر بھی نہیں ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ پرندے روزانہ خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور اللہ ان کو پیٹ بھرے واپس پہنچا دیتا ہے، جبکہ یہ انسان روزانہ پیٹ بھر کر گھر سے نکلتا ہے لیکن خالی پیٹ اپنے گھر واپس آجاتا ہے۔

پلے رزق نہ بنھدے پکھو تے درویش
جنہاں تقیہ رب دا انہاں رزق ہمیش

جو اللہ پر توکل کرتے ہیں اللہ ان کو ہمیشہ رزق عطا فرما دیتے ہیں۔ اگر یقین ہو تو انسان روزی کے لئے کیوں جھوٹ بولے، کسی کا مال کیوں غبن کرے، کیوں چوری کرے، اپنی اس روزی کی خاطر اپنی آخرت کیوں برباد کرے۔ روزی تو اللہ نے ہر حال میں دینی ہے۔ ان سب چیزوں کا تعلق یقین سے ہے۔ جب یقین ٹھیک ہو جائے گا تو پھر ان کے لئے یہ سب چیزیں آسان ہو جائیں گی۔

کھانے والے کا سفر.....رزق کی طرف:

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ مجھے لاہور سے خانیوال جانا تھا۔ میں نے ڈرائیور سے رات کو ہی کہہ دیا کہ تم رات کو اپنی نیند پوری کر لینا اور دن کو فریش ہو

کر ڈرائیو کرنا۔ نئی گاڑی تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اپنی فائل پڑھنے لگا۔ ملتان روڈ اس وقت کافی کھلا تھا۔ چنانچہ ڈرائیور گاڑی کو تیز تیز بھگا رہا تھا۔ اس نے ایک جگہ پر اچانک بریک لگائی۔ مجھے ایسے لگا جیسے گاڑی کسی چیز سے ٹکرائی ہے۔ مگر بچ گئے۔ میں نے پوچھا، کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا، سر! ایک کتا آگے آ گیا تھا، میں نے اسے بچانے کی بڑی کوشش کی لیکن لگتا ہے کہ وہ لگ گیا ہے۔ میں نے کہا کہ لگتا ہے کہ تو نے رات کو نیند پوری نہیں کی ..... گرمی کے موسم میں صبح کے وقت بھی خوب نیند آتی ہے..... اس نے کہا، جی نہیں، میں رات کو سویا تھا، اب ٹھیک ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ جہاں آگے چائے کا ہوٹل آئے تو تم گاڑی روکنا، وہاں سے میں آپ کو ڈرائیور چائے کا ایک کپ پلاؤں گا تا کہ تمہاری آنکھیں کھلیں۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

وہ 120 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی بھگاتا رہا۔ 35 کلومیٹر کے بعد ایک ریسٹورنٹ آیا۔ وہاں اس نے گاڑی روکی۔ میں نے اسے کہا کہ جا کر چائے کا کپ پیو۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ بالکل نئی گاڑی ہے، پتہ نہیں کہ اس میں کیا چیز لگی ہے، کوئی ڈینٹ بھی پڑا ہوگا، نہ جانے کتنا نقصان ہوا ہے۔ میں ذرا دیکھوں تو سہی۔ چنانچہ میں نے باہر نکل کر جب آگے کی طرف دیکھا تو حیران ہو گیا کہ گاڑی کے آگے بمپر پر ایک کتا بیٹھا ہوا تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ یہاں کیسے بیٹھا۔ تو پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ ادھر ڈرائیور نے بریک لگائی اور ادھر کتے نے چھلانگ لگائی۔ وہ بالکل بمپر کے اوپر آ کر لگا ہوگا اور وہ وہیں بیٹھ گیا، اور چونکہ گاڑی چل رہی تھی اس لئے وہ وہیں قابو ہو کر بیٹھ گیا۔ اب 35 کلومیٹر کے بعد آ کر گاڑی رکی۔ جب اس نے مجھے دیکھا کہ کوئی بندہ قریب آ رہا ہے تو وہ بمپر سے نیچے اتر گیا۔ ہوٹل والوں نے وہاں رات کے کھانے کی بچی ہوئی ہڈیوں کا ڈھیر لگایا ہوا تھا۔ اس نے وہاں جا کر ہڈیاں کھانا شروع کر دیں۔

میں نے ڈرائیور سے کہا، اب مجھے اصل بات سمجھ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے کا رزق 35 کلومیٹر دور رکھا ہوا تھا اور اسے لفٹ کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو گاڑی پر لفٹ عطا کر دی۔ اور اتنی مسافت پر اسے اپنے رزق تک پہنچا دیا۔

رزق کا سفر..... کھانے والے کی طرف:

ہمارے ایک دوست گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔ وہ کوئٹہ میں ملازمت کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک عزیز کی شادی کے سلسلہ میں گھر واپس آنا تھا۔ فلائیٹ میں ابھی دو گھنٹے رہتے تھے۔ ان کا سات آٹھ سال کا بچہ گھر میں چنے کھا رہا تھا..... بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نئی نئی حرکتیں کرتے رہتے ہیں..... وہ چنے کا ایک دانہ لیتا اور اسے اوپر کی طرف پھینک دیتا اور پھر منہ کے ذریعے اسے کیچ کرتا۔ کبھی ادھر پھینک کر کیچ کرتا اور کبھی ادھر پھینک کر کیچ کرتا۔ وہ اسی طرح کھیل میں لگا ہوا تھا۔ اللہ کی شان کہ جب ایک دفعہ اس نے دانہ پھینکا تو کیچ کرتے ہوئے منہ کی بجائے ناک میں چلا گیا۔ اب اس نے جلدی سے ناک میں انگلی ڈالی تو دانہ اور اندر چلا گیا۔ اس نے چھوٹی بہن کو بلایا اور کہا کہ یہ دانہ نکال دو۔ اس نے بھی نکالنے کی کوشش میں دانے کو اچھی طرح آگے تک پہنچا دیا۔ وہ پریشان ہو کر رونے لگا۔ اس نے اپنی امی کو بتایا تو اس نے کہا کہ تمہارے ابو نے تمہیں کہا تھا کہ تم شرارتیں نہ کیا کرو، اب اپنی شرارت کی سزا بھگتو۔

جب میاں گھر آئے تو بیوی نے کہا کہ بچے کی ناک میں ایک دانہ پھنس گیا ہے اور یہ رو رہا ہے، اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ اس نے بھی یہی کہا کہ اس نے شرارت کی ہے لہٰذا اب یہ مزہ بھی چکھ لے، اگر میں اسے یہاں کسی ڈاکٹر کے پاس لے گیا تو فلائیٹ لیٹ ہو جائے گی، آپ اس سے کہیں کہ اگر اتنا وقت پہلے گزار لیا ہے تو دو گھنٹے اور صبر کر لے، میں اسے گوجرانوالہ میں فلاں کزن کے پاس لے جاؤں۔

گا اور وہاں سے یہ نکلوا دوں گا۔ چنانچہ وہ سب جہاز کے ذریعے لاہور پہنچ گئے اور وہاں سے ایک گھنٹہ بعد گوجرانوالہ پہنچ گئے۔

گھر پہنچنے کے بعد اب وہ سب سے پہلے اپنے کزن کے پاس بچے کو لے گئے۔ وہ نہار ہے تھے۔ اور ان کی بیوی نے کہا، آپ بیٹھیں اور میں آپ کے لئے چائے بناتی ہوں۔ سردیوں کا موسم تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اندر بیٹھنے کی بجائے باغیچے میں ہی بیٹھ جاتا ہوں۔ چنانچہ وہاں دو کرسیاں پڑی تھیں، وہ وہیں بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر صاحب ابھی نہار ہے تھے۔ اور ان کی بیوی چائے بنا رہی تھی۔ وہاں بیٹھے بیٹھے بچے کو اچانک چھینک آئی۔ اس زوردار چھینک سے وہ دانہ نیچے زمین پر گرا اور قریب ہی ان کی ایک مرغی پھر رہی تھی، اس مرغی نے لپک کر وہ دانہ کھالیا۔

اصل میں وہ دانہ مرغی کے مقدر میں تھا اور کوئٹہ میں پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ دانہ اس بچے کی ناک میں ڈال کر گوجرانوالہ میں پہنچا دیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر کسی انسان کا گھر پہاڑوں کے دامن میں ہے تو جب تک وہ پانی کا آخری قطرہ پی نہیں لے گا اس وقت تک اس کو موت نہیں آئے گی۔ جس طرح موت انسان کی تلاش کرتی ہے اسی طرح اس کا رزق بھی اس کو تلاش کرتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ رزق پہلے ملتا ہے اور موت اس کے بعد آتی ہے۔ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر انسان حرام کے بارے میں کیوں سوچے گا۔ یہ یقین کی کمزوری ہے کہ انسان حرام کے پیچھے بھاگا پھر رہا ہوتا ہے۔

جوتے کھا کر رزق کھانے والا:

دیہات میں کسی مولانا صاحب نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ بندے کو رزق کھلاتے ہیں۔ ایک نوجوان نے یہ سن کر دل میں یہ بات ٹھان لی کہ میں نہیں کھاتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رزق کس طرح کھلاتے ہیں۔ چنانچہ اگلے دن اس نے بھوک ہڑتال

کر دی۔ لیکن ماں بیچاری تو ماں ہوتی ہے۔ اس نے پراٹھا بنایا اور سالن کے علاوہ مکھن اور چینی بھی ساتھ رکھ دی۔ اس نے بیٹے سے کہا، بیٹا! کھالو۔ بیٹے نے کہا، نہیں میں نہیں کھاتا۔ وہ منت سماجت کرتی رہی لیکن وہ کہتا رہا کہ میں نہیں کھاتا۔ جب اس نے بار بار کھانے کو کہا تو یہ تنگ آ کر گاؤں سے باہر درختوں کے جھنڈ میں جا کر لیٹ گیا اور یہی سوچتا رہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آج مجھے کیسے کھلاتے ہیں۔ ماں بے چاری پیچھے پیچھے کھانا لے کر گئی اور اس کے قریب رکھ کر واپس آ گئی۔

اب کھانا بھی پڑا تھا اور وہ بھی لیٹا ہوا تھا۔ جب اسے کھانے کی خوشبو آنے لگی تو وہ وہاں سے اٹھ کر آگے تیس چالیس فٹ کے فاصلے پر لیٹ گیا تا کہ مجھے کھانے کی خوشبو بھی نہ آئے۔

وہاں اردگرد کے کچھ ڈاکو تھے جو اس جگہ پر اکٹھے ہو کر اپنی پلاننگ بناتے تھے کیونکہ انہیں وہ محفوظ جگہ نظر آتی تھی۔ وہ دوپہر کے وقت آ کر وہاں بیٹھ گئے۔ اب ان کو بھی سالن کی خوشبو آئی تو وہ کہنے لگے، یار لگتا ہے کہ کہیں کھانا پڑا ہوا ہے۔ ایک نے کہا کہ تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ تلاش کرنے پر انہیں کھانا مل گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ پراٹھا بھی ہے، مکھن بھی ہے اور سالن بھی ہے۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ آج موج بن گئی کہ کھانا مل گیا۔ ان کا جو بڑا تھا وہ بہت ہی ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے کہا، چپ کرو، مت کھانا، مجھے لگتا ہے کہ کسی بندے نے ہمیں مارنے کے لئے اس میں زہر ملائی ہوئی ہے، اور اگر کسی نے ملائی ہے تو دیکھو، وہ کہیں نہ کہیں قریب چھپا ہوا ہوگا۔ جب انہوں نے ادھر ادھر سے ڈھونڈنا شروع دیا تو دیکھا کہ وہ صاحب ایک جگہ لیٹے ہوئے تھے۔

انہوں نے اسے بالوں سے پکڑ لیا اور کہا، اوئے! تم نے اس کھانے میں زہر ملائی ہے۔ اس نے کہا، نہیں میں نے تو نہیں ملائی۔ انہوں نے کہا، پھر تم نے یہ کھانا یہاں کیوں رکھا ہے، لگتا ہے کہ تو ہمارے ساتھ کوئی مکر کر رہا ہے۔ انہوں نے متفقہ طور

پر یہ فیصلہ کیا کہ اسی کو پہلے کھانا کھلایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اسے کھانا کھانے کو کہا تو وہ کہنے لگا، جی میں نہیں کھاتا۔ اب ان کو پکا یقین ہو گیا کہ اس میں زہر ہے۔ انہوں نے پھر کہا کہ پہلے کھاؤ۔ اس نے پھر وہی جواب دیا۔ ان کے بڑے نے کہا کہ اسے دو جوتے لگاؤ، پھر کھائے گا۔ لو اب اسے جوتے بھی رسید ہونا شروع ہو گئے۔ لیکن وہ کھانا کھانے سے انکار ہی کرتا رہا۔ جب بے حد وحساب جوتے لگنے لگے تو کہنے لگا، جی معاف کر دیں، میں کھاتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے ان کو پورا واقعہ بھی سنایا اور ان کے ساتھ مل کر روٹی بھی کھائی۔ پھر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ جب اس کی اچھی خاصی مرمت ہوئی تو اس کے جسم پر جوتوں کے نشان پڑ گئے اور بے چارہ دردوں کے ساتھ گھر واپس آیا۔ ماں اس کی یہ حالت دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

اب اسے اگلے جمعہ کا انتظار تھا۔ اگلے جمعہ کے دن مولانا صاحب نے پھر تقریر کی کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں انسان کا رزق پہنچاتے ہیں۔ جب وہ بیان اور نماز کے بعد فارغ ہوئے تو یہ مولانا صاحب کے پاس جا کر کہنے لگا، مولانا! آپ ادھورے مسئلے بیان نہ کیا کریں۔ انہوں نے کہا، میں تو پورے مسئلے بیان کرتا ہوں۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ وہ کہنے لگا کہ آپ نے پچھلی دفعہ کہا تھا کہ جس کا رزق ہو اللہ تعالیٰ اس کو پہنچا کے رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا، ہاں یہ پوری بات تو ہے۔ وہ کہنے لگا، جی نہیں، یہ پوری بات نہیں ہے، پورا مسئلہ یہ ہے کہ جس کا رزق ہو اللہ اس کو پہنچا کے رہتے ہیں اور جو رزق نہ کھانا چاہے، اللہ تعالیٰ اس کو جوتے مار مار کے کھلاتے ہیں۔

اللہ پر یقین کرنے کا انعام:

ہمارے ایک دوست ہیں، وہ کاروبار کرتے ہیں اور کروڑوں پتی آدمی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ میں نوکری کرتا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے وقت میرے پاس ایک لاکھ روپیہ تھا۔ میں نے اس رقم سے کاروبار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میرا پارٹنر دھوکے سے ایک

لاکھ روپیہ بھی لے گیا۔ اس کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہ بچا۔ میں بہت پریشان ہوا۔ بالآخر ایک اللہ والے کے پاس گیا۔ میں نے ان کو سارا واقعہ سنا کر پوچھا، حضرت! اب میں کیا کروں؟ انہوں نے مجھ سے سوال پوچھا، رزق کون دیتا ہے؟ میں نے کہا، اللہ۔ انہوں نے فرمایا کہ جب رزق اللہ دیتا ہے تو پھر پریشان کیوں ہو، اللہ تمہیں اب بھی دے گا۔ البتہ ایک بات ذہن میں رکھو کہ دل میں یہ نیت کرلو کہ میں نے کسی کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا، البتہ اگر کوئی میرے ساتھ برا کرے گا تو میں اللہ کے لئے اسے معاف کردوں گا۔ وہ کہنے لگے میں نے دل میں یہ نیت کرلی اور معمولی سا کام کرنا شروع کردیا، میرے مولا نے اتنی برکت دی کہ دس سال گزرنے سے پہلے اللہ نے مجھے کروڑوں پتی بنادیا:

مولانا قاسم نانوتویؒ کا اللہ پر یقین:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تو انہوں نے اس کے اصولِ ہشت گانہ میں سے ایک اصول یہ لکھا کہ ہم دارالعلوم کے لئے مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول ہی نہیں کریں گے۔ لوگوں نے پوچھا، کیوں؟ فرمایا، اس لئے کہ کہیں اللہ کی نظر ہم سے ہٹ نہ جائے اور اللہ کی مدد رک نہ جائے۔ ہمارے اکابر اللہ کی ذات پر اس طرح یقین اور بھروسہ رکھتے تھے اور ان کے اسی یقین کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کو یہ سب نعمتیں عطا فرماتے تھے۔ دیکھیں کہ بیوی خاوند پر بھروسہ کرتی ہے، بیٹا باپ پر بھروسہ کرتا ہے، دوست اپنے دوست پر بھروسہ کرتا ہے، شاگرد استاد پر بھروسہ کرتا ہے، حتیٰ کہ دنیا میں سب کسی نہ کسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ او غیر پر بھروسہ کرنے والو! تم اللہ پر بھروسہ کیوں نہیں کرتے؟

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اللہ کی ذات پر یقین اور بھروسہ کر لیجئے۔ جو بندہ اللہ کی ذات پر یقین کر لیتا ہے، اللہ اس بندے کے یقین کو ہمیشہ سچ کر دکھاتے ہیں۔

ام موسیٰ علیہ السلام کا اللہ پر یقین:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ عورت زاد ہے..... عورت کا دل چھوٹا ہوتا ہے، وہ جلدی سے گھبرا جاتی ہیاور پھر بیٹے کے معاملے میں اس کا دل اور زیادہ چھوٹا ہوتا ہے۔ وہ اس کے بارے میں کسی دوسرے پر یقین نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو ان کے بیٹے کے بارے میں آزمایا سنئے قرآن عظیم الشان، فرمایا،

وَ اَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ (قصص:۷)

[اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ آپ اپنے بچے کو دودھ پلایئے، اور اگر آپ کو اس کے بارے میں ڈر لگے تو پھر اس کو پانی میں ڈال دینا]

اب عورت سوچ میں پڑ سکتی ہے کہ یا اللہ! اگر آپ میرے بچے کو بچانا ہی چاہتے ہیں تو فرعون کی پولیس میں سے کوئی ادھر ہی نہ آئے، اگر آپ میرے بچے کو بچانا ہی چاہتے ہیں تو میں اسے کسی غار میں چھوڑ آتی ہوں اور کوئی بندہ وہاں جا ہی نہ سکے مگر اللہ تعالیٰ نظر کے خلاف کروانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ اپنے مشاہدے کو توڑ دے۔ چنانچہ فرمایا کہ تم اسے پانی میں ڈال دینا۔ اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا:

فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّه (طٰہٰ:۳۹)

[(دریا) اسے کنارے لگا دے گا اور اسے وہ پکڑے گا جو میرا بھی دشمن ہوگا اور اس بچے کا بھی دشمن ہوگا]

یا اللہ! اسی دشمن سے تو بچانا ہے اور آپ الٹا اسی کے پاس پہنچا رہے ہیں۔ مگر فرمایا،

وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ. اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (القصص:۸)

[اور خوف بھی نہ کھانا اور ڈرنا بھی نہیں، ہم اسے تمہارے پاس واپس لوٹائیں گے اور ہم نے اسے رسولوں میں سے بنانا ہے]

اس عورت زاد نے اللہ کے وعدے پر یقین کر لیا اور اپنے بیٹے کو ایک صندوق میں ڈالا اور پھر صندوق کو پانی میں ڈال دیا۔ اب عقل یہ کہتی ہے کہ تمہارا بچہ نہیں ملے گا۔ اگر صندوق میں ہوا کے لئے سوراخ رکھیں تو اس میں سے پانی اندر جائے گا اور بچہ ڈوب کر مر جائے گا اور اگر پانی روکنے کے لئے اسے بند ہی رہنے دیا جائے تو ہوا بند ہو جائے گی اور بچہ دم گھٹنے سے مر جائے گا، تیرا بچہ کسی صورت میں نہیں بچ سکے گا۔ آنکھ یہ دیکھ رہی تھی۔ مگر اس ماں نے اللہ کے وعدے پر بھروسہ کر لیا اور اپنے بیٹے کو صندوق میں بند کر کے پانی میں ڈال دیا اور گھر آ گئی۔

پانی کا بہاؤ فرعون کے محل کی طرف تھا۔ چنانچہ صندوق نے اس کے محل کی طرف بہنا شروع کر دیا۔ اس وقت فرعون اپنی بیوی بی بی آسیہ رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ دریا کی سیر کے لئے محل سے باہر نکلا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے اردگرد آٹھ سو غلام موجود تھے۔ ان میں سے ایک غلام نے وہ صندوق دیکھا اور اسے پکڑ کر فرعون کے پاس لے آیا۔ فرعون نے اسے کھولنے کا حکم دیا۔ جب صندوق کو کھولا گیا تو اندر سے بچہ نکلا۔ جب فرعون کی بیوی نے بچے کو دیکھا تو اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ وہ کہنے لگیں،

لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (القصص:۹)

[اس کو قتل نہیں کرنا، ہوسکتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں]

جب اس کی بیوی نے کہا تو فرعون اس کی بات مان گیا کہنے لگا، ٹھیک ہے اس کو قتل نہیں کرواتے.....اب اندازہ کریں کہ عورتیں کہتی ہیں کہ بیویوں کی بات کوئی نہیں مانتا، ارے! بیویوں کی بات تو بڑے بڑے فرعون بھی مانتے ہیں۔ یہ ہوم گورنمنٹ ایسی ہوتی ہے کہ مانے بغیر گزارہ ہی نہیں ہوتا۔ وہ ہزاروں بچوں کو قتل کروا چکا تھا اور یہاں بیوی کہتی ہے کہ اس کو قتل نہیں کرنا اور وہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے میں اس کو قتل نہیں کرواتا.....دراصل اس کے دماغ نے اس کو دھوکا دیا۔ اس نے ذہن میں سوچا کہ میرا بیٹا ہوگا۔ اسکی عقل نے کہا، ہاں ٹھیک ہے چنانچہ بچے کو لے کر وہ گھر چلا گیا اور اسے اپنا بیٹا بنا کر پورے شہر میں اعلان کر دیا، اس زمانے میں ڈبے کا دودھ تو نہیں ہوتا تھا کہ فیڈر دے کر جان چھوٹ جاتی۔ عورتیں دودھ پلاتی تھیں۔ چنانچہ ایک عورت کو دودھ پلانے کیلئے بلایا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (القصص:۱۲)

[اور ہم نے پہلے سے حرام کر دیا اس پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ]

بچے نے دودھ ہی نہ پیا۔ اس نے رونا شروع کر دیا..... بچے کا رونا بھی ایک بڑی طاقت ہے۔ بچے کے آنسوؤں میں ایسی طاقت ہے کہ بڑے بڑے ہتھیاروں میں بھی وہ طاقت نہیں ہوتی۔ جب بچے کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں تو ماں باپ انہیں برداشت نہیں کر سکتے.....فرعون بھی بڑا پریشان ہوا۔ وہ کہنے لگا، اور عورتوں کو بلاؤ، اور عورتوں کو بلاؤ۔ چنانچہ ساری رات جاگتے ہوئے گزر گئی اور بچے نے کسی کا دودھ ہی نہ پیا..... جب نیند نہ آئے تو بندہ ویسے ہی تھکا اور اکتایا ہوا ہوتا ہے۔ جو نائٹ ڈیوٹی کرتے ہیں ان کو اچھی طرح پتہ ہوتا ہے۔ ایسے بندے کا جی چاہتا ہے کہ

یہ مصیبت ختم ہو اور میں بھی سوؤں .... خدائی کا دعویٰ کرنے والا وہ بد بخت بھی نیند نہ آنے کی وجہ سے اکتایا ہوا تھا اور کہتا تھا کہ کوئی آ کر دودھ پلائے اور میری جان چھوٹ جائے۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کس حال میں تھیں؟ ..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا. (القصص:۱۰)

[اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صبح کی بڑے غم کی حالت میں، اگر ہم اس کے دل کو تسلی نہ دے دیتے تو وہ رو بیٹھتی اور راز کو فاش کر بیٹھتی]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بیٹی سے کہا، بیٹی جاؤ، بھائی کا پتہ کر کے آؤ۔ بہن بھاگ کر گئی اور پتہ چلا کہ میرا بھائی فرعون کے محل میں ہے۔ اس نے جا کر وہاں تماشا دیکھا کہ بچہ دودھ نہیں پی رہا اور فرعون پریشان ہو کر کہہ رہا ہے کہ کسی کو بلاؤ تا کہ وہ اسے دودھ پلائے۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو وہ کہنے لگی،

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤی اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ (القصص:۱۲)

[کیا میں ایسے گھر والوں کے بارے میں بتاؤں جو اس کی کفالت بھی کریں گے اور وہ اس کے بڑے خیر خواہ بھی ہوں گے]

کہتے ہیں کہ خیر خواہ کا لفظ سن کر فرعون کو تھوڑا سا شک پڑا۔ چنانچہ وہ اسے پکڑ کر پوچھنے لگا، اے لڑکی! تو کیوں کہہ رہی ہے کہ وہ اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے۔ وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی۔ کہنے لگی، جی ہم آپ کی رعایا ہیں اور ہم آپ کے خیر خواہ نہیں ہوں گے تو اور کون ہوگا۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا، ہاں ہاں، بالکل ٹھیک ہے، اچھا

جاؤ اور لے آؤ۔ وہ بھاگتی ہوئی گھر آئی اور اپنی امی سے کہا، امی! چلیں بھائی کے پاس چلتے ہیں۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ فرعون کے محل میں پہنچ گئیں۔ انہوں نے بچے کو دودھ پلایا تو اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ جب فرعون کو اطلاع ملی کہ بچے نے دودھ پینا شروع کر دیا ہے تو کہنے لگا، بہت اچھا ہوا، اب میں سونے جا رہا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ دو تین دن وہاں رہیں۔ پھر انہوں نے کہا، گھونسلہ اپنا ہونا چاہیے، کچا ہو یا پکا، میں تو اپنے گھر جاتی ہوں، میں یہاں زیادہ دیر نہیں رہ سکتی۔ اب فرعون نے کہا، اب تو ایسے ہی نہ جا، بلکہ بچے کو ساتھ لے جا، تم اسے اپنے ہی گھر میں دودھ پلاتی رہنا میں دودھ پلانے کی اجرت اور تنخواہ تمہارے گھر بھجوا دیا کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (القصص:۱۳)

[ہم نے اسے لوٹا دیا اس کی ماں کے پاس تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور وہ دل میں غمزدہ نہ ہو اور وہ جان لے اللہ کے وعدے سچے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لاعلم ہیں]

اکثر لوگ یہ بات نہیں سمجھتے اگر ہمیں بھی اللہ کے وعدوں کے سچے ہونے کا یقین حاصل ہو جائے تو ہماری زندگی بھی پھولوں کی سیج بن جائے۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
یقین محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

شک سے یقین کا خاتمہ:

قرآن پاک کے شروع میں دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ فِيْهِ ط هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:۲)

[یہ کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لئے ہدایت ہے]

یہ پہلے کیوں کہہ دیا کہ اس میں کوئی شک نہیں؟ ..... اس لئے کہ جس طرح سرکے سے شہد فاسد ہو جاتا ہے اسی طرح شک سے انسان کا یقین ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آخرت کے بارے میں دل میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ

''ایہہ جہاں مٹھا، اگلا کیں ونج ڈٹھا''

(یہ دنیا تو میٹھی میٹھی ہے، آخرت کس نے دیکھی ہے)

ان لوگوں کی یہ بات جہالت پر مبنی ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے اگلا جہاں دیکھا ہے اور آپ ﷺ نے بتایا ہے اور ہمیں اپنے آقا ﷺ کے کہنے پر سو فیصد یقین ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا، کیا آپ مومن ہیں؟ تو آپ نے فرمایا،

اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا [میں پکا مومن ہوں]

اس میں شک والی بات ہی نہیں ہے۔ شک کو دل میں آنے ہی نہ دیں۔ شک آیا اور ایمان گیا۔ اس لئے نبی علیہ السلام نے شرک سے پہلے شک سے اللہ کی پناہ مانگی۔

چنانچہ حدیث پاک میں دعا سکھائی گئی،

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّكِّ وَ الشِّرْكِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوءِ الْاَخْلَاقِ.

[اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں شک سے اور شرک سے، شقاوت سے اور

نفاق اور برے اخلاق سے]

شک انسان کو بہت ہی نقصان دیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شک سے بچائے (آمین)۔ جب انسان اپنے دل میں یقین کو پختہ کر لیتا ہے تو اللہ کی طرف سے اس کو فلاح نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایمان والوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ارشاد فرمائی۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ (البقرۃ:۴)

[اور آخرت پر ان کا پکا یقین ہوتا ہے]

یہ کون لوگ ہوتے ہیں؟

اُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(البقرۃ:۵)

[وہ اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہوتے ہیں اور ان کو فلاح بھی ملتی ہے]

قرآن کی اس آیت کی تفسیر میں باقی پورا قرآن ہے ۔ شروع میں اللہ تعالیٰ نے مقصود بتا دیا کہ یقین والوں کو ہم ہدایت بھی دیتے ہیں اور فلاح بھی دیتے ہیں ۔ اور پھر اس کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ نے باقی قرآن مجید نازل فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شک سے بچائے اور ہمارے یقین کو کامل کر دے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ان بندوں میں سے بنا دے جو آخرت پر اور اللہ کے وعدوں پر پکا یقین رکھتے ہیں، جو گناہوں سے بچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (آمین ثم آمین)

و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

صدق میرا سفارشی ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

قال رسول الله ﷺ اَلصِّدْقُ شَفِيْعِى

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

صدق اور شفیع کا مطلب:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

اَلصِّدْقُ شَفِيْعِىْ [صدق میرا سفارشی ہے]

صدق اصلیتِ شے یا کسی چیز کی قوتِ کمال کو کہتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں ایک دعا سکھائی گئی ہے، ارشاد فرمایا:

رَبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

(بنی اسرائیل:۸۰)

[اے پروردگار مجھے شہر میں اچھی طرح داخل کیجیے اور اچھی طرح نکالیے]

مدخل میں صدق سے مراد دخولِ مدینہ اور توجہ کامل ہے اور مخرج میں صدق سے مراد خروج مکہ اور انقطاع کلی ہے۔ بالفاظ دیگر مکہ سے جانا ہو تو بھی کمال کے ساتھ اور مدینہ میں داخل ہونا ہو تو بھی کمال کے ساتھ۔ دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے

ہیں،

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ (الشعرا: ۸۴)

[اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک جاری فرما]

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں،

وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رِبِّهِمْ (یونس: ۲)

[اور ایمان والوں کو بشارت دیجیے کہ انہیں اپنے رب کے ہاں پورا مرتبہ]

شفیع اسے کہتے ہیں جو کسی کے مقاصد میں متحد ہو کر اس کے ساتھ شامل ہو جائے۔ مثلاً سفارش کرنے والا بندہ دوسرے بندے کے ساتھ مل کر کسی کام کے ہونے کے لئے کوشش کرتا ہے۔

جھوٹ کی شناعت:

سچ دین اسلام کے اندر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

''مومن سب کچھ ہوسکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوسکتا''۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب کوئی بندہ جھوٹ بولتا رہتا ہے تو ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا نام جھوٹوں کے دفتر میں لکھوا دیتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے، جس سے فرشتوں کو ایذا پہنچتی ہے اور وہ اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

سچ بولنا اور سچائی کا معاملہ کرنا:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا،

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

(میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں)

وہ مکارم اخلاق کیا تھے؟..... سچ بولنا اور سچائی کا معاملہ کرنا..... یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ بعض اوقات بندہ لفظ میں تو سچ بول رہا ہوتا ہے لیکن دوسرے بندے کو وہ حقیقت نہیں پہنچا رہا ہوتا۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کو کہیں پہنچنا ہے اور ادھر سے فون آ رہا ہے کہ تم لیٹ ہو گئے ہو، جلدی آؤ، کیا وجہ ہے، پھر وہ پوچھتا ہے کہ تم کتنا دور ہو؟ تو یہ اسے فون پر کہتا ہے کہ دو تین (2-3) کلومیٹر کے فاصلے پر ہوں۔ اب اس نے اسے دو تین کلومیٹر تو کہا لیکن حقیقت میں 23 کلومیٹر دور تھا۔ اس نے 23 کو یوں پڑھا کہ جی میں دو تین کلومیٹر دور ہوں۔ اس سے اگلے بندے کو غلط مفہوم پہنچا۔ حالانکہ اس نے عدد تو ٹھیک پڑھا ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ سچ بولنا الگ چیز ہے اور سچائی کا معاملہ کرنا الگ چیز ہے۔ شریعت کا حسن دیکھئے کہ اس نے ان دونوں کی الگ الگ تعلیم دی ہے اور فرمایا کہ ایسا کچھ نہ کرو کہ تم سچ بول کر دوسرے بندے کو دھوکا دو، بلکہ حقیقتِ شے سامنے آنی چاہیے۔

نجات دلانے والی چیز:

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جھوٹ جتنا بھی تیز بھاگ لے۔ سچ بالآخر اس کو جا کر پکڑ لیتا ہے۔ لگتا یہ ہے کہ جھوٹ بولنے سے نجات ہو گی حالانکہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

اَلصِّدْقُ يُنْجِيْ وَالْكِذْبُ يُهْلِك

[سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کر دیتا ہے]

انسان کا دماغ اس کو دھوکا دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جھوٹ بول لو، جان بچ جائے گی، یاد رکھیں کہ جان بچے گی نہیں، بلکہ پھنس جائے گی۔ جان بچانے والی چیز سچ ہے۔ لہٰذا اگر انسان سچ کی زندگی گزارے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

ایک شہزادے کے دل پر سچائی کا اثر:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس کسی علاقے کا کوئی شہزادہ لایا گیا۔ وہ مسلمانوں کا بڑا مخالف تھا۔ وہ مسلمانوں کو ایذا پہنچانے میں پیش پیش رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اسے تو قتل ہی کر دینا چاہیے..... خس کم جہاں پاک..... جیسے ہی وہ دربار میں داخل ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جلاد کو بلایا اور اسے اس شہزادے کی گردن اڑانے کا حکم صادر فرما دیا۔ مگر آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ اگر کسی بندے پر یہ سزا لاگو فرماتے تو اس سے یہ پوچھتے تھے کہ تیری آخری خواہش کیا ہے، لہٰذا آپ نے اس سے بھی یہی پوچھا۔ اس نے کہا، میری آخری خواہش یہ ہے کہ میں پانی کا ایک پیالہ پی لوں۔ آپ نے حکم دے دیا کہ پانی کا ایک پیالہ لا کر اسے پلا دیا جائے۔ جب اسے پانی ملا اور وہ پینے لگا تو اس کے ہاتھ کانپنے لگ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یہ کیا معاملہ ہے، تمہارے ہاتھ کیوں کانپ رہے ہیں؟ وہ کہنے لگا، جی مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ ادھر میں پانی پینے لگوں گا اور ادھر آپ کا جلاد تلوار چلا کر میری گردن اڑا دے گا، اس خوف کی وجہ سے مجھ سے پانی پیا ہی نہیں جا رہا۔ اس کی یہ بات سن کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جلدی میں فرما دیا کہ جب تک تو پانی نہیں پیے گا تجھے قتل نہیں کریں گے۔ جیسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا، اس نے چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پانی کا وہ پیالہ فوراً زمین پر گرا دیا۔ وہ کہنے لگا، جی آپ اپنے قول پر پکے رہیں، آپ کے الفاظ یہ تھے جب تک یہ پانی آپ نہیں پئیں گے اس وقت تک تمہیں قتل نہیں کریں گے، اب میں نے وہ پانی تو نہیں پیا، اس لئے آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے..... آگے کوئی ہمارے جیسا ہوتا تو جواب میں کہتا، تو آگے سے باتیں کرتا ہے، اس کو جلدی سے قتل کر دو..... وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے اپنے قول کا پاس رکھا اور فرمایا کہ ہاں، میں نے بات تو یہی کی تھی، چلو ٹھیک ہے، میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔

جیسے ہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ تو وہ کہنے لگا، اے امیر المومنین! میں نے تو اس سزا سے بچنے کا ایک حیلہ کیا تھا لیکن اندر سے میں اسلام سے بہت متاثر تھا کہ یہ سچ کا پرچار کرنے والا دین ہے۔ اگر میں پہلے اسلام قبول کرتا تو دنیا کہتی کہ موت کے ڈر سے مسلمان ہو گیا ہے، اب آپ نے مجھ سے موت کا حکم ہٹا لیا ہے لہٰذا اب میں اپنے اختیار سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں ..... اللہ اکبر کبیرا۔ محسوس یہ ہوتا تھا کہ اب زنگار ہاتھوں سے نکل گیا ہے، لیکن سچ کی برکت ظاہر ہو گئی اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

صدق کی علامات

صدق کی کچھ علامات ہیں۔

(۱)..... جھوٹ سے پرہیز:

ایک علامت یہ ہے کہ انسان کی زبان سے جھوٹ نہ نکلے۔ یہ بڑا مشکل کام ہے مجھے میرے شیخ نے حکم فرمایا کہ تم اس بات پر محنت کرو کہ تمہاری زبان سے جھوٹ نہ نکلے، تو میں سمجھا کہ یہ تو بڑا آسان کام ہے، بس آج کے بعد جھوٹ نہیں بولیں گے۔ لیکن اس کا پتہ اس وقت چلا جب محنت کی۔ دنیا میں شاید اس سے مشکل کام اور کوئی نہیں ہے۔ اس لئے کہ انسان ہر وقت تو جھوٹ نہیں بولتا، بلکہ وہ اس وقت جھوٹ بولتا ہے جب

- اپنا عیب سامنے آ رہا ہو۔
- ذلت کا اندیشہ ہو۔
- غلطی پکڑی جا رہی ہو۔
- نقصان ہونے کا خطرہ ہو۔

اس وقت زبان سے بے اختیار جھوٹ نکل جاتا ہے۔ اس بیماری کو ختم کرنے

کے لئے سالہا سال محنت کرنی پڑتی ہے۔ انسان ارادے سے بھی جھوٹ بولتا ہے اور بلا ارادہ بھی۔ بلا ارادہ جھوٹ کی مثال یہ ہے کہ بندہ فون کرتے ہوئے دوسرے بندے سے کہتا ہے کہ بس ایک سیکنڈ میں اسے فون کرتا ہوں۔ بھئی! ایک سیکنڈ میں تو آپ فون نہیں کر سکتے۔ اسی طرح کوئی آدمی کہیں جا رہا ہو تو پیچھے سے اس کی بیوی پوچھتی ہے، جی آپ کہاں جا رہے ہیں، وہ جواب میں کہتا ہے، میں آ رہا ہوں، حالانکہ وہ جا رہا ہوتا ہے۔ ایسی باتیں بندہ بغیر ارادے کے کرتا ہے مگر خلاف حقیقت ہونے کی وجہ سے جھوٹی ہوتی ہیں۔ تو جب انسان محنت کرنے لگتا ہے تو اس وقت سمجھ آتی ہے کہ انسان کی زبان سے کتنی ہی چیزیں خلافِ حقیقت نکلتی ہیں۔ جب انسان سچ بولنے پر محنت کر لیتا ہے تو پھر خوف کے وقت بھی انسان کی زبان سے سچ نکلتا ہے۔

(۲).....دنیا پر فریفتہ نہ ہو:

دوسری علامت یہ ہے کہ جب مومن نے کہا..... اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .....اب اس کو چاہیے کہ وہ دنیا پر فریفتہ نہ ہو۔ اگر زبان سے تو یہ پڑھا اور دنیا پر فریفتہ ہو گیا تو اس نے سچ کا معاملہ نہیں کیا۔

(۳).....نفس کی پوجا نہ کرے:

تیسری علامت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی پرستش چھوڑ دے۔ ایک آدمی پڑھتا ہے.....ایاك نعبد (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں).....لیکن وہ اپنے نفس کی پرستش کرتا ہے اور اپنے نفس کی خواہشات کی پوجا کرتا ہے تو پھر یہ سچ تو نہ ہوا۔

(۴).....خدا طلبی کی نیت ہو:

چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ نیت بھی ہمیشہ سچی رکھے اور اسے اللہ کی رضا ہی مطلوب ہو۔

(۵).....ظاہر و باطن ایک ہو جائیں:

پانچویں علامت یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں ایک ہو جائیں۔ اس لئے ہمارے اکابر دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! میرے باطن کو ظاہر سے اچھا کر دے اور میرے ظاہر کو نیک بنا دے۔ اللہ رب العزت کو ایسے لوگ بہت پسند ہوتے ہیں۔

ایک عجیب واقعہ:

جھوٹ اس قدر ناپسندیدہ چیز ہے کہ انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات بھی اس سے نفرت کرتی ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک چیونٹی ایک مرتبہ اپنے بل سے نکلی۔ اسے بل سے باہر مری ہوئی ٹڈی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ملا۔ اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام رہی۔ چنانچہ اس نے وہ ٹکڑا وہیں چھوڑا اور چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے ساتھ کچھ اور چیونٹیاں بھی آ گئیں تاکہ وہ سب مل کر اس ٹکڑے کو اٹھائیں اور لے جائیں۔

ایک آدمی یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس ٹکڑے کو زمین سے اٹھا کر کہیں چھپا دیا۔ سب چیونٹیوں نے اس ٹکڑے کو ادھر ادھر سے تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جب انہیں وہ ٹکڑا نہ ملا تو باقی سب چیونٹیاں چلی گئیں اور اطلاع دینے والی چیونٹی وہی گھومتی رہی۔ اس آدمی نے وہ ٹکڑا اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے ٹکڑے کو پھر اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس کی یہ کوشش بھی بے سود رہی۔ چنانچہ وہ پھر گئی اور ان چیونٹیوں کو بلا کر لے آئی۔ اس آدمی نے کئی مرتبہ اسی طرح کیا۔ بالآخر ان چیونٹیوں نے تنگ آ کر اس چیونٹی کو گھیرے میں لے لیا اور اس کے جسم کا ایک ایک عضو الگ کر دیا۔

اس آدمی نے یہ واقعہ جب اپنے استاد کو سنایا تو انہوں نے حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ دوسری چیونٹیوں نے اس چیونٹی کو اس لئے قتل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے

ان کی فطرت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ جھوٹ بری چیز ہے اور جھوٹے کو سزا ملنی چاہیے۔ اگر اس ٹکڑے کے نہ ملنے میں اس کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا لیکن چونکہ وہ چیونٹی ان کے نزدیک جھوٹی ثابت ہو چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے مل کر اسے جان سے ہی مار دیا۔

سچ قبولیت دعا کا سبب:

جو بندہ ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کرے گا اسے اس کا ایک انعام یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی سچی زبان سے نکلی ہوئی دعاؤں کو کبھی رد نہیں فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اس نے اپنی طرف سے ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کی ہے، اب اس کی زبان سے یہ دعا نکلی ہے، اب میں اسے کیسے پورا نہ کروں۔ اس سے سب سے چھوٹا انعام یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بات کو پورا کر دیتے ہیں۔ یہ سب سے چھوٹا انعام ہے اور دوسرے انعام اس سے بھی اوپر ہیں۔

ہمارے اکابر نے کہا،

''جب دل غیر سے خالی ہو اور پیٹ حرام سے خالی ہو تو انسان کے اٹھے ہوئے ہاتھ اللہ کے دربار سے کبھی خالی واپس نہیں آتے''۔

اس لئے سلوک طے کرنے کے لئے دو چیزیں بہت ضروری ہیں۔ ایک رزق حلال اور دوسرا صدق مقال۔ کھائے تو حلال کھائے اور بولے تو سچ بولے۔ ان دونوں چیزوں سے سلوک جلدی طے ہوتا ہے۔

سچ بولنے کا ایک اور فائدہ:

سچ بولنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بندے کو یہ یاد نہیں رکھنا پڑتا کہ میں نے پہلے کیا کہا تھا۔ سچ، سچ ہی ہوتا ہے اسے یاد نہیں رکھنا پڑتا، لیکن اگر جھوٹ بولے گا تو اسے

یاد بھی رکھنا پڑے گا کہ میں نے اس کو کیا کہا تھا اور اس کو کیا کہا تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ سچ بولنا انسان کی ایسی صفت ہے کہ جس کی وجہ سے لوگ اس کی باقی کمزوریوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔

جھوٹ کے خوبصورت نام:

اس زمانے میں شیطان نے جھوٹ کی نفرت دلوں میں کم کرنے کے لئے اس کے کئی خوبصورت نام رکھ دیئے ہیں، مثلاً ایک نام ہے بہانہ۔ طلباء بھی کہتے ہیں کہ ہم نے ناظم صاحب کے سامنے بہانہ کر دیا۔ یاد رکھیں کہ بہانے کا اصل معنی جھوٹ ہے۔

بہانہ بنانا تو اتنا عام ہو گیا ہے کہ

..... بیوی خاوند کے سامنے بہانہ بناتی ہے،

..... خاوند بیوی کے سامنے بہانہ بناتا ہے،

..... بیٹا باپ کے سامنے بہانہ بناتا ہے،

..... بیٹی ماں کے سامنے بہانہ بناتی ہے،

..... پڑوسی پڑوسی کے سامنے بہانہ بناتا ہے،

..... ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کے سامنے بہانہ بناتا ہے۔

اسی طرح لوگ کہتے ہیں کہ میں نے کسی ''مصلحت'' کی بنا پر اس کو یوں کہہ دیا۔ یہ مصلحت کا لفظ بھی جھوٹ کا دوسرا نام ہے۔

سچ بولنے کی برکات

سچ بولنے پر اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوتی ہے اور اس سے انسان کے کام سنور جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں بے شمار واقعات سنائے جا سکتے ہیں۔ تاہم چند واقعات سن

لیجئے تا کہ آپ کو پتہ چل جائے کہ سچ بولنے کی بدولت اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے اترتی ہے، بندے کے کاموں میں برکت کیسے آتی ہے اور اسے نجات کیسے ملتی ہے۔ مثال کے طور پر.....

☆.....قبولیت توبہ کی نوید:

غزوہ تبوک کے لئے دس ہزار صحابہ جمعرات کے دن نبی علیہ السلام کی معیت میں چلے۔ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو مدینہ منورہ میں ہی رہ گئے۔ ان میں سے ایک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ اس سے پہلے ایسی دو اونٹنیاں کبھی نہیں ہوتی تھیں۔ اور گھر میں بیویاں بھی تھیں۔ میں نے سوچا کہ میں نے جہاد پر تو جانا ہی ہے، چلو ایک اور دن بھی گھر میں گزار لیتا ہوں۔ اس طرح گھر والے بھی خوش ہو جائیں گے، اور میرے پاس تیز سواری ہے جس کی وجہ سے میں جلدی پہنچ جاؤں گا۔ بالفاظ دیگر انہوں نے یہ کہا کہ مال اور جمال نے مجھے روک لیا۔ فرماتے ہیں کہ میں آجکل آجکل ہی کرتا رہا اور کہتا رہا کہ میں پہنچ جاؤں گا۔ مدینہ میں جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے، ان میں سے ایک دو کے علاوہ باقی سب منافقین ہی تھے۔ میں جانے کے لئے سوچتا ہی رہا۔ بالآخر پتہ چلا کہ وہ قافلہ واپس آ رہا ہے۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ مجھ سے تو بڑی غلطی ہوئی ہے۔ مجھے تو چلے جانا چاہیے تھا۔

جب نبی علیہ السلام واپس تشریف لے آئے تو منافقین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے اپنے عذر پیش کئے کہ ہم اس اس وجہ سے غزوہ میں نہ جا سکے۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قسموں کو سن کر..... ٹھیک ہے، ٹھیک ہے..... فرماتے رہے۔

میں نے دل میں سوچا کہ میں جھوٹی قسم کھا کر نبی علیہ السلام کو تو خاموش کروادوں گا لیکن اللہ تعالیٰ تو دلوں کی کیفیت کو جانتے ہیں، جھوٹ تو جھوٹ ہوتا ہے، لہٰذا مجھے نبی علیہ السلام کے سامنے بلا کم و کاست سچی بات کہہ دینی چاہیے۔ چنانچہ میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھ سے سستی ہو گئی ہے، ورنہ میں جلدی بھی نکل سکتا تھا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، چونکہ تم نے وضاحت سے بات بتا دی ہے اس لئے جب ہمیں اوپر سے اشارہ نہیں ہوگا ہم اس بات کا جواب نہیں دیں گے۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی فرما دیا کہ تم نے اس بندے سے نہیں بولنا۔

فرماتے ہیں کہ ایک میں تھا اور میرے علاوہ دو ساتھی اور بھی تھے۔ ایک مرارہ بن ربیع ؓ اور دوسرے بلال بن امیہ ؓ۔ ان دونوں کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے گھروں میں بند ہو کر رہ گئے، لیکن میں آتا جاتا رہا۔ اس طرح مجھے لوگوں کے ری ایکشن (ردعمل) کا پتہ چلتا رہتا تھا۔ میں نے ایک دن اپنے کزن ابو قتادہ ؓ سے بات کرنا چاہی لیکن اس نے مجھے جواب ہی نہ دیا۔ میں تو اسے اپنا جگری دوست سمجھتا تھا لیکن اس نے بھی بے رخی کا مظاہرہ کیا۔ میں نے اس سے کہا، اے ابو قتادہ! کیا آپ جانتے ہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں؟ اس نے جواب دیا، اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ اس کا یہ جواب سن کر میں بہت ہی پریشان ہوا کہ اب میرا یہ حال ہے کہ مجھ سے کوئی بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔

میرے دل میں غم یہ تھا کہ اگر اسی حالت میں میری موت آ گئی تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام میرے جنازے کی نماز بھی نہیں پڑھیں گے۔ اور اگر نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف لے گئے تو اللہ کے محبوب ﷺ ناراض جائیں گے۔ اور یہ بھی خسارے سے

کم نہیں تھا۔اس غم نے مجھے بے چین کر دیا۔

ایک مصیبت اور آ پڑی کہ یہ بات چلتے چلتے عیسائیوں کے بادشاہ شاہ غسان جبلہ بن ایہم تک جا پہنچی۔ اس نے کسی کے ذریعے میری طرف ایک خط بھیجا۔ اس میں اس نے لکھا کہ تمہارے سردار نے تمہیں بہت مشکل میں ڈالا ہوا ہے۔ لہٰذا اگر تم میرے پاس آ جاؤ تو میں تمہاری مدد بھی کروں گا اور تمہیں عزت بھی دوں گا۔ میں نے اس کا وہ خط تو تنور میں پھینک دیا، لیکن مجھے دکھ اس بات کا تھا کہ شیطان کو حملہ کرنے کے لئے میں ہی ملا تھا کہ اب کافر مجھ سے طمع رکھنے لگ گئے ہیں، میں اتنا نیچے گر گیا ہوں اور میری حالت اتنی پتلی ہو گئی ہے کہ کافروں کو مجھ سے اتنی بات کرنے کی جرأت ہو گئی ہے۔ اس کا یہ خط مجھ پر بجلی بن کر گرا۔

بڑی مشکل سے چالیس دن گزرے تھے کہ نبی علیہ السلام کی طرف سے پیغام ملا کہ بیوی سے بولنا بھی بند کر دو..... بیوی تو بڑھاپے کی لاٹھی ہوتی ہے، اس کی جتنی ضرورت جوانی میں ہوتی ہے اس کی زیادہ ضرورت بڑھاپے میں ہوتی ہے کیونکہ سارے کام تو وہی سمیٹتی ہے..... جب بیوی سے نہ بولنے کا حکم ہوا تو پریشانی اور زیادہ بڑھ گئی۔ میرے دوسرے ساتھی ہلال بن امیہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں بوڑھا ہوں اور خدمت کی ضرورت ہے۔ فرمایا، ہاں تمہاری بیوی تمہارے باقی کام کر سکتی ہے لیکن تم حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکتے۔ مجھے بھی لوگ کہتے کہ تم بھی چلے جاؤ مگر مجھے حجاب محسوس ہوتا کہ میں کیسے جاؤں۔ میری یہ حالت ہو گئی کہ مجھے زمین کے اوپر سے زمین کا اندر زیادہ اچھا محسوس ہونے لگا۔ زمین اپنی پوری فراخی کے باوجود مجھے تنگ محسوس ہونے لگی۔

حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (التوبة: ۱۱۸)

[حتیٰ کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی]

مجھے اللہ کے سوا کوئی ملجا و ماویٰ نظر نہیں آتا تھا..... یہ ایسے ہی ہوتا ہے کہ آجکل کے دنیا دار لوگ مہینے کی ابتدا میں تنخواہ ہاتھ میں لے کر کہتے ہیں ''لُٹ لے موجِ بہار''۔ اور جب بیس پچیس دن گزر جائیں اور قرضے چڑھنے لگ جائیں تو کہتے ہیں۔ ''بلالو مدینے والے''۔ بندے کا یہی حال ہے کہ جب دکھ ہوتا ہے تو اللہ یاد آتے ہیں .....فرماتے ہیں کہ مجھے بھی رہ رہ کر خدا یاد آتا تھا کہ اے اللہ! اب میری نظریں تیری ہی رحمت کی منتظر ہیں۔ میں اللہ کی طرف سے رجوع کر کے روتا تھا۔

جب پچاس دن گزرے تو نبی علیہ السلام ام المومنین حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، وہیں اللہ رب العزت نے وحی کے ذریعے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو ہماری توبہ کی قبولیت کی خوشخبری دے دی۔ جب نبی علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا تو قبیلہ اوس کے حمزہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھاگ کر میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے آکر بتایا۔ میں یہ خوشخبری سن کر اتنا خوش ہوا کہ میں نے جو دو کپڑے پہنے ہوئے تھے، میں نے وہی اس کو ہدیے میں دے دیئے۔

جب میں مسجد میں آیا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھے مبارک باد دی۔ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی یہ مبارکباد مجھے کبھی نہیں بھولے گی..... واقعی یہی بات ہے کہ مشکل وقت میں جو کوئی محبت کا بول بولے اور پیار کی نگاہ سے دیکھے، اس کا وہ احسان بندے کو زندگی بھر یاد رہتا ہے..... اس کے بعد نبی علیہ السلام نے بھی مجھے مبارکباد دی، جس کی مجھے انتہائی خوشی ہوئی..... اللہ اکبر کبیرا..... وہ جو سچ بولا تھا۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے معاملے کو ٹھیک فرما دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سچ واقعی نجات دیتا ہے۔

☆.....ڈاکو تائب ہو گئے:

مفتی عبداللطیف گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے گھر کی مستورات کے ساتھ کسی شادی کی تقریب میں شمولیت کرنے کے لئے رشتہ داروں کے پاس جارہے تھے۔اس زمانے میں تانگے ہوتے تھے۔وہ بھی تانگے پر سفر کررہے تھے۔راستے میں کچھ ڈاکوؤں نے تانگے کو گھیر لیا۔مفتی صاحب اکیلے مرد تھے، باقی سب عورتیں تھیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کی نیت کا پتہ چل گیا۔چنانچہ میں نے دل میں سوچا کہ اگر میں ان سے کوئی مقابلہ کروں گا تو یہ مجھے تکلیف بھی پہچائیں گے اور عورتوں سے زیور بھی چھین کر لے جائیں گے جس سے بے پردگی بھی ہوگی۔اس لئے میں نے ان سے کہا کہ تم آرام سے پیچھے کھڑے ہو جاؤ اور بتاؤ کہ تمہیں کیا چاہیے۔انہوں نے کہا، ہمیں مال پیسہ اور سونا چاہیے۔میں نے انہیں کہا کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ہم تمہیں دے دیتے ہیں لیکن عورتوں کو بے پردہ نہ کرو۔انہوں نے کہا کہ ہمیں اس سے کیا غرض ہے،

وَ مَا لَنَا فِیْ بَنَاتِكَ مِنْ حقٍّ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْد

[ہمیں آپ کی بیٹیوں (مستورات) سے کوئی غرض نہیں، آپ جانتے ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں]

ہمیں تو پیسہ چاہیے۔چنانچہ مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں نے سب عورتوں سے کہہ دیا کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے تم دے دو.....کبھی کبھی اپنی عزت کو بچانے کے لئے اپنے مال کو ٹھوکر بھی لگانی پڑتی ہے۔مومن کی یہی شان ہے، اس کی عزت مال کی نسبت زیادہ اہم ہے، مال تو آنی جانی چیز ہے۔چنانچہ یہ سن کر سب عورتوں نے اپنے زیور، مثلاً کانٹے، گلے کے لاکٹ، چوڑیاں اور انگوٹھیاں وغیرہ اتار کر دے دیں۔

میں نے وہ سب زیور ایک رومال میں باندھا اور ان کے حوالے کر دیا..... ڈاکو بھی کہتے ہوں گے کہ یہ بہت اچھا بندہ ہے کہ اس نے خود بخود ہی ہمارا سارا کام کر دیا۔ سرائیکی کے علاقے میں لوگ بڑا میٹھا میٹھا بولتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اگر وہاں کسی گھر میں چور بھی آتے ہیں تو وہ آ کر کہتے ہیں ..... ''میڈا سائیں! اللہ دا واسطہ اے، آپے لٹی ونجو''..... وہ ڈاکو بھی خوش ہو گئے کہ اس نے خود بخود ہمیں سب زیورات دے دیئے۔

جب وہ زیورات لے کر چل پڑے تو چند منٹ کے بعد ایک عورت نے بتایا کہ اوہو! ہم نے اپنی ایک چھوٹی سی بچی کی انگلی میں بھی ایک چھوٹی سی انگوٹھی ڈالی ہوئی تھی اور وہ نظر ہی نہیں آ رہی تھی، وہ ہمارے پاس ابھی موجود ہیں۔ یہ سن کر مفتی عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ نے تانگہ رکوالیا اور فرمایا کہ میں نے تو ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہم سارے زیور دے دیں گے، اس طرح تو وعدہ خلافی ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے بچی کی انگوٹھی اتروائی اور ان ڈاکوؤں کو دینے کے لئے ان کی طرف بھاگے۔ پہلے تو ڈاکو گھبرا گئے کہ یہ ہماری طرف کیوں آ رہا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم زیادہ ہیں اور یہ اکیلا بندہ ہے، ہم اس سے نمٹ لیں گے۔ جب مفتی صاحب ان کے پاس پہنچے تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور فرما رہے تھے، بھئی! ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم سب زیورات آپ کو دے دیں گے، ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ ایک چھوٹی سی بچی کی انگلی میں ایک انگوٹھی رہ گئی ہے، تم یہ بھی لے لو تا کہ میری طرف سے وعدہ خلافی نہ ہو۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ ڈاکوؤں نے سوچا کہ یہ بندہ اپنی کی ہوئی بات کا اتنا خیال کر رہا ہے، اور ہم نے بھی تو اپنے خدا سے عہد کیا ہوا ہے، ہم قیامت کے دن کیا جواب دیں گے۔ چنانچہ ان سب ڈاکوؤں نے وہیں حضرتؒ کے ہاتھ پر توبہ کی اور ان کا لوٹا ہوا سارا زیور بھی واپس کر دیا..... تو

ثابت ہوا کہ

الصدق ینجی [سچ نجات دیتا ہے]

پیسے کھرے مل گئے:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شروع میں کپڑے کی دکان کیا کرتے تھے..... اس امت کو تجارت دو بندوں نے ہی کر کے دکھائی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اور ائمہ میں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے .....ان کی دکان میں کپڑے کا ایسا تھان تھا جس میں کوئی داغ لگا ہوا تھا۔ اس لئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملازم سے کہا ہوا تھا کہ اگر تم سے کوئی بندہ یہ کپڑا خریدنے کیلئے آئے تو پہلے تم نے اس کو اس کپڑے کا یہ عیب دکھانا ہے، پھر بیچنا ہے۔ اللہ کی شان کہ اس کو بات ہی بھول گئی۔ چنانچہ ایک بندہ آیا اور وہ عام روٹین کے حساب سے وہ تھان خرید کر لے گیا۔ جب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو پوچھا، کیا وہ تھان بک گیا ہے؟ ملازم نے کہا، جی ہاں۔ پوچھا، کب بیچا ہے؟ اس نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے بیچا ہے۔ امام صاحبؒ نے پوچھا، کیا تم نے اس کو کپڑے کا عیب دکھایا تھا؟ اس نے کہا، جی مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ امام صاحب نے پوچھا، وہ آدمی کس طرف کو گیا ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ اس طرف کو گیا ہے۔

امام صاحبؒ نے اس کے دیئے ہوئے سارے پیسے اٹھائے اور اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ امام صاحبؒ نے ایک بندے سے پوچھا کہ اس طرح کا بندہ آپ نے دیکھا ہے؟ اس نے کہا، جی ادھر کو گیا ہے۔ دوسرے نے پوچھا تو اس نے بھی اس کے جانے کی تصدیق کی۔ حتی کہ چلتے چلتے شہر کے کنارے پہنچے۔ وہاں پانی کا ایک جوہڑ تھا۔ اس جوہڑ کے قریب وہ آدمی موجود تھا۔ امام صاحبؒ نے اس آدمی کو

حقیقت حال سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ میرے ملازم نے آپ کو بتانا تھا کہ اس کپڑے میں عیب ہے مگر وہ بھول گیا اور بتا نہ سکا، اب میں آپ کے پیسے لے کر آیا ہوں، اگر تم چاہو تو اپنے پیسے لے لو اور سودا ختم کر سکتے ہو۔ اور اگر چاہو تو اس سودے کو قبول کر لو، تمہیں اختیار ہے۔ اس نے کہا، جی آپ مجھے پیسے دے دیں۔ حضرت نے اس کو پیسے دیئے تو اس نے لے کر وہ پیسے جوہڑ میں پھینک دیئے۔ حضرت بڑے حیران ہوئے اور پوچھا، یہ آپ نے کیا کیا ہے؟ وہ کہنے لگا، اگر آپ کا مال عیب والا تھا تو میں بھی کھوٹے پیسے دے کر آ رہا تھا، لہٰذا اب میں آپ کو صحیح پیسے دیتا ہوں۔ چنانچہ اس بندے نے حضرت کو اب صحیح پیسوں سے پیمنٹ کی۔ اللہ رب العزت نے سچ کے بدلے ان کو کھوٹے پیسوں سے بچا لیا اور کھرے پیسے عطا کر دیئے ..... سچ ہمیشہ نجات دیتا ہے۔ عزیز طلباء! یہ بات ذہن میں بٹھا لو کہ ہم نے سچ بولنا ہے اور پھر ہمارا مددگار ہمارا پروردگار ہوگا۔

☆..... ہندو مسلمان ہو گئے:

. ایک مسلمان اور ایک ہندو کے درمیان ایک پلاٹ کی وجہ سے جھگڑا ہو گیا۔ مسلمان کہتا کہ یہ پلاٹ میرا ہے اور ہندو کہتا کہ میرا ہے۔ مسلمان بڑا سمارٹ بنا اور اس نے اعلان کر دیا کہ اگر پلاٹ مجھے مل گیا تو میں یہاں مسجد بنواؤں گا۔ جواب میں ہندو نے کہا کہ اگر مجھے مل گیا تو میں اس پر مندر بنواؤں گا۔ وہ بات تو دو بندوں کی ذاتی تھی لیکن اب دینی ایشو بن گیا۔ مسلمان، مسلمان کے ساتھ ہو گئے اور ہندو ہندو کے ساتھ ہو گئے۔ قریب تھا کہ پورے شہر کے اندر خون خرابہ ہوتا۔ لہٰذا مقدمہ درج کروا دیا گیا۔ اس وقت جج انگریز تھا۔ اس نے پوچھا کہ کیا صلح کی بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ ہندوؤں نے کہا، جی ہم ایک مسلمان کا نام بتاتے ہیں، آپ اس کو بلائیں، جو بھی وہ کہہ دیں گے ہم اس کا فیصلہ مان لیں گے۔ چنانچہ اس نے اگلی تاریخ دے

دی۔ ہندو بڑے پریشان ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے باہر نکل کر اپنے نمائندہ ہندوؤں کی بڑی ملامت کی کہ تم نے تو جیتی بازی ہار دی، تم نے ایک مسلمان کا نام دے دیا ہے اور وہ مسلمانوں کے حق میں فیصلہ دے گا۔ ادھر مسلمان بڑے خوش تھے کہ جو بندہ بھی ہے وہ مسلمان ہی ہے نا، وہ آخر اللہ کا گھر بنانے کی ہی بات کرے گا۔

ہندوؤں نے جج کو مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بتایا تھا۔ چنانچہ جب اگلی تاریخ آئی تو جج نے ان کو بلایا ہوا تھا۔ جج نے پوچھا، مفتی صاحب! یہ پلاٹ کس کا ہے؟ انہوں نے فرمایا، یہ پلاٹ ہندو کا ہے۔ جج نے پھر پوچھا، کیا ہندو اس پر مندر بنا سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ جب ملکیت ان کی ہے تو اختیار بھی ان کو ہے، وہ اس پر گھر بنائیں، مندر بنائیں یا جو چاہیں بنائیں۔ اس وقت انگریز جج نے ایک تاریخی فیصلہ لکھا، اس نے کہا،

''آج کے اس مقدمے میں مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا''

جب ہندوؤں نے یہ فیصلہ سنا تو انہوں نے کہا، ''جج صاحب! آپ نے تو اپنا فیصلہ سنا دیا، تو اب ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ جب اسلام اتنا سچائی کا پرچار کرنے والا دین ہے تو ہم بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ ہم اس جگہ پر اپنے ہاتھوں سے مسجد بنائیں گے''.....اللہ اکبر!!!

تو کیا ثابت ہوا؟..... الصدق ینجی [سچائی نجات دیتی ہے]

☆.....وکیل جج بن گیا:

ایک وکیل صاحب ہمارے دوست تھے۔ ان کی بیوی لیڈی ڈاکٹر تھی۔ وہ ماشاء اللہ بڑے زمیندار گھرانے کے آدمی تھے۔ اس کے علاوہ ایک سیاسی پارٹی کے عہدہ دار بھی تھے۔ بڑی باتیں کرنے والے تھے۔ آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک تو وکیل تھے اور پھر ایک سیاسی پارٹی کے عہدیدار تھے..... یک نہ شد دو شد.....اور وکیل

کے بارے میں تو یہ شعر بھی مشہور ہے،

پیدا ہوئے وکیل تو شیطان نے کہا
لو آج ہم بھی صاحب اولاد ہو گئے

وہ کہتے ہیں کہ میں پچاس ہزار روپے ماہانہ کماتا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب انجینئر کی تنخواہ دو تین ہزار ہوتی تھی۔ وہ ایک اللہ والے کی صحبت میں پہنچا۔ اللہ والوں نے سچ کی بات کہی اور اس بندے کے دل میں اتر گئی۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں آج کے بعد جھوٹ نہیں بولوں گا۔ جب اس نے بیوی سے مشورہ کیا تو اس نے کہا، میں لیڈی ڈاکٹر ہوں، خود کماتی ہوں، میں آپ کو تنگ نہیں کروں گی، جو مجھے مل رہا ہے وہ بھی آپ ہی کا ہے، بس ہمارے گھر کا خرچہ چلتا رہے گا، اب آپ نیکی کی نیت کر چکے ہیں، لہٰذا اگر آپ وکالت کا پیشہ چھوڑنا چاہتے ہیں تو چھوڑ دیں، کوئی اور کاروبار کر لیں۔ انہوں نے جواب دیا، نہیں، وکالت تو میرا پیشہ ہے اور میں اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

اگلے دن وہ اپنے چیمبر میں گئے اور پہنچتے ہی انہوں نے اعلان کر دیا کہ میں اب جھوٹ نہیں بولوں گا۔ آپ کو پتہ ہی ہے کہ آجکل عدالتوں کا کیا حال ہے۔ اگر بندہ سچ پر بھی ہو تو اس کو اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے جھوٹ بولنا پڑتا ہے ..... جب لوگ اس کے پاس مقدمہ لے کر آئے تو وکیل صاحب نے پوچھا، کیا تم سچ پر ہو یا جھوٹ پر؟ انہوں نے کہا، جی ہم تو بالکل سچ پر ہیں۔ وکیل صاحب نے کہہ دیا، ٹھیک ہے میں تمہارے مقدمے کی پیروی تو کروں گا لیکن اگر پیروی کے دوران مجھے پتہ چل گیا کہ تم جھوٹے ہو اور دوسرا سچا ہے تو میں تمہارے مقدمے کی پیروی چھوڑ دوں گا۔ اب ایسے بندے کو کون وکیل بناتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہم سوچ کر آپ کو بتائیں گے۔ چنانچہ وہ سوچنے کے لئے گئے اور چلے گئے ..... اس لئے ان کے پاس

کوئی مقدمہ لے کر بھی نہیں آتا تھا۔ وہ سارا دن اسی طرح چیمبر میں فارغ بیٹھ کر آجاتے۔ ایک سال اسی طرح بیت گیا۔ حتی کہ وہ وکیل صاحب جگ ہنسائی کا شکار ہو گئے ..... جو بھی ان کو دیکھتا وہ ہنس پڑتا کہ دیکھو یہ وکیل ہے، یہ تو پاگل ہو گیا ہے، لگتا ہے کہ اس کے دماغ پر کوئی اثر ہو گیا ہے، جی یہ کسی کے پاس جاتا ہے اور اس نے اس پر جادو کر دیا ہے۔ انہیں لوگوں کو اسی طرح کی کئی باتیں سننا پڑتیں، حتی کہ جج بھی آپس میں باتیں کرتے اور ان کے بارے میں حیران ہوتے کہ دیکھو! آج کے زمانے میں یہ کیا کر رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک سال تک ہر بندہ مذاق اڑاتا رہا اور میں ہر بندے کا مذاق برداشت کرتا رہا۔ لیکن میرے دل میں پکی نیت تھی کہ جھوٹ نہیں بولنا۔

ایک سال کے بعد ان کا امتحان ختم ہو گیا اور اللہ کی مدد شروع ہو گئی۔ وہ اس طرح کہ ساری دنیا تو جھوٹی نہیں ہے، کچھ بندے سچے بھی ہوتے ہیں۔ ایک دیندار بندہ جس کا تعلق کسی اللہ والے سے تھا اور تبلیغی جماعت سے بھی وابستگی رکھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ بندہ کہتا ہے کہ میں نے جھوٹ نہیں بولنا، تو میں تو سچا ہوں، میں اس کے پاس اپنا مقدمہ لے کر کیوں نہ جاؤں۔ چنانچہ اس نے آکر وکیل صاحب سے کہا کہ میرا مقدمہ بالکل سچا ہے آپ پیروی کریں۔ اب وکیل صاحب مقدمہ لے کر عدالت میں گئے۔ جج صاحب نے حیران ہو کر دیکھا کہ یہ وکیل بن کر آئے ہیں۔ جج صاحب نے جب تھوڑی سی تحقیق کی تو پتہ چلا کہ اس وکیل صاحب کے ساتھ جو بندہ آیا ہے وہ سچا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جلدی سے اس کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ اور وہ مقدمہ جیت گئے۔

جب نیک لوگوں نے دیکھا کہ یہ وکیل صاحب مقدمہ جلدی جیت جاتے ہیں تو وہ ان کے پاس آنے لگے اور جج اس کی شکل دیکھ کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتے

کہ ہمیں تحقیق کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس نے پہلے ہی کر لی ہوگی۔ جہاں دیندار لوگ متوجہ ہوئے وہاں ایسے دنیادار بھی رجوع کرنے لگے جو اپنی بات میں سچے تھے۔ لہٰذا لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ وہ کہنے لگے کہ پہلے میں جھوٹ بول کر ایک مہینے میں پچاس ہزار روپے کماتا تھا اور اب سچ بولنے پر اللہ تعالیٰ مجھے ایک لاکھ روپے ماہانہ عطا فرما دیتے تھے..... سبحان اللہ..... اللہ کی مدد آ گئی۔ عزتیں بھی مل گئیں۔ حتیٰ کہ وہی لوگ کہتے تھے کہ واقعی بندہ ہو تو ایسا ہونا چاہیے۔ ہر طرف سے واہ واہ بھی ہوئی اور مال پیسہ بھی خوب ملا۔

اسی دوران حکومت کی طرف سے ایک تجویز آئی کہ جو پرانے وکیل ہیں ان میں سے کچھ وکیلوں کو جج بنانا چاہیے۔ جب درخواستوں کا سلسلہ چلا تو فیصلہ کرنے والوں کو سب سے پہلے ان کا نام پہنچ گیا کہ اگر جج بنانا ہے تو ایسے وکیلوں کو بناؤ۔ وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے میرا نام گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے وکیلوں سے اٹھا کر ججوں کی فہرست میں شامل کر دیا۔ یہ واقعہ سنا کر مجھے کہنے لگے،

''حضرت! جب جھوٹ بولتا تھا تو فرش پر کھڑا ہو کر Yes Sir, Yes Sir کرتا تھا، میں نے سچ بولنے کی نیت کر لی، اللہ نے مجھے فرش سے اٹھا کر عدالت کی کرسی پر بٹھا دیا، اب لوگ میرے سامنے آ کر مجھے سر سر کہتے ہیں''۔

وہ بندہ ابھی زندہ ہے اور ہمارے پاس اب بھی آتا ہے۔ اگر آج کے زمانے میں ایک وکیل یہ نیت کر لیتا ہے اور اللہ اس کو سرخرو کر دیتے ہیں تو پھر کون ہے جو یہ کہے کہ آج کل جھوٹ کے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔

- عزیز طلباء! آپ بھی اپنے دل میں زندگی بھر سچ بولنے اور سچ کا معاملہ کرنے کا وعدہ کر لیجئے، جی ہاں! ارادے کی بجائے وعدہ کر لیجئے، اللہ تعالیٰ اس سچ کی برکت سے آپ کی زندگی کی تمام پریشانیوں کو ختم کر کے آپ کو خوشیوں بھری، کامیابیوں

بھری اور عزتوں بھری زندگی عطا فرما دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی اور سچی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

ہزار خوف ہو، لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

طاعت میری عزت ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلطَّاعَةُ حَسْبِيْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ.

طاعت اور حسب کا مطلب:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

اَلطَّاعَةُ حَسْبِيْ (طاعت میری عزت ہے)

طاعت کا لفظ طلوع سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے ''حکم ماننا''۔ ایک ہوتا ہے مارے باندھے کام کرنا اور ایک ہوتا ہے دل کی خوشی کے ساتھ کسی کی بات کو ماننا۔ لیکن مطیع اس بندے کو کہتے ہیں جو صمیمِ قلب کے ساتھ، دل کے نشاط کے ساتھ اور خوش ہو کر کسی کی بات کو مان لے۔

حسب کا مطلب وہ بزرگی ہے جو انسان کو اپنی اچھی صفات کی وجہ سے حاصل ہو۔ ایک بزرگی نسب کی وجہ سے بھی ملتی ہے۔ جیسے سادات میں سے ہونا بھی بزرگی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نبی علیہ السلام کے ساتھ نسب کا تعلق بھی عطا کر دیا ہے۔

عزت ماننے میں ہے:

اس حدیث پاک میں ایک راز کی بات بتائی گئی ہے۔ عام طور پر لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ تفوق میں عزت ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم دوسروں پر غالب آجائیں، دوسروں سے آگے بڑھ جائیں اور دوسرے ہمارے مطیع بن جائیں تو اس میں ہماری عزت ہے۔ جبکہ اس حدیث پاک میں نبی علیہ السلام یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جو انسان مان کر چلنے والا ہو، اس کو عزت ملتی ہے۔ یعنی منوانے میں نہیں، ماننے میں عزت ہے۔ اسی لئے مومن بندہ مان کے چلتا ہے اور اسی بات کا اس کو حکم بھی دیا گیا ہے۔ فرمایا،

اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء:۵۹)

[اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے والی امر ہیں، ان کی اطاعت کرو]

اولی الامر دو طرح کے ہوتے ہیں۔ جہاں دین کا معاملہ آئے گا وہاں وقت کے علما، مفتیان اور فقیہ حضرات اولی الامر ہوں گے اور جہاں ملک کے انتظام وانصرام کا معاملہ آئے گا وہاں حاکمِ وقت اولی الامر کہلائے گا۔ چنانچہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ شہر آباد کیا تو اس کے بعد انہوں نے وہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا، لوگو! میں تمہاری طرف عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں، لیکن ان حکام کی بات تب مانی جائے گی جب وہ شریعت وسنت کے مطابق ہوگی۔ کیونکہ.....

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ ۔

[اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی بات نہیں ماننی]

مذکورہ آیت میں اللہ کی اطاعت کے لئے اطیعوا کا مستقل لفظ آیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے لئے بھی اطیعوا کا لفظ آیا ہے، پھر اولی الامر سے

پہلے اطیعوا کا لفظ نہیں آیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر یہ اولی الامر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق چلتے رہیں گے تو تم اطاعت کرتے رہنا اور اگر یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق چلنا چھوڑ دیں تو پھر تم پر ان کی اطاعت بھی ضروری نہیں ہے۔

اللہ کی نظر میں خوبصورت بننے کا طریقہ:

ایک ہوتا ہے نماز کا امام۔ وہ جو عمل بھی کر رہا ہو، مقتدی کے لئے وہ عمل کرنا ضروری ہے، اگر نہیں کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر امام رکوع اور سجود کر رہا ہو اور مقتدی کہے کہ آج میں قیام کے بعد سیدھا التحیات میں جاؤں گا تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ نماز کی قبولیت کے لئے اسے امام کی اطاعت ضرور کرنا پڑے گی۔ جس طرح ہمارے لئے نماز کے امام کی اطاعت کرنا ضروری ہے اسی طرح نبی ﷺ ہماری چوبیس گھنٹے کی زندگی کے امام ہیں ..... لہٰذا ہم کھانا کھائیں تو ان کے طریقے پر..... پانی پئیں تو ان کے طریقے پر..... لباس پہنیں تو ان کے طریقے پر..... میل جول ان کے طریقے پر..... گفتار کریں تو ان کے طریقے پر..... کردار اپنائیں تو ان کے طریقے پر۔ غرض ہمیں ہر کام نبی علیہ السلام کے طریقے کے مطابق کرنا ہے۔ اس لئے مومن کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ میں ایک ایک عمل میں نبی علیہ السلام کے طریقے کو اپناؤں۔ اور جو ہر ہر عمل میں نبی علیہ السلام کا طریقہ اپنا لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ بن جاتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جب شادی ہوتی ہے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دلہن کے جس عضو بدن پر زیور پہنا دیا جائے گا وہ عضو خاوند کی نظر میں خوبصورت بن جائے گا۔ مثلاً انگلیوں میں انگوٹھیاں پہن لے گی تو انگلیاں خوبصورت نظر آئیں گی۔ بازوؤں میں چوڑیاں پہن لے گی تو بازو خوبصورت نظر آئیں گے۔ گلے میں ہار ڈال

لے گی تو گلا خوبصورت نظر آئے گا۔ کانوں میں بالیاں لٹکا لے گی تو کان خوبصورت نظر آئیں گے۔ گویا جس عضو پر وہ زیور پہن لیتی ہے وہ عضو خاوند کی نظر میں خوبصورت بن جائے گا۔ بالکل اسی طرح مومن اپنے جس عضو کو سنت کے مطابق بنا لیتا ہے اس کا وہ عضو بدن اللہ رب العزت کی نظر میں خوبصورت بن جاتا ہے۔ اس لئے جو متبع سنت ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا،

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱)

[فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے]

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور اطاعت نبوی ﷺ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کو اپنانے کے معاملے میں بالکل نہیں شرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ ایران آئے۔ وہاں کھانا کھاتے ہوئے ان کے ہاتھ سے ایک لقمہ دستر خوان پر گر گیا۔ انہوں نے وہ لقمہ اٹھایا اور صاف کر کے کھا لیا۔ سنت بھی یہی ہے۔ ساتھ والے نے کہا کہ یہاں کے لوگ اس بات کو معیوب سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں ایک تاریخی جملہ کہا، فرمایا،

ءَاَتْرُكُ سُنَّةَ حَبِيْبِىْ لِهٰؤُلَآءِ الْحُمَقَاءِ

[کیا ان احمقوں کی وجہ سے میں اپنے حبیب کی سنت چھوڑ دوں]

اس سے اندازہ لگائیں کہ ان کے دل میں سنت کی کتنی عظمت ہوگی۔ اللہ اکبر!!

بھائی ظہیر احمد صاحب رحمہ اللہ اور اطاعت نبوی ﷺ:

ہمارے بھائی ظہیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اس ادارے کے پہلے ناظم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت ہی امیر گھرانے میں پیدا کیا اور انہوں نے بہت

شہزادگی کی زندگی گزاری۔ کروڑوں پتی تھے لیکن سب کچھ کو اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کیا اور دین کے کام کے لئے یہاں آ گئے۔

ایک مرتبہ وہ سفر کر رہے تھے۔ دوران سفر انہیں پیاس لگی اور وہ کسی پٹرول پمپ پر رک گئے۔ ایک صاحب نے ان کو پانی کا ایک گلاس دیا۔ انہوں نے اس سے گلاس لیا اور زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے۔ پانی پینے کے بعد پھر کھڑے ہو گئے۔ ایک مسافر قریب ہی کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا، مولانا! آپ کھڑے ہو کر بھی پانی پی سکتے تھے، پھر آپ نے بیٹھ کر پانی کیوں پیا۔ جب اس نے یہ بات کی تو ظہیر صاحب نے جواب دیا، ''میں ایک لمحہ کے لئے نبی علیہ السلام کی سنت کو ترک نہیں کر سکتا، نیچے بیٹھنے، پانی پینے اور پھر کھڑا ہونے میں تو بہت وقت لگتا ہے''۔

جب یہ کیفیت ہو کہ میں ایک لمحہ کیلئے بھی اللہ کے حکموں کی نافرمانی اور نبی علیہ السلام کی سنتوں سے روگردانی نہیں کر سکتا تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کو قبولیت مل جاتی ہے۔

قبولیت میں کمی آنے کی وجہ:

نبی علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے اس بات پر بیعت لی کہ

اسمعوا و اطیعوا (سنو اور اطاعت کرو)

آج اگر آپ کسی سے بات کریں تو آگے سے جواب ملتا ہے کہ میں سب جانتا ہوں۔ بھئی! آج جاننے کی تو کمی نہیں ہے، بلکہ ماننے کی کمی ہے۔ آپ یہ سوچیں کہ آپ جتنا جانتے ہیں اس میں سے کتنا مانتے ہیں۔ قیامت کے دن یہی تو سوال پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔ یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے کتنا علم حاصل کیا۔

جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کی اسی طرح آج کے زمانے میں بھی نوجوانوں کو یہ بات سمجھانے اور سکھانے کی ضرورت ہے۔ یہ سنتے بہت کچھ ہیں

لیکن اپنی مرضی کرتے ہیں۔ان کو ماں باپ کتنی اچھی اچھی باتیں بتاتے ہیں، بڑے بتاتے ہیں، اساتذہ بتاتے ہیں، وہ ان باتوں کو سن تو لیتے ہیں لیکن بعد میں اپنی مرضی کرتے ہیں۔ماننے کی کوتاہی کی وجہ سے مقبولیت میں کمی آجاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ماننے کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے مسجد نبوی میں فرمایا، بیٹھ جاؤ۔عین اس وقت ایک صحابی ﷺ مسجد نبوی میں داخل ہو رہے تھے، ان کا ایک قدم باہر تھا اور ایک اندر تھا۔جیسے ہی انہوں نے نبی علیہ السلام کی مبارک زبان سے بیٹھنے کا حکم سنا تو وہ وہیں بیٹھ گئے۔گویا انہوں نے یہ سمجھا کہ اب اس سے آگے حرکت کرنا اور پوزیشن کو بدلنا میرے لئے ٹھیک نہیں ہے۔جب اس جذبے کی اتباع نصیب ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بندے کو دنیا میں عزتوں سے نوازتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جو بندہ پہلے خادم بنتا ہے، وقت آنے پر اللہ تعالیٰ اس کو مخدوم بنا دیتے ہیں۔لیکن المیہ یہ ہے کہ آج تو شروع سے ہی مخدوم بننے کی فکر ہوتی ہے۔

بیوی کہتی ہے.....میری بات مانی جائے۔

خاوند کہتا ہے.....میری بات مانی جائے۔

ماں باپ کہتے ہیں.....میری بات مانی جائے۔

بیٹا کہتا ہے.....میری بات مانی جائے۔

بیٹی کہتی ہے.....میری بات مانی جائے۔

ہر کوئی منوانے پر تلا ہوا ہے۔بہت کم نوجوان ایسے ہیں جن کے دل میں مان کر چلنے کا شوق ہو۔اور جن نوجوانوں کے اندر یہ شوق ہوتا ہے ان کو اللہ تعالیٰ بخت لگا دیتے ہیں۔

اطاعت نبوی ﷺ کی حیرت انگیز مثال:

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کر

رہے ہیں۔آپ ﷺ کی طبیعت تو پہلے سے ہی اداس تھی۔کئی سالوں سے بیت اللہ شریف سے بچھڑے ہوئے تھے۔ نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنا خواب بتا دیا۔ پھر اللہ کے محبوب ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمرہ کرنے کی تیاری کر لی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ ملتے رہے۔آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے اٹھارہ میل دور حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔آپ ﷺ کے ہمراہ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

ادھر سے قریش مکہ کو پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس طرح آ گئے تو ہماری چودھراہٹ تو ختم ہو جائے گی ..... یہ ناک بھی بڑی عجیب چیز ہے، جو کہتے ہیں کہ ہماری ناک کا مسئلہ ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی ناک کو موم کی ناک بنا دیتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ اسے نیچا کر کے دکھاتے ہیں ..... چنانچہ قریش مکہ نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اتنے آرام سے آئیں اور عمرہ کر کے چلے جائیں۔لہٰذا فیصلہ ہوا کہ اپنے بندوں کو ان کے پاس بھیجو اور ان کو وہیں روکو۔

نبی علیہ السلام نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ جا کر قریش مکہ سے بات کریں کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے۔ ہم جنگ نہیں چاہتے ، بلکہ ہم ایک عبادت کرنا چاہتے ہیں۔آپ لوگ مہربانی کریں اور ہمیں عبادت کرنے دیں۔لیکن انہوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔اسی گفت وشنید میں انہیں کئی دن لگ گئے۔اس دوران میں انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ طواف کرنا چاہتے ہیں تو آپ کر لیں، ہم آپ کو نہیں روکتے۔لیکن انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے آقا تو وہاں حدیبیہ میں بیٹھے رہیں اور میں یہاں طواف کر لوں۔

اتنے میں خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ جب نبی

علیہ السلام نے یہ سنا تو آپ ﷺ نے اللہ رب العزت کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لینا شروع کر دی۔ کہ اب ہم ان کے ساتھ لڑیں گے اور ان کو سبق سکھائیں گے۔ اس بیعت کو ''بیعت رضوان'' کہا جاتا ہے۔ وہاں کیکر کا ایک درخت تھا۔ نبی علیہ السلام۔ نے اس کے نیچے بیٹھ کر یہ بیعت لی۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی۔ سب سے پہلے حضرت سنان رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور پھر باقی صحابہ نے بیعت کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذہنی طور پر پوری طرح تیار ہو گئے کہ اب ہم نے آگے بڑھنا ہے اور قریش مکہ کے ساتھ نمٹنا ہے۔

جب کافروں کو اس بیعت کا پتہ چلا تو انہوں نے سہیل بن عمرو کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ وہ ایسا بندہ تھا جو بڑا باتونی اور سمجھدار قسم کا آدمی تھا۔ وہ بادشاہوں کے دربار میں آتا جاتا تھا۔ اسے بات کرنے کا سلیقہ آتا تھا۔ وہ بات کا دھنی آدمی تھا اور حالات کی ججمنٹ کرنا جانتا تھا۔ پہلے اور بھی چند لوگ آئے تھے۔ لیکن ان کے ساتھ بات آگے نہ بڑھ سکی۔ جب سہیل آیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اب سہیل آیا ہے، چنانچہ اب سہولت ہو جائے گی۔ بالآخر نبی علیہ السلام اور سہیل کے درمیان چند شرائط طے پا گئیں۔ مثال کے طور پر۔

☆ اس سال مسلمان بیت اللہ کی زیارت کیے بغیر واپس چلے جائیں اور اگلے سال آئیں تو ہم ان کو عمرہ کرنے کی اجازت دے دیں گے۔

☆ قریش مکہ کا کوئی آدمی اگر بھاگ کر مسلمان ہو جائے گا تو وہ اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے اور جو مسلمانوں میں سے بھاگ کر کافر ہو جائے گا اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

یہ شرائط صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی ایمانی غیرت کی وجہ سے اس سوچ میں تھے کہ ہم ان کے ساتھ اتنا دب کر کیوں صلح

کریں۔ یہ ذرا ہمارے ساتھ لڑائی تو کر کے دیکھیں،

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ہم نے بدر واحد میں ان پر ہاتھ کھولا ہوا ہے، ہمیں ان سے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مگر نبی علیہ السلام ان شرائط پر امادہ ہو گئے۔

معاہدہ لکھنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ جب انہوں نے شروع میں بسم اللہ لکھی تو اس پر سہیل نے اعتراض کیا کہ..... باسمك اللهم ..... لکھیں۔ خیر انہوں نے یہی لکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ لکھا کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ اور قریش مکہ کے مابین ایک معاہدہ ہے۔ اس پر اس نے پھر پھڈا ڈالا۔ وہ کہنے لگا، اگر ہم ان کو رسول اللہ مان لیتے تو پھر جھگڑا ہی نہیں تھا۔ اس لئے محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبد اللہ لکھیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا، چلو ایسے ہی لکھ دو جیسے یہ کہہ رہا ہے۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے یہ کام بڑا مشکل تھا کہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہو اور اس کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ کیونکہ محبت چیز ہی ایسی ہے۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! میرا دل نہیں مانتا کہ میں اپنے ہاتھ سے آپ کا نام مٹاؤں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا، علی! تم ایسا کر لو، ایک ایسا وقت آئے گا کہ تمہارے ساتھ بھی بالکل یہی صورتحال پیش آئے گی اور تمہیں بھی اپنے نام کے ساتھ لکھا ہوا لفظ کاٹنا پڑے گا۔ ہو بہو وہی بات ان کے ساتھ جنگ صفین میں پیش آئی۔

جب یہ معاہدہ لکھ دیا گیا تو اتنے میں سہیل کا اپنا بیٹا ابو جندل وہاں آ پہنچا۔ سہیل نے اس کو اپنے گھر کے اندر باندھا ہوا تھا۔ اس کو وہ مارا پیٹا کرتا تھا۔ جب اس کو پتہ چلا کہ مسلمان اتنا قریب ہیں تو وہ کسی طرح چھپ چھپا کر مسلمانوں کے پاس آ گیا۔ وہ نوجوان تھا۔ اس کے پاؤں میں اب بھی بیڑیاں تھیں۔ جیسے ہی ابو جندل وہاں پہنچا،

سہیل کہنے لگا، اگر چہ ابھی ہمارے معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے، طے تو ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ابو جندل واپس کرو۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا، سہیل میری بات مان اور ابو جندل کو میرے پاس رہنے دو۔ اس نے کہا، پھر ہم معاہدہ ہی نہیں کرتے۔

اب یہاں ایک سبق ہے کہ بعض اوقات بڑے فائدے کی خاطر چھوٹے نقصان کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ یہ زندگی کے اصول وکلیات میں سے بھی ہے۔ جیسے اگر کپڑے کی مارکیٹ میں آدمی لوہے کی بھٹی بنا دے، جس میں خوب دھواں ہوتا ہو اور لوگوں کے کپڑے خراب ہوتے ہوں تو حکومت کو اختیار ہوگا کہ وہ اس بھٹی کو زبردستی بند کروائیں کیونکہ اس میں دوسروں کا نقصان ہے۔

اب سہیل کے کہنے پر نبی علیہ السلام ابو جندل کو واپس کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جب آپ ﷺ نے آمادگی کا اظہار کیا تو سہیل اٹھا اور اس نے مسلمانوں کے سامنے ابو جندل کو مارنا شروع کر دیا۔ وہ تھپڑ مارتا رہا اور ابو جندل روتا رہا۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔ ان کے لئے بہت بڑی آزمائش تھی۔

اس واقعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل اتنے دکھی ہوئے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے، اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم اتنا دب کر ان سے کیوں معاہدہ کر رہے ہیں؟ اس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَسْتُ اَعْصٰی وَهُوَ نَاصِرِیْ

[میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میں اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہ میرا مددگار ہے]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔ پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے

پاس آئے ان سے بھی یہی بات کی، ابو بکر! ہم اتنا دب کر کیوں صلح کر رہے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، عمر! کیا تم جانتے ہو کہ نبی علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں؟ جواب دیا، جی ہاں۔

سوچ کی وحدت دیکھیں کہ جو جواب نبی علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا، ہو بہو وہی جواب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیا..... چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

اتنے میں نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ تم جو قربانی کے جانور لائے تھے ان کو قربان کر دو اور اپنے احرام اتار لو۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہہ کر اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ کتنا مشکل کام تھا.....!!! صحابہ حیران تھے، یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، ان کے دل میں آمادہ ہی نہیں ہو رہے تھے۔ ان کو رہ رہ کر یہ سوچ آتی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب بھی دیکھا اور پھر ہم اتنا قریب آنے کے باوجود احرام اتار کر واپس چلے جائیں۔

ام المومنین ام سلمٰی رضی اللہ عنہا اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ جب نبی علیہ السلام اپنے خیمے میں تشریف لائے اور آپ نے ان کو صورتحال بتائی کہ میں نے انہیں کہا ہے کہ قربانی کریں اور یہ ابھی کسی سوچ میں بیٹھے ہیں۔ اب ام المومنین ام سلمٰی رضی اللہ عنہا نے ایک بہت ہی اچھا مشورہ دیا۔ انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے دل میں عمرہ کرنے کا اتنا شوق ہے کہ ان کے دل امادہ نہیں ہو رہے، آپ باہر تشریف لے جایئے، ان کے سامنے اپنے جانور کو قربان کر کے احرام اتار دیجئے۔ جو آپ کریں گے یہ سب وہی کریں گے۔ نبی علیہ السلام کو ان کا مشورہ پسند آ گیا۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آ کر جانور ذبح کیا اور احرام اتارا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نبی علیہ السلام کو دیکھ کر اسی طرح کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی علیہ السلام کی جو یہ بات مانی تو اس کے بدلے

میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مطاع بنا دیا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

اَلصَّحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ

[میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پا جاؤ گے]

ہر حال میں مان کر چلیے:

عزیز طلباء! آپ اس وقت عمر کے جس حصے میں ہیں، آپ کے لئے سب سے اہم کام یہ ہے کہ آپ اپنے بڑوں کی بات ماننے کی عادت ڈالیں۔ بعض اوقات انسان عادت نہ ہونے کی وجہ سے اہم کام بھی نہ کرنے کے بہانے بناتا ہے اور وقت ضائع کرتا رہتا ہے، وہ آجکل آجکل کرتا رہتا ہے اور یوں وقت جیسی قیمتی متاع ہاتھ سے چلی جاتی ہے۔ اس لئے آپ اپنے اندر ماننے کی عادت ڈال لیجئے اور یہ سوچئے کہ میں نے اپنے اساتذہ، مشائخ، والدین اور اپنے بڑوں کی بات کو سن کر اس پر عمل کرتے رہنا ہے۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قربانی کے موقع پر لوگ قربانی کے جانور پالتے ہیں وہ جانور کو نہلا کر گلیوں میں چلتے ہیں تاکہ اون وغیرہ بھی خشک ہو جائے اور ان کو باہر چلنے کا بھی موقع مل جائے۔ وہ اپنے لیلے وغیرہ کی رسی چھوڑ دیتے ہیں۔ مالک خود آگے آگے چل رہا ہوتا ہے اور لیلا اس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوتا ہے۔ مالک چلتا ہے تو لیلا بھی چلتا ہے، مالک کھڑا ہو جاتا ہے تو لیلا بھی کھڑا ہو جاتا ہے، مالک ٹرن لیتا ہے تو لیلا بھی ٹرن لیتا ہے۔ ہماری پنجابی میں اسے ''راکھواں لیلا'' کہتے ہیں۔ وہ ہر کام میں اپنے مالک کی منشاء کو پہچانتا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ جو نوجوان اپنی جوانی کی عمر میں اپنے اساتذہ، مشائخ اور اپنے بڑوں کے سامنے راکھواں لیلا بن کر رہے گا، اللہ تعالیٰ اسے آنے والے وقت میں

عزتوں سے نواز دیں گے۔تو پتہ چلا کہ تفوق میں عزت نہیں ہے۔البتہ جو بڑا بننا چاہے اسے چاہیے کہ وہ چھوٹا بن جائے، اللہ تعالیٰ اس کو بڑا بنا دیں گے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ۔

من تواضع لله رفعه الله

[جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ اسے بلندی عطا کرے گا]

جانوروں کا مطیع ہونا:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے جانوروں کو مطیع بنا دیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے امت کو نبی علیہ السلام کے سامنے مطیع بنا دیا ہے۔آج ہم جو کہتے ہیں جانور وہی مانتے ہیں۔اونٹ کتنا بڑا ہوتا ہے۔آپ اس کی نکیل اگر کسی بچے کے ہاتھ میں دے دیں تو وہ اس کے پیچھے بھی چلنا شروع کر دے گا۔حالانکہ بچے کی اونٹ کے سامنے کیا حیثیت ہے۔اگر وہ لات مارے تو بچہ کیا، بڑے کی ہڈی بھی توڑ دے۔لیکن اونٹ ایسا نہیں کرتا۔جس کے ہاتھ میں بھی اس کی نکیل پکڑا دی جائے۔وہ اسی کے پیچھے چلنا شروع کر دیتا ہے۔اس کی یہ صفت اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ فرمایا،

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (غاشیة: ۱۷۔۱۸)

[کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے پیدا کیا گیا]

گویا یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے.....تو انسان اپنے بڑوں کے سامنے اسی طرح رہے جس طرح کوئی جانور اپنے مالک کے سامنے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو انسان کا کتنا مطیع بنا دیا ہے؟.....سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان ہی بند کر دی ہے۔اگر جانور بھی بولتے ہوتے تو کبھی گدھا باتیں کر رہا ہوتا، کبھی گھوڑا بول رہا ہوتا اور کہہ رہا ہوتا، جناب کیا آپ کو میری بھوک کا خیال نہیں ہے؟ خود تو گھر میں بیٹھ کر پراٹھے کھا رہے ہیں اور مجھے آپ

نے خشک گھاس بھی نہیں ڈالی۔ جناب! آپ نے مجھے رات کو سردی میں کھڑا رکھا، مجھے کمرے میں باندھا ہی نہیں اور خود بیوی کے ساتھ لحاف میں جا کر سوئے، میرے لئے صحن کی سردی ہی مقدر میں تھی، مجھے چھپر کے نیچے ہی باندھ دیتے۔ اگر یہ بولتا تو کہتا، جناب! میں کل کا کام کر کے بہت تھک گیا ہوں، لہٰذا آج میں میڈیکل لیو پر ہوں۔ اس صورت میں ہمارا کیا بنتا؟ اللہ تعالیٰ کا کتنا احسان ہے کہ اس نے جانوروں کی زبان بندی کر دی تا کہ اس کے لئے عذر کی کوئی مین میخ نکالنے کی گنجائش ہی نہ ہو۔

گھوڑے کو دیکھو۔ مالک اسے اس لئے پالتا ہے کہ میں اس پر سوار ہو کر اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلوں گا۔ پھر گھوڑا اس کا کتنا خیال کرتا ہے۔ جب مجاہد گھوڑے پر بیٹھ کر اس کو ایڑی لگاتا ہے تو گھوڑا سامنے بھاگنا شروع کر دیتا ہے، وہ دشمن کی صفوں میں گھس جاتا ہے۔ سامنے سے تیر اور نیزے آ رہے ہوتے ہیں اور گھوڑے کے جسم پر زخم لگ رہے ہوتے ہیں اور خون کے فوارے چھوٹ رہے ہوتے ہیں، لیکن یہ مڑ کر واپس نہیں جاتا۔ اس کو پتہ ہوتا ہے کہ میرے مالک نے مجھے اسی وقت کے لئے پالا تھا۔ اب اگر میری جان جاتی ہے تو چلی جائے۔ لیکن میں اپنے مالک کے اس اشارے کو پورا کر کے دکھاؤں گا۔ دشمن گھوڑے پر بھی وار کرتا ہے۔ وہ سب برداشت کر لیتا ہے لیکن وہ اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کرتا۔ اس کی یہ فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اللہ رب العزت نے گھوڑے کے قدموں سے اڑنے والی مٹی کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا،

وَ الْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝

(العدیت:۱۔۳)

[سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جو ہانپ اٹھتے ہیں، پھر پتھر پر ٹاپ مار کر آگ نکالتے ہیں، پھر اس وقت دشمنوں کی جماعت میں جا گھستے ہیں]

جس طرح جانور ہمارے مطیع ہیں اسی طرح ہم نبی ﷺ کے مطیع ہیں۔ پھر یہ کہنا کہ جی شریعت میں پردہ کیوں ہے؟.....اس قسم کی باتیں انسان کے لیے گراوٹ کا سبب بنتی ہیں۔ جب اتنا پتہ چل جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو پھر بے چون وچرا اس پر عمل کرنا چاہیے۔

''نظر برقدم'' کا مطلب:

ہمارے بزرگوں نے تصوف کی ایک اصطلاح قائم کی ہے جسے ''نظر برقدم'' کہتے ہیں۔ عام طور پر لوگ اس کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ چلتے ہوئے قدم پر نظر رکھی جائے۔ یہ ٹھیک معنی ہے لیکن مشائخ کا اصل مقصد یہ تھا کہ سالک اپنی زندگی گزارنے کے لیے نبی ﷺ کے قدموں پر نظر رکھے۔ جیسے محبوب ﷺ چلیں ویسے چلیں۔ اس کو حال کے امر کو پہچاننا کہتے ہیں کہ اس موقع پر شریعت کا کیا حکم ہے، مجھے اس پر عمل کرنا ہے۔

اطاعت کی معراج:

اطاعت کی معراج یہ ہے کہ مکروہات شرعیہ، مکروہات طبعیہ بن جائیں۔ یعنی جس چیز سے شریعت نے کراہت کرنے کا حکم دیا، طبیعت بھی اس سے کراہت کرے۔ ایسے بندے کو اللہ رب العزت کے ہاں عزت بھی ملتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی بن جاتا ہے۔

؎ وہی سمجھا جائے گا شیدائے جمالِ مصطفیٰ
جس کا قال قالِ مصطفیٰ ہو حال حالِ مصطفیٰ

صحابہ کرام کو نبی علیہ السلام کی اطاعت کی سعادت ملی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی عزتیں دیں کہ

؎ خدا شاہد یہ ان کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا
شہنشاہ گر پڑے قدموں میں جب ان کے غلام آئے

کئی بادشاہوں کے تاج ان کے قدموں میں آئے۔ حتیٰ کہ چڑھتے سورج سے تاج مانگا، سمندروں سے خراج مانگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ماننے کی عزت عطا فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

جہاد میری خصلت ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْجِهَادُ خُلُقِيْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

جہاد اور خُلق کا مطلب:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْجِهَادُ خُلُقِيْ [جہاد میری خصلت ہے]

جہاد کا لغوی معنیٰ ہے پوری محنت، کوشش، توجہ کو کسی کام میں لگا دینا، جدوجہد.....اور شرعی اصطلاح میں جہاد سے مراد، ان کفار سے لڑائی ہے جو ذمی نہ بنائے گئے ہوں۔

خلق پیدائشی خصلت کو کہتے ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کا حکم:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

وَ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

[اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کے ذریعے اور جانوں کے

ذریعے]

یہاں سے جہاد کی دو قسمیں سامنے آئیں۔

(۱) جہاد بالمال۔ (۲) جہاد بالنفس۔

جہاد بالمال:

مال سے جہاد کرنا۔ اس سے مراد ''اپنے مال کو اللہ رب العزت کے راستے میں خرچ کرنا'' ہے۔ انسان زکوٰۃ، صدقات، خیرات، عطیات یا محصولات دیتا ہے تو یہ اس کا مال کے ذریعے سے جہاد ہوتا ہے۔ مال خرچ کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہوتا۔ مال دینے کیلئے لوگوں کو سینے پر سل رکھنی پڑتی ہے۔ ایک شخص نے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا، حضرت! میں زکوٰۃ تو دیتا ہوں لیکن اس کی وجہ سے میری طبیعت پر بڑا بوجھ ہوتا ہے، اس لیے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرے اندر دین کی محبت ہی نہیں رہی، پتہ نہیں مجھے کیا ہوا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ دوگنا اجر عطا فرمائیں گے۔ ایک اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کا اور دوسرا اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ کرنے کا۔

جہاد بالنفس:

جہاد کی دوسری قسم جہاد بالنفس ہے۔ نفس پر غالب آجانا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر جھکا دینا، جہاد بالنفس کہلاتا ہے۔ اس جہاد بالنفس کی آگے پھر تین قسمیں ہیں۔

(1) تزکیہ نفس (2) جہاد بالعلم (3) جہاد بالسیف

(۱) تزکیہ نفس:

پہلی قسم یہ ہے کہ انسان شریعت کے احکام کی پابندی کے لئے اپنے نفس کے

خلاف مجاہدہ کرے۔ غیر محرم سے اپنی نظروں کو جھکانے کیلئے نفس کے خلاف مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ شہوت تو غالب ہو مگر اللہ کے خوف کی وجہ سے اس کو خلاف شرع طریقے سے پورا نہ کرنا، ایک مجاہدہ ہے۔ اسے نفس کے خلاف جہاد کرنا کہتے ہیں۔

ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ گرا لے کبھی تو گرا لے

مومن بندے کو نفس کے خلاف عمر بھر جہاد کرنا پڑتا ہے۔ ایک ضعیف حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام میدان جنگ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ

[ہم ایک چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف جا رہے ہیں]

نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کار بند کر دینا واقعی بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. (العنکبوت: 69)

[جن لوگوں نے ہماری خاطر میں کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے]

یہاں جہاد سے مراد اپنے نفس کے خلاف جہاد کر کے شریعت وسنت والی زندگی گزارنا ہے۔

(۲) جہاد بالعلم:

دوسری قسم، علم کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ یہ کام علماء کرتے ہیں۔ وہ بغیر ڈر اور جھجک کے احکام خداوندی کے معاملے میں لوگوں کے سامنے کھرا کھرا دین پیش کرتے ہیں۔ وہ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی

ملامت کی پروانہیں کرتے) کے مصداق احکام شریعت کو سب کے سامنے بے لاگ بیان کردیتے ہیں، یہ بھی بڑا جہاد ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَفْضَلُ الْجِهَادُ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

[سخت قسم کے بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینا، افضل جہاد ہے]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (الحج:78)

[اور خدا کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے]

اس آیت میں جہاد سے مراد، دین کا علم حاصل کرنے کے لئے مشقتیں اٹھانا اور پھر دین کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے تکلیفیں اٹھانا ہے۔

(۳) جہاد بالسیف:

تیسری قسم کا جہاد، جہاد بالسیف کہلاتا ہے۔ یعنی کفار کے ساتھ لڑنا، قتال کرنا۔

دین اسلام کی خوبیاں:

سب سے پہلے دینِ اسلام کی خوبیوں کو سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) دین فطرت:

دینِ اسلام دین فطرت ہے۔ یہ انسان کو فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا. (الروم:۳۰)

(اللہ کی دی ہوئی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا)

لہٰذا کسی بھی سلیم طبیعت والے کو شریعت پر عمل کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

(۲) دینِ اخوت:

جب انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے کا عہد کر لیتا ہے تو پھر شریعت کہتی ہے کہ اب تم آپس میں محبت و پیار سے رہو۔ اس لئے اس کو دین اخوت کہتے ہیں۔ فرمایا،

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: 10)

[مومن آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں]

جیسے ایک ماں باپ کی اولاد محبت و پیار سے رہتی ہے اسی طرح فرمایا کہ تم ایک اللہ کی مخلوق ہو، اس کو ماننے والے ہو اور اس سے محبت کرنے والے ہو، لہٰذا تم سب آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

(۳) دینِ مساوات:

یہ دین، دینِ مساوات ہے۔ حکم شریعت سب پر ایک جیسا لاگو ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ جاہل پر پانچ نمازیں فرض ہیں اور عالم پر تین نمازیں فرض ہیں۔ سب کے لئے احکامِ خداوندی ایک جیسے ہیں۔ اللہ کی نظر میں سب اللہ کے بندے ہیں۔ ان کو رنگ، نسل اور مال کی وجہ سے ایک دوسرے پر فضیلت نہیں ہے، البتہ تقویٰ اور پرہیز گاری کی وجہ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

جرنیل بھی اسی صف میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہوتا ہے اور ایک عام سپاہی بھی اسی صف میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہوتا ہے۔ سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔

(۴) دین انصاف:

یہ دین، دین انصاف ہے۔ دین اسلام نے عدل وانصاف کا حکم دیا ہے۔ اس دین میں یہ بات ہرگز نہیں کہ امیر آدمی اپنی مرضی کرے اور غریب کو اس کے حق سے محروم کردے۔ یہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا درس دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کے گھر کے پرنالے کا رخ مسجد نبوی ﷺ کے صحن کی طرف تھا۔ بارش ہونے کی وجہ سے پرنالے سے پانی مسجد کے صحن میں گرتا اور کیچڑ بن جاتا تھا جس کی وجہ سے نمازیوں کو تنگی ہوتی تھی۔ حضرت عمر ﷺ نے اجتماعی فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پرنالے کو اکھڑوا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے حضرت ابن کعب ﷺ کی عدالت میں ان پر مقدمہ کردیا کہ میری اجازت کے بغیر یہ پرنالہ کیوں اتروایا گیا ہے۔

چنانچہ ابن کعب ﷺ نے امیر المومنین حضرت عمر ﷺ کو بھی بلوایا اور حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ کو بھی بلوایا اور دونوں کو اپنے سامنے زمین پر اکٹھا کھڑے کیا۔ ابن کعب ﷺ نے امیر المومنین ﷺ سے پوچھا کہ آپ نے عبداللہ ابن عباس ﷺ کی اجازت کے بغیر ان کے گھر کے پرنالے کو کیوں اتروایا؟ امیر المومنین ﷺ نے فرمایا کہ میں ذمہ دار ہوں۔ بڑے فوائد کی خاطر چھوٹے نقصانات برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے پوچھا، آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے فائدے کا تو نہیں پتہ، مجھے تو اتنا پتہ ہے کہ یہ پرنالہ نبی علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے لگایا تھا، اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اس کو یہاں سے اتروایا جائے۔ جب ابن کعب ﷺ نے یہ سنا تو انہوں نے فرمایا،

اگر یہ پرنالہ نبی علیہ السلام نے لگایا تھا تو اب فیصلہ یہ ہے کہ اس کو دوبارہ اپنی جگہ پر لگوایا جائے۔ اور اس کے لگانے کا طریقہ یہ ہوگا کہ امیر المومنین وہاں جا کر رکوع کی حالت میں کھڑے ہوں گے اور ابن عباس ﷺ ان کی کمر کے اوپر کھڑے ہو کر اس پرنالے کو دوبارہ لگائیں گے.....اللہ اکبر!!!.....کیا عدل وانصاف کا دین ہے۔!!!!

پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ امیر المومنین، جن سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے اور کانپتے تھے، وہ جا کر رکوع کی حالت میں جھکے اور ابن عباس ﷺ نے ان کی کمر کے اوپر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ لگایا۔ جب پرنالہ لگ گیا تو حضرت ابن عباس ﷺ نے کہا، "بس میری یہ تمنا تھی کہ میں اس پرنالے کو اس کی جگہ پر لگا ہوا دیکھوں، اب میں اپنے پورے گھر کو مسجد نبوی میں شامل کرتا ہوں"۔

جبر واکراہ سے مبّرا دین:

دین اسلام میں جبر واکراہ نہیں ہے۔ دین یہ حکم نہیں دیتا کہ تم کسی کو زبردستی کلمہ پڑھاؤ۔ شریعت نے کہہ دیا:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرة:256)

[دین میں جبر واکراہ نہیں ہے]

یہ تو خوشی کی چوڑیاں ہیں جو پہننا چاہے پہن لے۔ جو اللہ کو ماننا چاہتا ہے، وہ مانے۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو وہ اپنی عاقبت برباد کرے گا، لیکن ہم کسی بندے کو مجبور نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے طیب قلب اور صحیم قلب کے ساتھ کلمہ پڑھے۔

کفار کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:

لہٰذا اگر مسلمانوں کے ملک میں کافر رہ رہے ہیں تو شریعت یہ تعلیم نہیں دیتی کہ ہم ان کو وہاں سے نکال دیں، بلکہ وہ اس ملک کے اندر رہ کر ہی اپنی زندگی گزاریں۔

مسلمان ان کے ساتھ لین دین اور رکھ رکھاؤ کر سکتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ محبت کا تعلق نہیں جوڑ سکتے۔ گویا مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک حد قائم کر دی ہے۔ یعنی فرمایا کہ اے ایمان والو! تم تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہو اور کافر اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں اور اس کے احکام کو مانتے ہی نہیں۔ اس لئے ان باغیوں کے ساتھ تمہاری دوستی نہیں ہونی چاہیے۔

عزیز طلباء! بندے کا لین دین تو سینکڑوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دوستی فقط دو چار بندوں کے ساتھ ہی ہوتی ہے، جن سے انسان دل کی باتیں شیئر کرتا ہے۔ ان سے مشورہ کرتا ہے اور ان کو اپنے غم اور خوشی کے موقع پر اپنے قریب کرتا ہے۔ شریعت نے کافروں کے ساتھ ایسی دوستی کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اور فرمایا کہ ہاں تم ان کے ساتھ رکھ رکھاؤ کرو۔ چنانچہ اگر مسلمان معاشرے میں کوئی کافر آ کر رہنا چاہے تو اس کو اپنی زندگی گزارنے کی اجازت ہے۔

دینِ اسلام کی وسعت:

دین اسلام کی وسعت دیکھئے۔

☆.....آدمی بعض اوقات دوسرے بندے کو غصے سے دیکھتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تم تیوریاں نہ چڑھاؤ۔ فرمایا:

وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمٰن :18)

[اور لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا]

یہاں.....للمومنین (ایمان والوں کے لئے) نہیں کہا کہ تم ان کے ساتھ تیوریاں چڑھا کر نہ دیکھو، بلکہ فرمایا،.....للناس (انسانوں کے لئے).....اور للناس میں مومن بھی داخل ہیں اور کافر بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں کافر سے بھی بات کرنی ہے تو اس کے ساتھ بھی کھلی پیشانی کے ساتھ بات کرنی ہے۔

☆.....بعض اوقات بندہ بہت سخت بات کرتا ہے۔اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُوْلُوْ لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرۃ:83)

[تم انسانوں کے ساتھ اچھی گفتگو کرو]

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے ملنا ہے تو بھی خندہ پیشانی سے ملیں اور ان سے بات کرنی ہے تو بھی اچھے انداز سے کریں۔

☆.....پھر فرمایا کہ تم نے ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ بھی کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا؛

اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ (البقرۃ: 224)

[یہ نیکی پرہیز گاری اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرو]

☆.....اس میں بھی سارے انسانوں کا تذکرہ کیا کہ تم نے سب کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا ہے۔اور پھر فرمایا کہ تم نے عدل وانصاف کے ساتھ رہنا ہے۔فرمایا:

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ. (النساء:58)

[اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو فیصلے کرو عدل کے ساتھ]

یہاں بھی پوری انسانیت کا تذکرہ کیا۔

☆.....مسلمانوں اور کافروں کی مشترکہ معاشرت کے دوران اگر کوئی غلطی کر بیٹھے تو جس طرح تم نے مسلمانوں کو معاف کرنا ہے اسی طرح کافروں کو بھی معاف کر دینا۔ چنانچہ فرمایا:

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران:134)

[اور لوگوں کو معاف کرنے والے]

یہاں بھی سب انسانوں کا ذکر ہے کیونکہ سب انسان اللہ کے بندے ہیں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ (مخلوق اللہ کی عیال ہے)

دین اسلام کا حسن دیکھئے کہ اگر کافر بھی مسلمانوں کے معاشرے میں رہیں تو شریعت ان کے ساتھ اچھے رکھ رکھاؤ کا حکم دیتی ہے۔ اس رکھ رکھاؤ کی بھی حدود ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کو یارِ غار اور ہم نوالہ بنالیا جائے۔ ان کے ساتھ قلبی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ .

(المائدۃ:51)

[تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں]

یہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے، کیونکہ جو اللہ کا وفادار نہیں وہ تمہارا وفادار کیسے بن سکتا ہے۔ لہٰذا تم ان کے ساتھ محبت کا رشتہ مت جوڑو۔

کفار کا مطمعِ نظر:

یا اللہ ان کے ساتھ محبت کا رشتہ جوڑنے میں کیا نقصان ہے؟.....فرمایا؛

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَھُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ

(البقرۃ:120)

[یہود و نصاریٰ تم سے کبھی راضی ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ تم ان کی ملت کی پیروی نہ کرو]

یعنی جب تک تم ان جیسے نہ بن جاؤ، وہ تم سے راضی نہیں ہو سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو بھی اپنی طرح اللہ کا باغی بنا کر خوش ہوں گے۔ لہٰذا اب ہمارے اور ان کے درمیان ایک لائن آ گئی کہ ہم لین دین اور رہن سہن میں ان کے ساتھ

معاملات کر سکتے ہیں لیکن محبت کا تعلق نہیں جوڑ سکتے۔ کیونکہ معاملات کرنا اور چیز ہے اور محبت کرنا اور چیز ہے۔ ان کے ساتھ خرید و فروخت کے علاوہ حسنِ معاشرت کا درس دیا ہے تا کہ وہ مسلمانوں کے اچھے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہوں۔ تو دین اسلام امن اور سلامتی کو پسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام نے مسلمانوں کے معاشرے میں بھی کافروں کے حقوق متعین کیے ہیں۔

ایک قانونِ فطرت:

شریعت نے مسلمان معاشرے میں اچھے انداز سے زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے۔ مگر دنیا میں کچھ ایسی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں کہ جن میں مسلمان اور کافر کا آپس میں ٹکراؤ ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی کا بدن بہت ہی خوبصورت ہے، کئی سالوں سے وہ صحت مند ہی ہے۔ کبھی کبھی اس کے بدن میں ایک ایسا پھوڑا بن جاتا ہے کہ اس میں پیپ بھی پڑ جاتی ہے۔ اب شریعت کہتی ہے کہ اب تک تم نے جس بدن کا خیال رکھا، اب اس کے پھوڑے سے گند نکالنے کے لئے تم اس پھوڑے پر چھری (نشتر) بھی چلاؤ۔ چنانچہ جن لوگوں کو ایسے پھوڑے نکل آتے ہیں، وہ سرجن کے پاس جاتے ہیں۔ وہ اسے پیسے بھی دیتے ہیں، سرجن ان کے جسم پر چھریاں بھی چلاتا ہے اور اندر سے گند نکالتا ہے۔ پھر ٹھیک ہونے پر وہ سرجن کا احسان بھی مانتے ہیں کہ جی آپ کی بڑی مہربانی آپ نے ہمارے جسم پر چھری چلائی۔ اس احسان ماننے کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ بدن کی اصلاح ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ اصلاح کے لئے کبھی کبھی چھری بھی چلانی پڑتی ہے۔ یہ ایک قانون فطرت ہے۔

ہم لوگ کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں اور ہم پودے اگاتے ہیں۔ ان میں سے بعض پودے بیمار ہو جاتے ہیں۔ ان کو وائرس والا پودا کہتے ہیں۔ اگر اس وائرس والے پودے کو رکھیں تو یہ بیماری سب پودوں میں پھیلنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم

جہاں بھی دیکھتے ہیں کہ یہ بیماری والا پودا ہے تو ہم اس کو اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ ظلم ہے۔ جی یہ ظلم ہرگز نہیں ہے بلکہ باقی پودوں کو اس کے برے اثر سے بچانے کیلئے اس بیمار پودے کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح ایسی صورت حال پیش آسکتی ہے کہ جب مسلمانوں کو کافر کے ساتھ نمٹنا پڑ جائے۔

قتل کی چار صورتیں:

چنانچہ شریعت میں ایسی چار ممکنہ صورتیں ہیں۔

(۱) جب کفار حملہ کر دیں:

قتال کی پہلی ممکنہ صورت یہ ہے کہ ایک کافر ملک، جس کو اپنی طاقت پہ ناز ہے، وہ مسلمانوں کا مخالف ہے اور وہ مسلمانوں کو دبانے اور ان کو محکوم بنانے کے لئے ان پر حملہ کر دیتا ہے۔ جب وہ حملہ ہی کر دیتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اپنا دفاع کرنا ہوگا۔ چنانچہ شریعت نے کہا کہ اگر تم پر کافر حملہ کریں تو

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ (البقرۃ:190)

[جو تم سے قتال کرتے ہیں، تم اللہ کے راستے میں ان سے قتال کرو]

یعنی وہ کون ہوتے ہیں تمہیں مجبور یا مغلوب کرنے والے.....؟؟ تم اللہ کو ماننے والے ہو، اگر ایسی صورت حال پیش آجائے تو پھر تمہیں اس کا بدلہ لینا ہوگا، تمہیں مدافعانہ لڑائی کرنا ہوگی، کون ہوتا ہے تمہارے ملک پر حملہ کر کے تمہیں اپنی آزاد زندگی گزارنے سے محروم کرنے والا۔

یہاں ایک نکتہ سمجھیں کہ اس آیت میں ..... فی سبیل اللہ ..... کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ جو تم سے قتال کرے، تم اس سے قتال کرو۔ نہیں بلکہ فی سبیل اللہ فرمایا اور فی سبیل اللہ کا مطلب ہے ''اللہ کے راستے میں''۔ گویا اس قتال کا مقصد دنیا

کی شان وشوکت اور دنیا کا جاہ وجلال دکھانا نہیں ہے، بلکہ اس لڑائی کا مقصد اللہ کے دین کی سرفرازی ہے۔

شریعت کا حسن وجمال دیکھئے کہ اگر شریعت یہ کہہ دیتی کہ تم ہر وقت لڑو۔ تو یہ عجیب بات ہوتی کہ جی یہ کیسا دین ہے جو محبت و پیار سے رہنے کا سبق ہی نہیں دیتا۔ اور اگر شریعت یہ کہتی کہ وہ تمہیں تھپڑ بھی ماریں تو پھر بھی تم ان کے ساتھ محبت پیار سے رہو، تو لوگ کہتے کہ پتا نہیں کہ یہ کیسا دین ہے جو اپنا جائز حق لینے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ تو شریعتِ مطہرہ نے مدافعانہ لڑائی لڑنے کا حکم دے کر ان دونوں صورتوں میں اعتدال پیدا کر دیا ہے۔

(۲) جب کفار فتنہ کا باعث بنیں:

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کفار فتنہ کا باعث بنیں تو ان کے ساتھ قتال کیا جا سکتا ہے..... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فتنہ کیا ہے؟ ..... جب کافر ایسی صورت حال بنا دیں کہ بندے کے لئے اپنے دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے۔ اسے فتنہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ. (البقرة: 193)

[اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہو جائے]

اور آگے فرمایا:

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (البقرة:193)

[پس اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر سختی جائز نہیں]

جی ہاں! ایسا ممکن ہے کہ اپنے ملک میں رہتے ہوئے بھی دین پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کافر کے پاس طاقت ہے، ٹیکنالوجی ہے، پیسہ ہے، اور وہ کہتا ہے کہ تم کیوں شریعت نافذ کرتے ہو؟ ..... اس کا جواب یہ ہے کہ ملک ہمارا ہے، معاشرہ ہمارا

ہے، جسم ہمارا ہے، ہم اگر اللہ کے حکموں کے مطابق اپنی زندگی گزارنے پر خوش ہیں تو آپ کہاں سے ٹپک پڑے ہمیں مجبور کرنے والے.....؟ تو ایسی صورت حال میں شریعت نے ان کے ساتھ قتال کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۳) جب کفار ظلم کریں:

تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کافر تمہارے ساتھ ظلم کریں تو پھر تم ان کے ساتھ قتال کرو۔ جی ہاں! یہ بھی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کی املاک سے محروم کر دیتے ہیں، ان کے ساتھ ظلم کرتے ہیں، ان کو اپنے گھر میں بھی رہنے کا حق نہیں دیتے اور ان کے اپنے گھر سے بھی بے دخل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر ظلم کا معاملہ ہوگا تو پھر بھی تمہیں ان کے ساتھ ٹکرانے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ

(الحج :39)

[جن مسلمانوں سے لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں کیوں کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے]

(۴) جب کفار معاہدوں کی خلاف ورزی کریں:

چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر ان کافروں نے تمہارے ساتھ ملکی سطح پر کچھ معاہدے کیے ہوئے تھے۔ وہ ان معاہدوں کی خلاف ورزی کریں تو پھر تم ان کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹو۔ انہیں معاہدے توڑنے کا حق کیسے پہنچتا ہے۔ جب بنو قریظہ نے اپنا معاہدہ توڑا تو نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور فرمایا کہ تم اتنی جلدی پہنچو کہ

لا یصلین احدکم العصر الا فی بنی قریضه

[تم میں سے کوئی بندہ عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک کہ بنی قریظہ نہ پہنچیں]

معلوم ہوا کہ ان چار صورتوں میں اہل ایمان اپنا حق لینے کے لئے اور اپنے دین کی سربلندی کیلئے، اللہ کے راستے میں نکل کر کافروں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جہاد کیلئے ہدایات مخصوصہ:

جب قتال کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو یاد رکھیں کہ شریعت نے اس مسئلے کو شرح وبسط کے ساتھ کھول کر بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر لڑنے کی اجازت مل گئی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ اب تمہارے لئے ہر چیز جائز ہو گئی ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ نظم وضبط اور طور طریقہ وضع کیا گیا ہے، جس کے مطابق قتال کرنا ضروری ہے۔ اب آپ کے سامنے اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

قتال کو بوجھ نہ سمجھو:

مسلمان چونکہ بنیادی طور پر محبت و پیار اور حسن اخلاق کی زندگی گزارنے والا ہے، اس لئے جب ایسے بندے کو کہا جائے کہ تم قتال کرو تو اس کی طبیعت پہ بوجھ پڑتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ . (البقرة:216)

[تمہارے اوپر قتال کرنا فرض کر دیا گیا ہے اور یہ تمہاری طبیعتوں پر بوجھ ہے، اور ایسا ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو، حالانکہ تمہارے لئے اس چیز میں بھلائی ہو]

تو ایمان والوں کو ایسی صورت حال میں برانگیختہ کیا گیا کہ اب تمہیں یہ کام کرنا پڑے گا۔ گو کہ تم بڑے اچھے اخلاق والے ہو، احسان کا معاملہ کرنے والے ہو، عدل و انصاف کی زندگی بسر کرنے والے ہو، لوگوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنے والے ہو، تم والصلح خیر کے مصداق زندگی گزارنے والے ہو لیکن اب چونکہ ایسی صورت حال پیش آ گئی ہے۔ اس لئے اب تم اللہ کے راستے میں نکلو اور تم قتال کرو۔

کفار کو سزا دینے کا خدائی نظام:

یہ بھی بتا دیا گیا کہ اس قتال کرنے کا مقصد کیا ہے۔ فرمایا کہ یہ قتال ان لوگوں کو سزا دینے کیلئے ہے جو تمہاری زندگی میں دخل اندازی کر کے تم پر ظلم کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ

(توبہ: 14)

[تم ان کے ساتھ قتال کرو، تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے، ان کو ذلیل کرے اور ان کے مقابلے میں تمہاری مدد فرمائے]

سبحان اللہ! شریعت کا کتنا حسن ہے کہ قتال کرنے کا مقصد بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہیں ہاتھوں سے کافروں کو عذاب دلوائے گا، انہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ اور ان کے مقابلے میں تمہاری ایسی مدد کرے گا کہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

مسلمانوں کو کمزور کرنے کی سازشیں:

قتال میں پیش آنے والی ممکنہ صورتوں کو بھی بیان کر دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا کہ اس قتال کو کرنے میں تمہاری جانیں بھی جائیں گی اور تمہارا مال بھی لگے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ o

(البقرة: 272)

[اور جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مومن کو اپنے دفاع کے لئے مضبوط نہیں، بلکہ اضبط بن کر رہنا چاہیے، تاکہ کافروں کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ مسلمان لوہے کے چنے ہیں اور ان کو چبانا کوئی آسان کام نہیں ہے لہٰذا تم اپنے دفاع کو اضبط بنانے کیلئے جتنا خرچ کر سکتے ہو، کرو۔

بعض اوقات کافروں کی یہ پالیسی ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو عار دلاتے ہیں کہ تم تو لڑتے رہتے ہو، تم تو بڑے Rough اور Tough (سخت مزاج) ہو، تمہیں تو مل جل رہنا ہی نہیں آتا۔ مگر اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو مضبوط نہ کریں اور کافر اپنے آپ کو مضبوط بناتے رہیں، اور جب وقت آئے تو کافر مسلمانوں کی گردن دبا دیں۔

موجودہ دور میں بھی کافر یہی کہتے ہیں کہ ہم یہ ہتھیار بنا سکتے ہیں، لیکن آپ نہیں بنا سکتے۔ پیسے ہمارے لگتے ہیں، دماغ ہمارا خرچ ہوتا ہے، تم کون ہوتے ہو ہمیں روکنے والے کہ تم نہیں بنا سکتے۔ اگر تم لوگوں نے ہتھیار بنا لئے ہیں تو کیا ہمیں اپنا دفاع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جب یہاں فرنگی حاکم تھا تو اس نے مسلمانوں کے اندر سے جذبہ جہاد ختم کرنے کیلئے بھرپور کوشش کی، اس نے لوگوں کو پیسے دے کر کھڑا کیا۔ اس نے بدعقیدہ قسم کے لوگوں کا فتویٰ دلوایا کہ انگریز کے خلاف جہاد جائز نہیں ہے۔ یہ انگریز کی پالیسی تھی۔ تاکہ مسلمان اور زیادہ کمزور ہو جائیں، یہ سوئے رہیں اور ہم مضبوط ہو جائیں اور جب ضرورت پڑے لاٹھی ان کے سر پر

ماریں۔شریعتِ مطہرہ نے ہمیں اس بات سے خبردار کر دیا اور فرمایا:

وَدَّالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَّاحِدَةً (النساء:102)

[کافر اس بات کی تمنا کرتے ہیں کہ اگر تم اپنے اسلحہ اور سامان حرب سے غافل ہو جاؤ، تو وہ ایک ہی مرتبہ تمہارے اوپر چڑھ جائیں گے]

کفار ہم مسلمانوں کو جہاد سے ہٹانے کے لئے بھرپور کوشش کرتے ہیں۔چنانچہ مرزا قادیانی نے فتویٰ دیا کہ انگریز کے خلاف جہاد کرنا جائز نہیں ہے۔اس نے یہ فتویٰ اس لئے دیا کہ وہ خود بھی انگریز کا لگایا ہوا پودا تھا۔اس پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں ، تلوار کار گر
تعلیم اس کو چاہیے ترکِ جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر
باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر
ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام سے محاسبہ یورپ سے درگزر

آج کافر یہی کہتے ہیں کہ تم اپنے باہمی مسائل کو گفتگو اور مذاکرات سے حل کرو۔ان کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس طرح مسلمان اپنے آپ کو دفاع کے لئے تیار ہی نہیں کر سکیں گے۔اور خود کافروں کے لئے سب راستے کھلے ہیں۔وہ خود

چاہے جتنا مہلک ہتھیار بنالیں، ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ کافروں کی ایک چال ہے جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو کمزور اور اپنے زیر تسلط رکھنا چاہتے ہیں۔

آج اگر کوئی مسلمان ملک ایسا ہتھیار بنوائے جس سے ان کو خطرہ ہو تو وہ فوراً پابندیاں لگاتے ہیں۔ وہ سب ..... الکفر ملة واحدة ..... کے مصداق آپس میں اتحاد پیدا کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں، اس پر پابندی لگنی چاہیے۔ چنانچہ وہ اعلان کرتے ہیں کہ

- ہم اس کو امداد نہیں دیں گے،
- قرضے نہیں دیں گے،
- اس سے تجارت نہیں کریں گے،
- اس کو اسلحہ نہیں دیں گے،

وہ یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو طاقتور دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے اور ان کے اندر کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان کمزور رہیں اور ہم طاقتور رہیں، تاکہ ہم اپنی بات منوا سکیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ مسلمان مغلوب ہو کر رہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم مجھ پر ایمان رکھنے والے بندے ہو، اس لئے تم دنیا کے اندر آزادی اور دین کی سربلندی والی زندگی گزارو۔

ائمۃ الکفر کو مارنے کا حکم:

شریعت مطہرہ کی تعلیم یہ ہے کہ تمہاری ان کافروں کے ساتھ مڈبھیڑ ہو جائے تو تم ان کے بڑوں کو مارو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَقَاتِلُوا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ .

(التوبہ: 12)

[تم ان کافروں کے بڑوں کو مارو، ان کے اندر ایمان نہیں ہے، تاکہ وہ باز آجائیں]

کافروں کے بڑوں کو قتل کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ یہی ان خرابیوں کی جڑ ہیں۔

جہاد میں کامیابی کے سنہری اصول:

دین اسلام میں جہاد میں کامیابی کے لیے بہت سے رہنما اصول بیان کیے گئے۔

ثابت قدمی اور ذکرِ کثیر:

اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اگر تمہیں کافروں کے ساتھ لڑنا ہی پڑ جائے تو تمہیں قتال کس کیفیت اور جذبے کے ساتھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ . (الانفال :45)

[اے ایمان والو! جب تمہارا آمنا سامنا کافروں کے ساتھ ہو جائے تو تم ڈٹ جانا اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا، تاکہ کامیابی تمہارے قدم چوم لے]

اتحاد و اتفاق کی ضرورت:

اور آگے ایک راز کی بات بتادی۔ فرمایا:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

(الانفال: 46)

[اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا، اور تم ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جانا، اگر تم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی]

مل کر قتال کرنے کی تلقین:

دین اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ اگر کافروں کے ساتھ قتال کرنے کی نوبت آ ہی جائے تو پھر تم سب مل کر ان کے خلاف کاروائی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ آدھے لوگ کہیں کہ اب دفاع کرنے کا وقت آ گیا ہے اور باقی آدھے کہہ رہے ہوں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ تم پھر آپس میں اس معاملے میں کوئی اختلاف رائے نہ رکھو۔ اگر مل کر ان کا دفاع کرو گے تو برکتیں ہوں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصف:4)

[بے شک اللہ تعالیٰ ایسے بندوں سے محبت فرماتے ہیں جو اللہ کے راستے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر قتال کرتے ہیں]

قتال کرنے کا مقصد:

اس قتال کا لب لباب بھی بتا دیا گیا ہے۔ فرمایا کہ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ تم دنیا میں خون بہا کر فساد مچاؤ، بلکہ ہمارا مقصد اصلاح ہے۔ اگر کافر زیادتی نہ کریں تو تمہیں ان سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ گویا لڑنے کا مقصد بھی سمجھا دیا۔ اور وہ مقصد فساد، فتنہ اور ظلم کو ختم کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ

(البقرة: ۲۵۱)

[اور اگر اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو بعض بندوں کے ذریعے ختم نہ کرواتا تو زمین میں فساد مچ جاتا]

تو معلوم ہوا کہ جہاد کا اصل مقصد زمین سے فتنہ کو ختم کر دینا ہے۔

قصورِ ضعیف:

بعض لوگ کہتے ہیں، جی دیکھو، فلاں بندے نے ہمیں تھپڑ مارا ہے، وہ کتنا ظالم ہے۔ وہ ٹھیک کہتے ہیں کہ تھپڑ مارنے والا برا بھی ہے اور ظالم بھی، لیکن ان سے پوچھا جانا چاہیے کہ تم اتنے کمزور کیوں ہو، اگر وہ تمہیں ایک لگاتا ہے اور آگے سے تم اسے دو لگانے کے قابل ہوتے تو وہ تم پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔

.....ایک صاحب آکر کہنے لگے، حضرت! مجھے بچوں پر بڑا غصہ آتا ہے۔ میں نے کہا، آپ کو ان پر اس لئے غصہ آتا ہے کہ وہ آگے سے کچھ کر نہیں سکتے، تم ذرا کسی بڑے کے سامنے غصہ دکھاؤ، پھر تمہیں سمجھ آجائے .....یہی مثال کافروں کی ہے جو دنیا میں ظلم اور بربریت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں سے بھی یہ پوچھنا چاہیے کہ تم اتنے کمزور کیوں بنے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کرنے کا سوچا۔ تم اتنے مضبوط بن جاؤ کہ وہ تمہارے سامنے آنے سے بھی گھبرائیں۔ اس کو ڈیٹرنٹ Detrent کہتے ہیں۔ Detrent کا مطلب ہے کسی چیز کو بلاک کر دینا، اس کا راستہ روک دینا۔ آج کے زمانے میں ایٹمی ہتھیار ڈیٹرنٹ Detrent کہلاتے ہیں۔ اس لئے جس ملک کے پاس ایٹمی ہتھیار ہو تو دوسرا ملک اس پر حملہ کرتے ہوئے بار بار سوچتا ہے کہ اگر جواب میں انہوں نے بھی ہتھیار چلا دیا تو ہمارا کیا بنے گا۔

جہاد کے لئے قوت جمع کرنے کا حکم:

شریعت نے اس صورت حال میں ایک بہترین اصول بتایا۔ وہ اصول بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الانفال:60)

[اوران سے لڑنے کیلیے جو کچھ قوت تیار کر سکتے ہو کرو]

یہاں قوت سے مراد یہ ہے کہ تم مستقل فوج بناؤ۔ فوج کے تین شعبے ہوں۔ ایک شعبہ زمینی جنگ لڑنے والا ہو، دوسرا شعبہ فضائی جنگ لڑنے والا ہو اور تیسرا شعبہ بحری جنگ لڑنے والا ہو۔ تم اس فوج کو ہر وقت مستعد اور تیار رکھو۔ اس سلسلہ میں جنگی مشقیں کرتے رہو۔ یہ نہ ہو کہ فوج تو تیار ہو جائے اور وہ بیرکوں کے اندر پڑے سوتے ہی رہیں۔ تم جنگی مشقیں اتنی کثرت سے کرو کہ کفران مشقوں کو دیکھ کر دور سے ہی گھبراتا رہے کہ یہ مضبوط لوگ ہیں جو اپنا دفاع کرنا جانتے ہیں اور ہمیں ان کی زندگی میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ اس لئے فرمایا کہ تمہارے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ جتنی قوت جمع کر سکتے ہو کرو۔

اس مقصد کے حصول کے لئے تم اسلحہ کی زیادہ سے زیادہ فیکٹریاں لگاؤ اور تحقیقاتی لیبارٹریاں بناؤ تا کہ تم ان کے اندر نئے نئے اسلحہ اور نئے نئے جنگی طریقوں کے بارے میں تحقیقات کر سکو۔ (اسی طرح دشمن تمہارے جنگی تجربے اور جنگی حکمت عملی سے گھبرائیں کہ یہ ڈاڈھے لوگ ہیں، اس لئے ہمیں ان کے ساتھ پنگا نہیں لینا چاہیے) اور اگر تمہیں گائیڈڈ راکٹ بنانے پڑیں یا لیزر ٹیکنالوجی اپنانا پڑے تو تم ہرگز پیچھے نہ ہٹو، ہم نے تمہیں بھی دماغ دیا ہے۔ لہٰذا تم بھی اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کوششیں کرو۔ جس طرح ایک آدمی مصلے پر بیٹھ کر عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو خوش کر رہا ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی سائنسدان تحقیقاتی لیبارٹری میں بیٹھ کر دین کی سربلندی کے لئے ایسا اسلحہ تیار کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کو خوش کر رہا ہوتا ہے۔

میزائل کی شرعی حیثیت:

اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرمی (جان لو کہ تیر پھینکنا قوت ہے)

جس زمانے میں نبی علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا، وہ زمانہ تیر کا زمانہ تھا۔ اور آج کے زمانے میں اس کا مطلب میزائل ہوگا۔ اس زمانے میں نیزہ اور تیر دور سے پھینکے جاتے تھے اور آج کے زمانے میں چونکہ سائنسی تحقیقات زیادہ ہوگئی ہیں اس لئے اب نیزہ یا تیر پھینکنے سے تو کام نہیں چلے گا، چنانچہ نیزے اور تیر کا بدل میزائل بنے۔ گویا اس زمانے میں اس حدیث میں یہ پیغام مخفی ہے کہ تم بھی میزائل بناؤ۔ بلکہ ایسے میزائل بناؤ جو بین البراعظمی ہوں۔ تم ادھر بیٹھے ہو، اگر کوئی اونچ نیچ دکھاتا ہے تو اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے ایسا تیر (میزائل) پھینکو کہ ان کو سبق آجائے۔

چودہ سو سال پہلے تیر اور تلوار کی جنگ ہوتی تھی۔ عقل تو یہ کہتی ہے کہ طاقت تلوار میں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ کی بصیرت پہ قربان جائیں کہ انہوں نے چودہ سو سال پہلے فرمادیا تھا کہ تمہاری قوت، تیر پھینکنے یعنی میزائل ٹیکنالوجی حاصل کرنے میں ہے۔

آج کے دور میں جب میزائل کا تجربہ ہوتا ہے تو سب لوگ تھوڑے سے وقت کے لئے چپ ہو جاتے ہیں اور پھر بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر میزائل کا تجربہ ہو تو پھر چپ ہو جاتے ہیں۔ ان کو سمجھ لگتی ہے کہ اگر ہم کوئی قدم اٹھائیں گے تو پھر ہمارے گھروں میں بھی کچھ آکر گر سکتا ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ تیر پھینکنے پر تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرما دیتے ہیں۔ ایک تیر بنانے والے کو جنت دی جاتی ہے۔ دوسرا تیر پکڑانے والے کو جنت دی جاتی ہے اور تیسرا اس تیر کو چلانے والے کو جنت عطا کر دی جاتی ہے۔ یہی حکم اب میزائل کے بارے میں بھی ہے۔

تیر کے سائے میں رزق کی تلاش:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

جعل رزقی تحت ظل رمحی.

(میرا رزق تیر کے سائے میں رکھا گیا ہے)

اس حدیث پاک میں پڑھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں۔ آج دنیا کے بڑے بڑے کافر ممالک اسلحہ بناتے ہیں اور غریب اور کمزور ملکوں کو بیچتے ہیں۔ وہ یہ اسلحہ اتنا مہنگا بیچتے ہیں کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کے ایک ایک جہاز کی قیمت ہمارے ملک کے پورے بجٹ سے آدھی ہوتی ہے۔ یوں وہ دو جہاز بیچ کر پورے ملک کے بجٹ کے برابر پیسے لے لیتے ہیں۔ اگر کافر لوگ یہ کام کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں کر سکتے۔ چنانچہ فرمایا کہ تم مسلمان بھی، ایک امت ہو، تم بھی ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنو۔ لہٰذا تم اپنے دفاع کیلئے بھی اسلحہ بناؤ اور اگر ضرورت پڑے تو تم اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی دو۔ کیونکہ تمہارا رزق اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں وہ رزق عطا فرمائیں گے۔

رباط الخیل سے مراد:

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہو سکتا تھا کہ جہاد کے لئے جو قوت جمع کرنے کا حکم ہوا ہے اس سے مراد روحانی قوت ہے یا مادی قوت؟..... چنانچہ اس سوال کا جواب آگے ارشاد فرمایا۔ چنانچہ فرمایا؛

من رباط الخیل (پلے ہوئے گھوڑوں سے) (الانفال: 60)

گویا گھوڑے پالنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہاں گھوڑے پالنے سے یہ مراد ہے کہ تم مادی اسباب کے اعتبار سے اپنے اندر طاقت پیدا کرو۔ چنانچہ

☆ پہلے زمانے میں گھوڑے پلتے تھے اور آج کے زمانے میں طیارے بنتے ہیں۔ یہ آج کے زمانے کے گھوڑے ہیں۔ پہلے گھوڑے دوڑ کر جنگ کرواتے تھے اور آج کے

گھوڑے اڑ کر جنگ کرواتے ہیں ۔ چنانچہ تم اپنے پاس طیاروں کی بڑی تعداد تیار رکھو۔ جب موقع آئے تو یہ طیارے فضا کے اندر چنگھاڑتے ہوئے جائیں اور اس ظالم کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیں کہ اس نے آخر ایسا قدم اٹھایا ہی کیوں؟

☆ بحری بیڑے بناؤ اور سمندری راستے سے جنگ کرو۔ نبی علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی میں سمندر کا سفر نہیں فرمایا۔ مگر حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص سمندری جہاد کرے گا اس کو عام جہاد سے دس گناہ زیادہ اجر ملے گا۔ اس حدیث پاک میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ تم دشمن پر حملہ کرنے کے لئے نئے نئے طریقے تلاش کرو، تم فضائی جنگ بھی کرو، زمینی جنگ بھی کرو اور بحری جنگ بھی کرو۔ بحری جنگ کے لئے بحری بیڑے بناؤ۔ آج یہی مصیبت ہے کہ جس ملک کا ڈنڈا ہے، ذرا سی بات ہونے پر وہ کہتا ہے کہ میں بحری بیڑہ بھیج رہا ہوں۔ اللہ ہی تمہارا بیڑہ غرق کرے۔

☆ زمینی جنگ کرنے کے لئے ٹینک بناؤ۔ ایسے ٹینک بھی بناؤ جو رات کے اندھیرے میں بھی دیکھتے ہوں ۔ یہ اللہ کی عجیب شان ہے کہ انسان نے ایسے ایسے ہتھیار بنا لیے ہیں جو رات کے اندھیرے میں بھی ایسے دیکھتے ہیں جیسے دن کی روشنی میں کوئی دیکھتا ہے۔ اس کو نائٹ ویژن کہتے ہیں۔

☆ کفار سے لڑنے کے لئے تم سیٹلائٹ ٹیکنالوجی بھی حاصل کرو۔ یہ سیٹلائٹ بھی عجیب چیز ہے۔ یوں سمجھیں کہ فٹ بال کی شکل کا ایک چھوٹا سا گیند ہوتا ہے۔ اسے وہ خلا کے اندر بھیج دیتے ہیں اور وہ خلا میں ایسی جگہ جاتا ہے کہ اس ملک کے اوپر کیمرے کی طرح فٹ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آج کافر جب کسی ملک سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس ملک کے اوپر اپنا سیٹلائٹ بھیجتے ہیں ۔ بہت مدت ہوئی، میں ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی تمہارے گھر میں تانک جھانک کرے تو تم چاہو تو اس کی آنکھ پھوڑ دو۔ مجھے اکثر یہ خیال آتا تھا کہ یہ ملک ہمارا ہے اور کافر اس

کے اوپر اپنی آنکھ فٹ کر دیتے ہیں۔ یہ ایسا کیوں کرتے ہیں، ہم اس کی آنکھ کیوں نہ خراب کریں، کیونکہ حدیث پاک میں یہی فرمایا گیا ہے۔ لیکن لوگ کہتے تھے کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ لیکن پچھلے دنوں چین نے ایک تجربہ کیا۔ اس نے خود ہی اپنا سیٹلائٹ بھیجا اور خود ہی اپنے سیٹلائٹ کو تباہ کر دیا۔ اس سے ساری دنیا کے لوگ ڈر گئے کہ اگر یہ اپنا سیٹلائٹ تباہ کر سکتا ہے تو ہمارے سیٹلائٹ بھی تباہ کر دے گا۔ یاد رکھیں کہ جس دن ان کے یہ سیٹلائٹ تباہ ہو گئے انہوں نے خوف سے ہی مر جانا ہے۔ کیونکہ یہ کافر اندر سے اتنے بزدل ہیں کہ موت کا نام سن کر ڈرنے اور کانپنے لگ جاتے ہیں۔ ان کا مطمع نظر یہی ہے کہ مسلمان کمزور رہیں اور ہم پوری دنیا میں اپنی چودھراہٹ قائم رکھیں۔

؎ وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے جسم سے نکال دو

کافر یہی تو چاہتا ہے کہ ان کے اندر سے جذبہء جہاد ختم ہو جائے اور ان میں اللہ کے نام پر قربان ہونے کا جذبہ نہ رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ہمیں فرماتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو اتنا مضبوط کر لو کہ..... ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم ..... اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن تم سے ڈریں کہ ہم نے ان کیساتھ مسئلہ نہیں چھیڑنا۔ وہ یہ بھی کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ ان کو اپنی زندگی گزارنے کا بھرپور اختیار ہے۔

جنگ ایک دھوکہ ہے:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

الحرب خدعة (جنگ ایک دھوکہ ہے)

دھوکے کا مطلب یہ ہے کہ تم ایسی پلاننگ کرو کہ تمہارے دشمن کو اس کا پتہ ہی نہ ہو یعنی تم دشمن کو دایاں ہاتھ دکھاؤ اور بایاں ہاتھ لگاؤ۔ جب اسے لگ جائے تو اسے سمجھ

آجائے کہ اوہو! ادھر سے بھی آپڑا۔ تو فرمایا کہ تم بھی ایسی ٹیکنالوجی حاصل کرو کہ دشمن کو خبر ہی نہ ہو کہ تم کتنے مضبوط ہو۔ اور جب وقت آئے تو تم اسے سرپرائز دو، تاکہ اس کو پتہ چل جائے کہ معاملہ تو کچھ اور تھا۔

جہاد قیامت تک جاری رہے گا:

جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ بات نہیں ہے کہ اب ایسی دنیا آگئی ہے کہ اب جہاد کی ضرورت نہیں رہی۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

الجهاد ماض الى يوم القيامة

[جہاد قیامت کے دن تک جاری رہے]

نفس کے خلاف جہاد، مال کے ساتھ جہاد، علم کے ساتھ جہاد اور بگڑے ہوئے ایسے کفار کے ساتھ جہاد جو مسلمانوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔ آج ایسا وقت آچکا ہے کہ جو بندہ متبع شریعت وسنت بنتا ہے، ان کو وہی دشمن نظر آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے دین کی تعلیمات پر کاربند ہے۔ بھئی! ہماری اپنی زندگی ہے، ہم اسے اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں، آپ ہمیں کیوں اس طریقہ کار سے ہٹاتے ہیں۔ اگر ہٹائیں گے تو یہ فتنہ ہوگا اور ہم فتنے کو ختم کرنے کے لئے لڑتے رہیں گے۔

حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے جہاد کا تذکرہ:

انبیائے کرام میں سے چند انبیاء نے جہاد کیا۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت سے قتال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جہاد کا ذکر یوں کیا:

وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (البقرة: 251)

[اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا]

طالوت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کے ساتھ

مل کر جالوت کا مقابلہ کیا۔ جالوت بڑا ہی جابر اور لحیم و شحیم جسم رکھنے والا بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایسا پتھر پھینکا جو اس کی پیشانی پر لگا اور وہ وہیں مر گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس ظالم و جابر بادشاہ سے نجات عطا فرما دی۔

ایک جہاد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بہت ہی زیادہ بگڑی ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو صاحبزادے سمجھتے تھے۔ ان کو خاندانی تفوق حاصل ہے کہ جی ہم بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ اگر یہ صاحبزادے بگڑ جائیں تو پکے حرام زادے بن جاتے ہیں۔ اور ایسا ہی ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ یہ قتال کے لئے جائیں۔ لیکن انہوں نے آگے سے جواب دیا:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْن . (المائدة: 24)

[آپ اور آپ کا رب جائیں اور قتال کریں ہم تو یہ بیٹھے ہیں]

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاد کا حکم:

اللہ رب العزت نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی جہاد کا حکم دیا۔ چونکہ یہ کامل دین اور آخری شریعت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے امن کے حالات کے احکام بھی دیے اور جنگ کے حالات کے احکام بھی دیے۔ کامل دین تو تبھی بنتا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کے صفاتی ناموں میں سے دو صفاتی نام ایسے ہیں جن میں سے ایک امن کے حالات کی عکاسی کرتا ہے اور دوسرا جنگ کے حالات کی۔ پہلا نام..... اَمَنَةٌ..... ہے، جس کا معنی ہے ''امن کا سبب''۔ اور دوسرا نام..... رسول ملاحم ..... ہے، جس کا معنی ہے، ''گھمسان کی جنگ کرنے والا رسول''۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا ہے..... وملحمة الکبریٰ۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام بہت بڑے بہادر تھے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ ایک دفعہ

مدینہ منورہ میں بہت زور کی آواز آئی۔ رات کا اندھیرا تھا۔ صحابہ کرام آواز سن کر گھبرا گئے کہ یہ کیسی آواز ہے۔ ان میں سے بعض صحابہ کرام جو بڑی جرأت والے تھے، انہوں نے سوچا کہ جا کر دیکھنا تو چاہیے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم اس طرف کو جانے لگے تو ہم نے دیکھا کہ کوئی سوار ادھر سے واپس آ رہا ہے۔ قریب آئے تو ہم نے دیکھا کہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھ کر آیا ہوں، کوئی خطرے والی بات نہیں ہے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بعثت بالسيف حتى يعبد الله لا شريك له

[مجھے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا حتیٰ کہ وہ عبادت کریں اللہ کی جس کا کوئی شریک نہیں]

سیف (تلوار) کی مناسبت سے بھی نبی علیہ السلام کے چند صفاتی نام ہیں۔ مثال کے طور پر.....

.....ذی السیف (تلوار والے)

.....صاحب السیف (تلوار والے)

..... سیف الاسلام (اسلام کی تلوار)

..... سَيْفُ اللّٰهِ الْمَسْلُوْل (اللہ تعالیٰ کی سونتی ہوئی تلوار)

عہد نبوی اور دور حاضر کے کفار میں عجیب مماثلت:

نبی علیہ السلام کے زمانے میں چار طاقتیں تھیں۔

(1) مشرکین مکہ (2) یہودی (3) قیصر (عیسائی) (4) کسریٰ (آتش پرست)

اللہ کی شان کہ آج کے زمانے میں بھی چار طاقتیں ہیں۔ عجیب مماثلت ہے۔

- اس زمانے میں مکہ کے مشرکین تھے اور آج کے زمانے میں ہندو ہیں۔ اس

زمانے میں بھی مشرک ساتھ رہتے تھے اور ہندو بھی اسی براعظم میں یعنی قریب رہنے والا ہے۔

⊙ دوسری طاقت یہود کی تھی۔ وہ یہود ہی مشرکین کو مشورے دیتے تھے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر اکساتے تھے۔ اور آج بھی یہی ہوتا ہے کہ اسرائیل کے یہود ہی ان ہندوؤں کو مشورے دیتے ہیں، ان کے ساتھ جنگی معاہدے کرتے ہیں اور ان کو مسلمانوں کے خلاف تیار کرتے ہیں۔

⊙ تیسری طاقت عیسائیوں کی تھی۔ یہ روم میں ایک بہت بڑی طاقت تھی۔ وہ دور بیٹھ کر اسلام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ آج کے زمانے میں بھی ایک بہادر ملک ہے جو ساری دنیا کا تھانیدار بننا چاہتا ہے۔ وہ بھی دور بیٹھ کر پلاننگ (منصوبہ بندی) کرتا ہے۔ وہ مختلف ملکوں میں بندے خریدتا ہے، اپنے ٹاؤٹ بھیجتا ہے اور ان کو اندر سے کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

⊙ چوتھی طاقت کسریٰ کی تھی۔ آج کے دور میں بھی چوتھی طاقت رشیا (روس) میں کمیونزم کی ہے۔ وہ بھی ایک الگ بلاک ہے۔

مماثلت واقعی عجیب ہے، لیکن کچھ فرق بھی ہے۔ توجہ فرمایئے۔

⊙ نبی علیہ السلام کے زمانے میں مشرک مہمان نواز بھی تھے۔ وہ قول کے بھی پکے تھے۔ وہ پناہ بھی دے دیتے تھے۔ وہ جب کسی کو پناہ دیتے تھے تو پھر مر جاتے تھے یا اپنے کنبے کو قتل کروا دیتے تھے، لیکن پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ مگر ہمارے وقت کا مشرک مہمان نواز تو کیا، بنیا ہے۔ وہ دوسرے کے منہ سے لقمہ بھی چھیننا چاہتا ہے۔ اور امن تو کیا دینا۔ الٹا بات کر کے مکر جاتا ہے۔ آج معاہدہ ہوتا ہے اور کل اس کی خلاف ورزی کر رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا آج کے زمانے کا مشرک زیادہ مکار ہے۔

⊙ یہود بے بہبود بھی آج کے زمانے میں اپنی اسلام دشمنی میں آخری حد کراس کر چکے

ہیں۔قرآن مجید نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا .

(المائدۃ:82)

[تو سب لوگوں سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا]

نبی علیہ السلام کے زمانے میں بھی یہ پرلے درجے کے دشمنان اسلام تھے۔اور آج کے دور میں بھی یہ مسلم دشمنی میں سب سے آگے ہیں۔

◎ عیسائیوں کو بھی یہود نے اپنے پنجے میں لیا ہوا ہے۔علامہ اقبال نے کہا تھا:

فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے

یہود تھوڑے سے ہیں لیکن انہوں نے عیسائیوں کو بھی ایسا ورغلا دیا کہ ان کو بھی مسلمانوں کے خلاف لا کر کھڑا کر دیا۔

ایک غیر خونی انقلاب:

اللہ کے محبوب ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں 27 غزوات کیں اور 56 سرایا بھیجے۔سریہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام کو مہم کے لئے بھیجا اور آپ ﷺ خود تشریف نہ لے گئے ہوں۔اس مناسبت سے نبی علیہ السلام کا ایک صفاتی نام..... صاحب السرایا.....بھی ہے۔ان تمام جنگوں میں دونوں جانب سے مارے جانے والے لوگوں کی تعداد 1048 تھی۔ان میں سے مسلمان 125 تھے، جو شہید ہوئے۔اس کے علاوہ 6000 آدمی قیدی بنے۔گویا یہ ایک غیر خونی انقلاب تھا۔

آپ ذرا اندازہ لگائیں کہ ہمارے ملک میں امن کے دنوں میں ایک ماہ کے اندر اندر ایک ہزار آدمی مر جاتے ہیں۔لیکن نبی علیہ السلام نے دنیا کے اندر جو

انقلاب پیدا فرمایا، اس پورے انقلاب میں جانبین سے صرف 1048 بندے مرے۔ عالمی حالات پر نظر دوڑائیں تو پتا چلتا ہے کہ دنیا میں انقلاب کے دوران لاکھوں بندے مرتے رہے۔ مثلا.....

- جب تقسیم ہند ہوئی تو دو کروڑ بندے مارے گئے۔
- جب جاپان پر حملہ ہوا تو دو شہروں کے جتنے لوگ تھے وہ سب کے سب مر گئے۔
- جب رشیا (روس) کا انقلاب آیا تو ایک کروڑ سے زیادہ بندے مرے۔
- جب فرانس کا انقلاب آیا تو چھپن لاکھ بندے مرے۔

گویا لوگوں کو مولی گاجر کی طرح کتر دیا جاتا ہے، لیکن نبی علیہ السلام نے اتنا پر امن انقلاب برپا کیا کہ فقط 1048 بندے مرے۔ لہٰذا اب اگر کوئی بندہ کہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تو یہ بات قطعاً بے جا ہوگی۔ کیونکہ مقتولین کی تعداد بتاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کے زور سے پھیلا ہے۔

دین کی سربلندی کے لئے قرآن مجید اور لوہے کی افادیت:

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی مدد کرنے کیلئے دو چیزوں کو اتارا:

(۱) قرآن مجید (۲) لوہا

اللہ رب العزت نے ایک ہی آیت میں ان دونوں چیزوں کو ذکر فرمایا۔ قرآن مجید کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

(الحدید: 25)

[اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور ترازوئے عدل بھیجی تا کہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں]

اور لوہے کا ذکر بھی اسی آیت میں فرمایا، گویا ایک ہی بات کا تسلسل ہے۔ فرمایا

وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ. (الحدید: 25)

[اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں سخت جنگ کے سامان اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں تا کہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ بڑا زور آور اور غالب ہے]

تو دین کی سربلندی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور لوہے کو نازل فرمایا۔ لوہے کو دین کی سربلندی کا ذریعہ اس لئے بتایا کہ اس سے تم ہتھیار بناؤ، اس سے تم آلاتِ جنگ بناؤ۔ اور واقعی آج لوہے کی ٹیکنالوجی میں جو قوم سب سے آگے ہے وہی مال و دولت میں بھی سب سے آگے ہے۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا ہے کہ میں نے اس میں بڑے فائدے رکھے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اس سے فائدے حاصل کریں۔ معلوم ہوا کہ اگر صرف قرآن مجید ہوتا تو دین کی پوری سربلندی نہ ہوسکتی۔ اس لئے کہ جو بندہ کافر کے ساتھ لڑ بھی نہ سکتا ہو، وہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزار ہی نہیں سکتا۔

آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب ایک ملک کے لوگوں نے امارت اسلامیہ قائم کی اور یہ چاہتے تھے کہ ہم اس میں دین کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔ مگر جس کے پاس لوہے کی طاقت تھی، اس نے بدمعاشی کرتے ہوئے ان لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنے سے روک دیا اور ان کے بنے بنائے نظام کو ختم کردیا۔

اس سے یہ پتا چلا کہ فقط قرآن مجید دین کی سربلندی کے لیے کافی نہیں تھا، بلکہ اس کے ساتھ کسی اور چیز کی بھی ضرورت تھی۔ وہ چیز لوہا تھی۔ یہ بھی ضروری چیز ہے۔

جیسے دین کا علم حاصل کرنا، دین پر عمل کرنا، دین کی تبلیغ کرنا اور دین کی دعوت کا کام کرنا ضروری ہے، اسی طرح آلات حرب بنا کر اپنے آپ کو مظبوط اور نا قابلِ تسخیر بنانا بھی ضروری ہے، ورنہ کفر غالب آئے گا اور دین کی سربلندی نہیں ہو سکے گی۔

شہید کے لیے چھ انعامات:

مومن کو کہا گیا ہے کہ تم اپنے دل میں شہادت کی تمنا رکھو اور اللہ کے نام پر اپنی جان کو بھی قربان کر دو۔ چنانچہ عمر فاروقؓ دعا مانگتے تھے،

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ

(اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما)

شہید کو اللہ تعالیٰ چھ انعامات عطا فرماتے ہیں۔

(1)..... جب اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو اس کے گرتے ہی اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کے سب گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

(2)..... جب اس کی روح نکلنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مرنے سے پہلے اس کا ٹھکانا جنت میں دکھا دیتے ہیں۔

(3)..... اللہ تعالیٰ شہید کو عذاب قبر اور عذاب محشر سے نجات عطا فرما دیتے ہیں۔

(4)..... قیامت کے دن اللہ تعالیٰ شہید کے سر پر یاقوت کا تاج سجا دیں گے۔

(5)..... اللہ تعالیٰ شہید کو جنت میں 72 خاص حوریں عطا فرمائیں گے۔

(6)..... اللہ تعالیٰ شہید کو 70 گنہگاروں کی شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائیں گے اور وہ ان کو اپنے ساتھ لے کر جنت میں جائے گا۔

؎ شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

مومن کے نزدیک جہاد کا مقصد مالِ غنیمت اور دنیا کی واہ واہ نہیں ہوتی، بلکہ اللہ رب العزت کی رضا مقصود ہوتی ہے۔

شہیدانِ آخرت:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحم فرمایا کہ کچھ لوگوں کے بارے میں فرمادیا کہ تم شہید دنیا تو نہیں، مگر شہید آخرت بنا دیے جاؤ گے۔ چنانچہ احادیث مبارکہ میں ہے کہ

☆ جو زلزلہ وغیرہ کی وجہ سے دب کر مر جائے..... وہ شہید آخرت ہے۔

☆ مسافر حالتِ سفر میں بستر پر مر گیا..... وہ شہید آخرت ہے۔

☆ ایک آدمی اپنی عزت اور مال کی حفاظت کرتے ہوئے مر جاتا ہے..... وہ شہید آخرت ہے۔

☆ جس بندے کو پیٹ کی بیماری ہو اور اسی میں اس کو موت آجائے ..... وہ شہید آخرت ہے۔

☆ جو طاعون کی وبائی بیماری سے مر جائے ..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ ایک آدمی پانی میں غرق ہو کر مرا..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ کوئی آدمی آگ میں جل کر مر گیا..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ عورت بچے کی ولادت کے وقت فوت ہوگئی..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ جس نے صدقِ دل سے اللہ کی راہ میں جان دینے کی دعا کی ہو اور پھر بستر مرگ پر اسے موت آگئی، وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ جو شخص اپنی بیماری میں چالیس مرتبہ

..... لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ.....

پڑھے اور پھر وہ اسی بیماری میں فوت ہو جائے ..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ جو لڑکی کنوارے پن میں فوت ہو جائے ..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ جو طالب علم، علم کی طلب کے دوران فوت ہو جائے ..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ ایسا موذن جو فقط ثواب کے حصول کے لیے اذان دیتا ہے ..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ جو بندہ رات کو باوضو سوئے اور اسی حالت میں وفات پا جائے ..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ جو بندہ جمعہ کے دن وفات پائے ..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ جو آدمی روزانہ ایک سو مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھے ..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

☆ جو آدمی روزانہ پچیس بار .....

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَ فِیْمَا بَعْدَالْمَوْتِ

(اے اللہ! میرے لیے موت میں بھی برکت دے اور موت کے بعد کی زندگی میں بھی)

پڑھے اور پھر گھر میں بستر پر ہی مر جائے ..... وہ بھی شہید آخرت ہے۔

شہید کا مقام:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ (آل عمران: 169)

[اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے ہاں سے رزق دیئے جاتے]

شہید کا خون کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ یہ مردہ دلوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دیتا ہے اور چار دانگ عالم میں اسلام کے پھریرے بلند کرنے میں پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی لیے کسی نے کہا،

؎ شہید کی جو موت ہے، وہ قوم کی حیات ہے
شہید کا جو خون ہے، وہ قوم کی زکوٰۃ ہے

☆.....علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ جب شہید کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملک الموت کو فرماتے ہیں، اے ملک الموت! یہ میرے نام پر جان قربان کر رہا ہے، لہٰذا اب تم پیچھے ہٹو، اس کی روح کو میں خود قبض کروں گا۔ چنانچہ اس کی روح کو اللہ تعالیٰ خود قبض فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ!.....اللہ تعالیٰ نے ضابطے ہی بدل دیے۔

☆.....وقت کا ولی ہو، قطب یا ابدال ہو، جب اسے موت آجائے تو اسے نہلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ غسل دینے کے بعد اسے آخرت کی یونیفارم (کفن) پہنانے کا حکم ہے۔ چنانچہ وہ غسل اور کفن کے بعد اللہ رب العزت کے حضور پہنچانے کے قابل ہوتا ہے، لیکن جب شہید کا وقت آیا تو اللہ رب العزت نے ضابطہ ہی بدل دیا.....اے اللہ! کیا شہید کو نہلا دیں؟.....فرمایا، نہیں، یہ تو خون میں نہا چکا ہے، اب اس کو دنیا کے پانی سے نہلانے کی کیا ضرورت ہے.....اے اللہ! کیا اسے یونیفارم (کفن) پہنا دیں؟.....فرمایا نہیں، اس کے کپڑے پر جو خون کے دھبے لگے ہیں، وہ پرنٹ ہمیں اچھا لگتا ہے، وہ ڈیزائن ہمیں اچھا لگتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ اسی لباس میں کھڑا ہو اور میں اپنے بندے کو اسی حالت میں دیکھوں۔

☆.....حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب شہیدوں کو بلایا جائے گا تو

جہاں جہاں بھی شہید موجود ہوں گے وہ آگے کی صفوں میں اللہ تعالیٰ کے قریب آئیں گے۔ حتیٰ کہ اگر کسی شہید کے راستے میں ابراہیم خلیل اللہ بھی کھڑے ہوں گے۔ تو وہ بھی راستہ دے دیں گے تاکہ شہید اس وقت اللہ کی رحمت کے قریب ہو جائے۔

☆..... جب جنتی جنت میں جائیں گے تو ان میں سے کوئی بھی دنیا میں واپس نہیں آنا چاہے گا۔ جس سے پوچھے گے وہ کہے گا کہ تمہاری سڑی ہوئی بدبودار دنیا سے نجات مل گئی ہے۔ لیکن ایک بندہ ایسا ہوگا جو یہ کہے گا کہ اے اللہ! میں دنیا میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ پوچھا جائے گا، تم کیوں واپس جانا چاہتے ہو، وہ کہے گا، اے اللہ! مجھے شہادت کے وقت جو مزہ آیا تھا وہ مزہ مجھے جنت میں بھی نہیں آرہا، لہٰذا مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیں۔

ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلْ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلْ

[پھر میں زندہ کیا جاؤں، پھر میں تیرے راستے میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر تیرے راستے میں قتل کیا جاؤں]

ایک بوسے کی طاقت:

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک جنگ میں اسی (80) مسلمان گرفتار ہو گئے۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہیں ہرقل بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے چاہا کہ میں ان کو قتل کروادوں۔ چنانچہ اس نے ان کو خوف زدہ کرنے کے لئے ایک دو اور بندوں کو قتل کروادیا۔ پھر اس نے ان سے کہا کہ تم ہمارے دین کو قبول کرلو، ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ انہوں نے فرمایا، نہیں..... **فاقض ما انت قاض** (تو جو کرنا چاہتا ہے کرلے)..... میں اپنے دین سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ بالآخر ہرقل نے عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ ان کو لے جا کر قتل کر دیا جائے۔

جب ان کو جلاد پکڑ کر لے جانے لگے تو ان کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ ہرقل بادشاہ کو بتایا گیا کہ یہ بندہ تو رو رہا ہے، لگتا ہے کہ یہ موت سے ڈر رہا ہے۔ آپ اس سے بات کریں۔ یہ آپ کے دین پر آجائے گا۔ چنانچہ جب ہرقل نے بات کی تو جواب میں عبداللہ بن حذیفہ ﷺ نے فرمایا، اے بد بخت! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں، نہیں۔ میرے ذہن میں ایک بات آئی جس نے میری آنکھوں سے آنسو ٹپکا دیے۔ اس نے پوچھا، آپ کے ذہن میں کیا بات آئی ہے؟..... عبداللہ بن حذیفہ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ میری ایک جان ہے، تو مجھے ایک مرتبہ قتل کروائے گا اور یہ جان چلی جائے گی، اے کاش! میرے بدن پر جتنے بال ہیں اتنی جانیں میرے پاس ہوتیں، تم اتنی ہی مرتبہ مجھے قتل کرواتا اور میں اتنی جانیں اللہ کے نام پر قربان کر دیتا۔..... بادشاہ ان کا جواب سن کر بڑا حیران ہوا۔

ادھر سے اس کو حضرت عمر ﷺ کا خط بھی پہنچ گیا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ تم ان مسلمانوں کو چھوڑ دو، ورنہ ہم بھی تم سے نمٹنے کے لئے آرہے ہیں۔ یہ خط پڑھتے ہی وہ اندر سے خوف زدہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ میں ان کو کسی بہانے سے چھوڑ دوں گا۔ لہٰذا عبداللہ بن حذیفہ ﷺ کو پھر بھرے بازار میں لایا گیا۔ ہرقل انہیں کہنے لگا، تم ہمارے دین پر آجاؤ۔ انہوں نے جرأت کے ساتھ فرمایا، میں تمہارے دین پر نہیں آتا۔ پھر ہرقل نے کہا، تم میری پیشانی کو بوسہ دو۔ انہوں نے فرمایا، اے بد بخت! تو اللہ کا باغی اور نافرمان ہے، میں تیری پیشانی پر بوسہ کیسے دوں؟ میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ پھر وہ کہنے لگا، اگر تم میری پیشانی کو بوسہ دو گے تو میں تمہیں بھی چھوڑ دوں گا اور تمہارے ساتھ اسی (80) آدمیوں کو بھی چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ جب اسی (80) ایمان والوں کی جان کا معاملہ آیا تو عبداللہ بن حذیفہ ﷺ آگے بڑھے اور انہوں نے ہرقل کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان سب حضرات کو رہا کر دیا۔

ان کا یہ عمل سیدنا عمر بن الخطاب ﷺ کو اتنا پسند آیا کہ جب یہ مدینہ واپس آئے تو انہوں نے عبداللہ بن حذیفہ ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور فرمایا کہ جب تمہاری اپنی جان کا مسئلہ تھا تو تم ڈٹ گئے تھے اور کہا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا، لیکن اسی (80) ایمان والوں کا مسئلہ آیا تو تم نے اسی (80) ایمان والوں کی جان بچالی، تمہارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند آیا..... بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو چھیڑا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ذرا اس کو دیکھو، یہ کافر کی پیشانی کو بوسہ دینے والا ہے۔ اور وہ سن کر جواب میں کہتے تھے، ہاں بوسہ تو دیا تھا لیکن اسی (80) ایمان والوں کو بھی تو بچایا تھا..... اللہ اکبر! ان کے ایک بوسے میں اتنی طاقت تھی کہ اسی (80) ایمان والوں کو بچایا۔

ادنیٰ اعلیٰ پہ قربان:

دنیا کا ایک دستور ہے کہ ادنیٰ چیز اعلیٰ چیز پر قربان ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

جمادات..... نباتات پہ قربان (نباتات یعنی پودوں کی غذا زمین کے اندر کے نمکیات ہیں)

نباتات..... حیوانات پہ قربان (چارہ حیوانات کھاتے ہیں)

حیوانات..... انسانوں پہ قربان (روزانہ بکرے ذبح ہوتے ہیں اور مرغوں کی ٹانگیں کھینچی جاتی ہیں)

اور انسان..... اپنے رب رحمٰن پہ قربان۔

اس لئے کسی نے کیا خوب کہا،

؎ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مومن اللہ کے حضور اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیتا ہے اور پھر بھی یہ گمان رکھتا

ہے کہ میں حق ادا نہیں کر سکا۔

چند علمی نکتے:

ایک طالب علم ہونے کے ناتے چند ایک علمی نکتے بھی سنتے چلیے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ .

(التوبہ:11)

[بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور اموال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا]

کتنے مزے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سودا کر لیا۔ مگر مفسرین نے اس پر عجیب علمی نکتے لکھے ہیں،

☆ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مالک ہیں۔ اور مالک اپنی چیز کو خود نہیں خرید سکتا، تو پھر یہ بیع وشراء کیسی؟..... مفسرین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس کو مجازاً بیع وشراء کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کو اس جان پر تھوڑے وقت کے لئے اختیار دیا تھا، اور اس اختیار کے زمانے میں وہ اپنی جان کو اللہ کے لئے استعمال کرے تو اللہ نے فرمایا کہ جنت کے بدلے میں تمہاری جان کو خرید رہا ہوں۔ تو اس پر مجازاً بیع وشراء کا نام استعمال ہوا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے ان اللہ اشتریٰ من المومنین فرمایا ہے، من الناس ارشاد نہیں فرمایا۔ اگر من الناس ارشاد فرماتے تو بات سچی نہ ہوتی کیونکہ کافر تو نہیں چاہتا کہ اللہ کے نام پر جان دی جائے۔ صرف ایمان والا ہی اللہ کے نام پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ..... من الناس ..... کا لفظ اس لئے استعمال نہیں فرمایا کہ کہیں

بیع غلط نہ ہو جائے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے جان اور مال خریدا۔ یہ دونوں چیزیں فانی ہیں۔ اور اس کے بدلے میں جنت دی جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فانی چیزوں کی قیمت ہمیشہ باقی رہنے والی چیز کیسے بن گئی۔ یہ کیسا سودا ہوا؟..... تو اس کے جواب میں مفسرین نے فرمایا کہ خریدار کی اپنی ایک حیثیت ہوتی ہے..... مثلاً ایک آدمی فروٹ والی دکان پر جا کر کہتا ہے، جی مجھے ایک کلو سیب دے دو۔ سیب تو چالیس روپے کلو ہوتے ہیں اور وہ اسے پچاس روپے دے کر آجاتا ہے۔ بعض اوقات امیر لوگ اس طرح کرتے ہیں۔ چنانچہ خریدار کی اپنی ایک حیثیت اور مقام ہوتا ہے..... اسی طرح دینے والے نے فانی چیزیں دیں، اے اللہ! تیری عظمت پہ قربان جائیں کہ آپ نے فانی چیزوں کے بدلے میں ہمیشہ باقی رہنے والی جنت عطا فرما دی۔

☆ ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے خرید لیا۔ جبکہ بیع کے لئے بائع اور مشتری دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ کلام ارشاد فرمایا اس وقت یہ بائع (مومن) تو موجود نہیں تھا۔ وہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا، پھر اکیلے میں ہی کیسے سودا ہو گیا؟..... اس پر مفسرین نے جواب دیا کہ جب مربی موجود ہو تو وہ اپنے زیر تربیت بچے کا وکیل بن کر اس کی طرف سے شرعاً سودا کر سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت ہمارے رب ہیں۔ لہٰذا انہوں نے مومن کی وکالت کرتے ہوئے اس کی طرف سے سودا فرما دیا۔

☆ یہاں ایک اور سوال پیدا ہوا۔ کہ مومن سے اللہ تعالیٰ نے جان و مال خرید لیا۔ جبکہ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ (المائدۃ:25)

[میں اپنے اور بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتے]

جب سودا ہو چکا ہے تو پھر انہوں نے یہاں اپنی ملکیت کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ کیونکہ جب بیع ہو جاتی ہے تو پھر چیز دوسرے کی بن جاتی ہے..... مفسرین نے لکھا ہے کہ انہوں نے ..... املك ..... کا لفظ علیٰ سبیل المجاز استعمال کیا ہے، ورنہ حقیقت میں نہ تو مومن کا مال اپنا ہے اور نہ ہی جان اپنی ہے، بلکہ یہ دونوں چیزیں اللہ کیلئے ہیں۔ اگر جان اللہ کے نام پر قربان ہو جائے تو پھر یہ اللہ کا احسان ہے۔

اسلام کے بارے میں کافروں کے چند اعتراضات ہیں ان کے جواب دے کر مضمون مکمل کرتے ہیں۔

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

کافر کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ ایک مرتبہ ایک کافر نے میرے ساتھ بھی یہی بحث کی، وہ کہنے لگا کہ مسلمانوں کے پیغمبر (علیہ السلام) کے ساتھ عمر اور امیر حمزہ جیسے کچھ جنگجو قسم کے لوگ مل گئے تھے اور ان جنگجو لوگوں نے تلوار کے زور پر دنیا میں اسلام پھیلا دیا۔ میں نے اس کے اعتراض کا یہ جواب دیا، مان لیا کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے گرد کچھ جنگجو قسم کے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے، مگر یہ بتاؤ کہ ان جنگجو لوگوں کو کس تلوار نے اکٹھا کیا؟ ..... وہ کہنے لگا، جی! وہ تو مسلمانوں کے پیغمبر (علیہ السلام) کے اخلاق سے متاثر ہو کر ان کے قریب ہو گئے تھے۔ میں نے اسے کہا، یہی وہ اخلاق والی تلوار تھی جس نے ان کے دلوں کو بھی فتح کر لیا تھا۔ اور ان کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کو فتح کروا دیا تھا۔ اس لئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں۔

فتحت المدينة بالاخلاق (مدینہ کو اخلاق کے ذریعے فتح کیا گیا)

نبی علیہ السلام نے اخلاق کے ذریعے انسانوں کے دلوں کو فتح کر لیا تھا۔

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تھا تو کیا صرف 1048 بندے مرنے تھے۔ نہیں، بلکہ تلوار کے ذریعے انقلاب سے تو لاکھوں بندے مرتے۔ جب یہ دین اتنے تھوڑے نقصان پر پوری دنیا میں پھیلا تو معلوم ہوا کہ تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ اخلاق کے زور سے پھیلا ہے۔

کیا مسلمان بنیاد پرست ہوتے ہیں؟

کافر دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ مسلمان بنیاد پرست ہوتے ہیں۔ بنیاد پرست اسے کہتے ہیں جو اپنی بنیادوں پر مضبوط ہو، ہل جل نہ سکے اور پکا رہے۔ بھئی! ہر بندے کو اختیار ہے کہ اس نے زندگی گزارنے کا جو طور طریقہ اپنایا ہو وہ اس پر پکا رہے۔ اس کو Fundamentalist (بنیاد پرست) کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی بنیاد کو نہیں چھوڑتے۔ اس لئے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم Fundamentalist ہیں اور ہم اپنی بنیاد پر مضبوط ہیں۔ تم ہماری بنیادوں کو نہیں ہلا سکتے ہو۔ ان کے اس اعتراض کا جواب دینے کیلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ Islamic Fundamentalist (اسلامی بنیاد پرست) ہیں۔ اور آپ Democratic Fundamentalist (جمہوری بنیاد پرست) ہیں۔ کیونکہ ان کا طریقہ زندگی ''جمہوریت'' ہے۔ اور وہ جمہوریت کو پوری دنیا میں مسلط کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس ملک میں جمہوریت نہیں ہے۔ بھئی! تم جمہوریت کے سفیر کب سے بنے؟ تم اگر اپنے طریقہ زندگی کو دوسروں پر مسلط کرتے ہو تو تم بنیاد پرست نہیں کہلواتے اور مسلمان اپنے دین پر خود عمل کرتا ہے تو اسے بنیاد پرست کہتے ہو۔

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

تو Fundamentalist (بنیاد پرست) کون ہیں؟ جو پوری دنیا کو جمہوریت پر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

کیا مسلمان دہشت گرد ہوتے ہیں؟

کافر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد ہوتے ہیں۔ دہشت گرد کا مطلب یہ ہے کہ یہ موت سے نہیں ڈرتے اور یہ کافروں کو خوف زدہ کرتے رہتے ہیں، ان کی دہشت ہے۔ بھئی! دہشت تو ہے مسلمانوں کی۔ یہ بتائیں کہ شیر کی دہشت ہوتی ہے یا نہیں؟ بالکل ڈر لگتا ہے۔ جنگل کے سب جانور اس سے ڈرتے ہیں۔ اب اگر بندر کہے کہ شیر بڑا دہشت گرد ہے، تو کہیں گے کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے بندر جو بنایا۔ ہم بھی آگے سے یہی جواب دیں گے، ہاں بھئی! مسلمان تو دہشت گرد ہوتے ہیں، لیکن اللہ کے لئے ہوتے ہیں۔ اپنی مرضی کے لئے نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال:60)

[تاکہ اس سے ہیبت پڑے اللہ اور تمہارے دشمنوں پر]

جہاد کے لئے نکلنا کب ضروری ہے؟

جہاد کیلئے نکلنا کب ضروری ہوتا ہے؟..... جب امت کے علماء متفقہ طور پر خروج کا حکم کریں کہ اب سب نے خروج کرنا ہے، تو پھر سب پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ جب تک یہ حالات نہ ہوں اس وقت تک سب پر جہاد فرض نہیں ہے۔ لہٰذا

☆ اگر ایک نوجوان جہاں شادی کرنا چاہتا ہے وہاں شادی نہ ہو اور ادھر سے جواب مل جائے اور وہ یہ کہے کہ میں جہاد پر جا رہا ہوں، میں جا کر شہید ہو جاؤں گا۔ ایسے تو

شہید نہیں ہوتے۔

☆ ایک طالب علم یہ سوچے کہ مجھے سبق تو یاد ہوتا نہیں، فیل ہو جاتا ہوں۔ بالآخر تنگ آکر وہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس روز روز کے سبق یاد کرنے سے جان چھوٹ جائے گی، لہٰذا میں جہاد چلا جاتا ہوں، وہاں جا کر شہید ہو جاؤں گا۔ اس طرح تو شہادت نہیں ملتی۔

☆ ایک ایسا نوجوان جس کی ماں باپ کے ساتھ نہ بنے، غصے میں آجائے تو اسی حالت میں ماں سے کہے کہ میں شہید ہونے کیلئے جا رہا ہوں۔ اس سے شہادت والی سعادت نہیں ملتی۔

جو نوجوان اس قسم کی انفرادی طور پر حرکتیں کرتے ہیں، یہ جہاد نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کی نیت اللہ کے دین کی سربلندی کی نہیں ہوتی۔ جب اللہ کے دین کی سربلندی کا وقت آئے گا تو علمائے کرام اور مفتیان عظام سب سے پہلے اس کا حکم دیں گے۔ یاد رکھنا کہ جب اجتماعی طور پر خروج کا حکم ہوگا تو آپ دیکھیں گے کہ کئی ہم جیسے مسکین بھی سب سے آگے بڑھنے والے ہوں گے۔ یہ جان کس نے دی ہے۔ اللہ رب العزت نے دی ہے۔ اگر اس کے دین کی سربلندی کیلئے اس جان کو قربان کرنا پڑا تو ان شاء اللہ دریغ نہیں کریں گے۔ جب ایسا وقت آئے گا تو پھر کوئی گھر میں بیٹھ سکے گا۔

مَالَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ

(التوبہ:38)

[تمہیں کیا ہوا جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو زمین پر گرے جاتے ہے]

طلباء میں اکثر یہ کنفیوژن ہوتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ادھر چلتے ہیں اور وہاں جا کر کارروائی کرتے ہیں۔ اگر علمائے کرام اجتماعی طور پر ایسی کارروائیاں کرنے کو کہیں

تو پھر ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَقَاتِلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً (التوبہ:36)

[اور تم سب مشرکوں کے ساتھ لڑو جیسے کہ وہ سب تم سے لڑتے ہیں]

چنانچہ جب علماء فتویٰ دیں گے کہ تم سب مل کر کافروں کے ساتھ قتال کرو تو ہم سب مل کر دین کی سربلندی کیلئے قدم اٹھائیں گے۔ جب تک حالات ایسا رخ اختیار نہیں کرتے، طلباء کو چاہیے کہ وہ علم حاصل کرنے پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں اپنے آپ کو خواہ مخواہ کنفیوز نہ کریں۔ ادھر ادھر جا کر کاروائیاں نہ کریں۔ بلکہ ہمیں وہ کام کرنا ہے تو ہمارے اکابر ہمیں بتائیں گے۔ وہ اکابر ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین اور شریعت کی سمجھ عطا فرمائی ہے۔

کیا اسلام انسانوں کو غلام اور باندی بنانے کا سبق دیتا ہے؟

کافر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ اسلام نے غلام اور باندی کا تصور دیا ہے اور انسانوں کو بیچنا سکھایا ہے..... نیا جال لائے پرانے شکاری..... وہ بات کو ایسے بگاڑ کر پیش کرتے ہیں کہ اچھا بھلا عقل والا بندہ دھوکہ کھا جائے۔

غلام اور باندی کون بنتے ہیں؟..... آپ کسی ملک پر حملہ کر دیں تو کیا وہاں کے سب مرد غلام اور سب عورتیں باندیاں بن جاتی ہیں؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کیلئے آتے ہیں، مرد ہوں یا عورتیں، اور میدان جنگ میں وہ گرفتار ہوئے ہیں تو وہ جنگی قیدی کہلاتے ہیں۔ ان جنگی قیدیوں میں سے جو مرد ہیں وہ غلام بنیں گے اور جو عورتیں ہیں وہ باندیاں بنیں گی۔

جنگی قیدیوں سے سلوک کی تین صورتیں:

اب ذرا غور سے سنیں کہ اس کے پیچھے اس کی لاجک کیا ہے۔ جنگی قیدیوں سے سلوک کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) قتل کر دینا:

جب جنگی قیدی ہاتھ آئیں تو ان کو جینے کا حق ہی نہ دیا جائے۔ دنیا والے تو ان کو قتل ہی کروا دیتے ہیں، یا پھر ان کو کھانے میں سلو پوائزن (تھوڑی مقدار میں زہر) دے دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ ان کو پاگل بنا دیتے ہیں، یا ان کو کوئی ایسی بیماری لگ جاتی ہے جس سے وہ مر جاتے ہیں، یعنی وہ زندگی گزارنے کے قابل نہیں رہتے۔ اگر وہ زہر نہیں دیتے تو پھر ان کو اتنی دردناک سزائیں دی جاتی ہیں کہ سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آپ نے سن ہی لیا ہے کہ اس دور میں جنگی قیدیوں کو کیسی کیسی سزائیں دی گئیں۔ آج کے مہذب ملکوں نے ان کے ساتھ کیسا حیوانوں والا سلوک کیا، ساری دنیا اس سے بخوبی واقف ہو چکی ہے۔

(۲) آزاد کر دینا:

دوسری صورت یہ ہے کہ ان کو آزاد کر دیا جائے۔ شریعت کہتی ہے کہ نہ پہلی صورت ٹھیک ہے اور نہ یہ صورت ٹھیک ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ بندوں کو مارنا مقصد نہیں ہے۔ اس لئے ان جنگی قیدیوں کو زہر کیوں دیتے ہو، ان کو بجلی کے جھٹکے کیوں دیتے ہو، تم ان کو مار دو گے تو مقصد پورا نہیں ہوگا۔ اور آزاد بھی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو آئے ہی جنگ کرنے کیلئے ہیں..... یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک جج اپنی ساس سے بہت تنگ تھا۔ اس کے پاس ایک مقدمہ آیا کہ ایک نوجوان نے اپنی ساس کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ جج تو اپنی ساس سے بھی تنگ تھا، لہٰذا جب مقدمہ چلا تو

وہ آخر میں فیصلہ دیتے ہوئے کہنے لگا، بھئی! کیس پوری طرح کلیئر نہیں ہے، اس لئے مجرم کو ایک موقع اور دیا جاتا ہے..... اگر ان کو آزاد کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہیں مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کا جانی و مالی نقصان کرنے کا ایک موقع اور دے دیا۔ اس لئے شریعت کہتی ہے کہ یہ دونوں صورتیں قابل عمل نہیں ہیں۔ ہاں، ائمۃ الکفر قسم کے لوگوں کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ جیسے نبی علیہ السلام نے بعض ایسے دشمنوں کو قتل کروا دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو جنگی قیدی ہاتھ آ جائیں ان کو قتل ہی کر دیا جائے۔

(۳) جنگی قیدیوں کی اصلاح کرنا:

شریعت مطہرہ نے جنگی قیدیوں کے بارے میں ایک اصلاح کا راستہ متعارف کروایا۔ کیونکہ دین اسلام اصلاح کو پسند بھی کرتا ہے۔ اور اس کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ چنانچہ شریعت نے ان کی اصلاح کا طریقہ بھی بتا دیا۔ فرمایا کہ تم ایک ایک جنگی قیدی ایک ایک مومن کے حوالے کر دو، اور یہ جنگی قیدی اس مومن کا خادم بن کر رہے گا۔ اس خادم کے لئے ''غلام'' کی اصطلاح قائم کی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حسن سلوک کی تعلیم بھی دی گئی کہ جو خود کھاؤ گے وہی ان غلاموں کو بھی کھلاؤ گے، جیسا خود پہنو گے ویسا ان کو بھی پہناؤ گے، اور اگر تم ان کو آزاد کرو گے تو ہم تم سے خوش ہو جائیں گے۔ ان جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا مقصد یہ تھا کہ جب وہ مسلمانوں کے گھروں میں رہ کر ان کے رہن سہن، لین دین اور اچھے اخلاق کو دیکھیں گے تو ان کے دل خود بخود دین اسلام کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ اس طرح ان کی اصلاح ہو جائے گی۔ اب بتائیں کہ اصلاح کے راستے کو پسند کرنا اچھا ہے یا جان سے مار دینا اچھا ہے؟ اصلاح کا راستہ اچھا ہے۔

غلاموں کی عظمت:

وہ لوگ جو غلام تھے اور مسلمانوں کے ساتھ رہ کر انہوں نے دین کو قبول کر لیا، وہ بعد میں اپنے اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ بنے۔ مثال کے طور پر.....

غلام فقہائے اسلام:

مختلف صوبوں میں فتویٰ دینے والے مفتی موجود ہوتے تھے۔ ان میں سے بارہ صوبوں میں سے گیارہ صوبے ایسے تھے جن کے بڑے مفتی اپنے وقت کے غلام تھے۔

مثلاً

مکہ میں.....عطا ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ

یمن میں.....طاؤس رحمۃ اللہ علیہ

یمامہ میں.....یحیٰ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

شام میں.....مکحول رحمۃ اللہ علیہ

عراق میں.....میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ

خراسان میں.....ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ

بصرہ میں.....حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور

کوفہ میں.....ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ

یہ سب وہ لوگ تھے، جو غلام تھے انہوں نے مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا، پھر دین کو پڑھا اور دین کے فقہا بنے۔

غلام.....موالیءِ اسلام:

اگر غلام کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو مولیٰ کہتے ہیں۔ اس کو آقا بھی مولیٰ کہہ دیتے ہیں اور اگر آزاد کر دیا جائے تو اس کو بھی مولیٰ کہتے ہیں۔ اب سنیے کہ

مدینہ کے سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ .....ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے مولیٰ

حسن بن حسن الیسار رحمۃ اللہ علیہ .....حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مولیٰ

امام محمد ابن سیریں رحمۃ اللہ علیہ .....حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مولیٰ

عکرمہ رضی اللہ عنہ.....حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مولیٰ

ابوزبیر مسلم بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ .....حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے مولیٰ

امام مکحول رحمۃ اللہ علیہ .....بھی مولیٰ

یزید بن ابی الحبیب رحمۃ اللہ علیہ .....بنوازد کے مولیٰ، اور

عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ .....قریش کے مولیٰ

یہ سب مشائخ اور علماء کون تھے؟ ..... یہ وہ لوگ تھے جو جنگی قیدی تھے مگر انہوں نے مسلمانوں کے معاشرے میں ان کا خادم بن کر زندگی گزار دی اور وہ ان کی زندگی سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے کلمہ پڑھا، پھر دین پڑھنا شروع کیا اور اپنے وقت میں انہوں نے دین کے آفتاب اور ماہتاب بن کر زندگی گزاری۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:

نبی علیہ السلام نے غلاموں کیساتھ بہت ہی حسن سلوک کا حکم دیا۔ اس کی بھی مثالیں سن لیجئے۔ تاکہ پتہ چلے کہ کفر جو یہ بات کرتا ہے یہ کتنی زہریلی بات ہے، جبکہ اسلام نے ان جنگی قیدیوں کا بہترین حل پیش کیا ہے۔

نبی علیہ السلام کی گود میں دو بچے ہیں۔ ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے نواسے حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ۔ اگر اسلام نفرت، عداوت اور کینہ سکھاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں بچوں کو اپنی گود میں اکٹھا نہ بٹھاتے۔ اپنے نواسے کو گود میں بٹھاتے اور غلام کے بیٹے اسامہ کو نیچے کھڑا کرتے۔ اس کو جوتوں میں بھی نہ بٹھاتے۔ لیکن نبی علیہ السلام نے ان دونوں کو ایک ہی وقت میں گود میں بٹھا کر عجیب بات کہی فرمایا؛

''میں ان دونوں بچوں سے محبت کرتا ہوں، جو ان دونوں سے محبت کرے گا، اللہ! تو اس بندے سے محبت فرما''۔

سبحان اللہ!.....رحمت للعالمین ﷺ نے رحمت ہونے کا حق ادا کر دیا۔

غلاموں کے سر پر امامت اور بادشاہت کا تاج:

ان غلاموں پر مسلمانوں کی صحبتِ بابرکت کے ایسے دوررس نتائج مرتب ہوئے کہ ان میں سے کچھ حضرات کو اللہ تعالیٰ نے امامت کا تاج پہنایا اور بعض حضرات کو دنیا کی بادشاہت کا تاج پہنایا۔ اس کی بھی مثالیں سن لیجئے:

☆ حضرت سالم ؓ حضرت حذیفہ ؓ کے غلام، لیکن راہِ ہجرت میں مہاجرین کے امام۔

☆ حضرت زید ؓ غزوہ موتہ میں جعفر طیار ؓ کے امام۔

☆ حضرت صہیب رومی ؓ غلام ہیں، لیکن حضرت عمر ؓ نے شہید ہونے سے پہلے لکھا کہ نیا خلیفہ منتخب ہونے تک مسجد نبوی کی نمازیں صہیب ؓ پڑھائیں گے۔

☆ حضرت عکرمہ ؓ اور حضرت قتادہ ؓ دونوں غلام، لیکن مفسرین کے امام

☆ حسن بصری ؒ کی والدہ باندی تھیں۔ کنیزہ زادے تھے، لیکن صوفیا کے امام

☆ امام نافع ہیں تو غلام، لیکن امام مالک ؒ کے امام۔ نبی علیہ السلام سے عبداللہ بن عمر ؓ، عبداللہ بن عمر ؓ سے ان کے غلام نافع ؓ اور امام نافع ؓ سے امام مالک ؒ احادیث روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اس جیسے اصح ترین رواہ کا سلسلہ اور کوئی نہیں ہے۔ اس کو سلسلۃ الذہب (سونے کی کڑیاں) کہتے ہیں۔ تو جو بھی حدیث پاک نبی علیہ السلام سے عبداللہ بن عمر ؓ امام نافع ؓ اور امام مالک ؒ کے ذریعے سے آئی وہ اصح ترین ہے۔

☆ ذوالیمینین طاہر ہیں تو غلام، لیکن مامون الرشید کے وقت میں پوری فوج کے جرنیل۔

☆ قاہرہ یونیورسٹی (مصر) کا بانی جوہرہ بھی اپنے وقت کا غلام تھا اور اتنی بڑی یونیورسٹی کا بانی اور پرنسپل بنا۔

☆ طارق بن زیاد جو جبل طارق (جبرالٹر) کا فاتح بنا، وہ بھی اپنے وقت کا غلام تھا۔

☆ سلطان محمود غزنوی سبکتگین کے بیٹے تھے اور سبکتگین غلام ابن غلام تھے، مگر محمود وقت کا بادشاہ بنا۔

☆ ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک، غیاث الدین غوری کا غلام تھا۔

سرتاج الانبیاء ﷺ کے غلام کا مقام:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن سے کر دیا۔ غور کیجئے کہ کوئی اپنے غلام کا نکاح اپنے خاندان میں کرتا ہے۔ اگر دین نفرت، عداوت اور کم نظری سے دیکھنا سکھاتا تو نبی علیہ السلام اپنی فرسٹ کزن کو اپنے غلام کے نکاح میں نہ دیتے۔ تو غلام کے نکاح میں دینے کا مطلب یہ ہوا کہ دین اسلام نفرت، دشمنی اور فساد نہیں سکھاتا، بلکہ اصلاح کے لئے زندگی گزارنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔ چنانچہ امن کی حالت میں یہ سلامتی کا دین ہے اور جنگ کی حالت میں یہ اصلاح کا دین ہے۔

سلامتی اور اصلاح کا دین:

دین اسلام امن کی حالت میں سلامتی کا دین ہے اور جنگ کی حالت میں اصلاح کا دین ہے۔ مثال کے طور پر فتح مکہ کے وقت جب مسلمان بیت اللہ شریف

کی طرف آنے لگے تو وہ بدلہ لینے کا بڑا اچھا وقت تھا۔ یہ مکہ کے وہی لوگ جنہوں نے مسلمانوں کو تنگی دی تھی، تکلیف دی تھی، اذیتیں دی تھیں، ان کو جان سے مارا تھا اور جب ہجرت کی تھی تو انہوں نے مسلمانوں کے مکانوں اور دکانوں پر قبضہ کیا تھا۔ یہ ایسے ظالموں اور غاصبوں سے انتقام لینے کا بہترین موقع تھا، مگر اللہ کے نبی ﷺ نے بدلہ تو نہیں لیا، بلکہ فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ لہٰذا

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (آج تم پر کوئی الزام نہیں) (یوسف:92)

اللہ کے محبوب ﷺ نے حکم فرمادیا کہ جو اپنے گھر میں بیٹھا رہے، تم نے اسے قتل نہیں کرنا اور جو ابوسفیان کے گھر میں آجائے اسے قتل نہیں کرنا۔ اس طرح نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی فوج کو رحم دلی کا سبق دیا۔ تو معلوم ہوا کہ دینِ اسلام عام حالات میں سلامتی اور امن کا دین ہے اور اگر کافر مسلمانوں پر ان چار صورتوں میں سے کوئی صورت مسلط کر دیں تو پھر دینِ اسلام اصلاح کا دین ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے پاس جہاد ہے اور کفر کے پاس فساد ہے۔ رحمٰن کیانی نے کیا خوب کہا:

جس نے تلقین کی جس نے تہدید کی
بارہا جس نے لوگوں کو تاکید کی
یاد رکھے یہ میرا ہر اک امتی
تا قیامت جہاں میں کہیں اور کبھی
آدمیت پہ ظلم و ستم ہو اگر
عورتوں کے سوا ہر مسلمان پر
فرض ہے بر بنائے حقوق العباد
الجہاد الجہاد الجہاد الجہاد

اللہ رب العزت ہمیں دین کے اس مستقل شعبے کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرما ئے اور ہمیں دینِ اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ .

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

افضل ترین عبادت:

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ

[میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے]

نماز عبادات میں سے سب سے افضل عبادت ہے۔ حج عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، زکوۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے، روزے گیارہ مہینے کے بعد آتے ہیں لیکن نماز ہر دن میں پانچ مرتبہ ہر بالغ، عاقل مسلمان پر فرض ہے۔ یہ وہ تحفہ ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو معراج کے موقع پر عطا فرمایا۔

شریعت نے حکم دیا کہ جب بچہ سات سال کی عمر کا ہو جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو، یعنی اسے نماز پڑھانا شروع کر دو، اور جب دس سال کی عمر کا ہو جائے تو اس پر

سختی کرو اور اسے نماز پڑھاؤ۔

اس نماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو بھی حرام فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ (المائدة : ۹۱)

[شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہاری آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوادے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے]

نماز کی مرکزی حیثیت:

ایک اصول کی بات یاد رکھیں کہ مومن کی زندگی نماز کے گرد گھومتی ہے اور کافر کی زندگی کھانے کے گرد گھومتی ہے۔ مومن اپنی زندگی کا جو بھی ٹائم ٹیبل بناتا ہے اس میں نماز کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی روزانہ کی زندگی کو دیکھ لیجیے۔ وہ صبح اٹھتے ہی نماز پڑھتا ہے، دوپہر کو کام سے ذرا چھٹی ہوتی ہے تو وہ ظہر کی نماز پڑھتا ہے، عصر کے وقت میں بھی نماز پڑھتا ہے، دن کا وقت ختم ہوتا ہے تو وہ نماز پڑھتا ہے اور رات کو سونے سے پہلے عشاء کی نماز پڑھتا ہے۔ جبکہ کافر کو صبح ہوتے ہی کھانے کی فکر ہوتی ہے۔ پھر دس گیارہ بجے چائے کے ساتھ بسکٹ کھاتا ہے۔ پھر دوپہر کا کھانا کھاتا ہے۔ پھر عصرانے کے طور پر دوبارہ چائے وغیرہ کا دور چلتا ہے اور سونے سے پہلے پھر کھانا کھاتا ہے۔ ہمیں اللہ رب العزت نے صبح سے شام تک اپنے در پر سر جھکانے کا حکم دیا ہے۔ یہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اس لیے ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیئے۔ ہمارے اسلاف نماز کو ہر کام پر ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ نماز کو نہ کہو کہ مجھے کام کرنا ہے بلکہ کام سے کہو مجھے نماز پڑھنی ہے۔

نماز اور مراحلِ زندگی:

زندگی کے مراحل کی مثال ہماری پانچ نمازیں ہیں۔

- فجر کی مثال ہمارے بچپن کی مانند
- ظہر کی مثال انسان کی جوانی کی مانند
- عصر کی مثال انسان کے بڑھاپے کی مانند ہے
- مغرب کی مثال انسان کی موت کی مانند ہے اور
- عشاء کی نماز انسان کا نام ونشان فنا ہو جانے کی مانند ہے

کچھ لوگ مر کر بھی کچھ عرصہ تک زندہ رہتے ہیں۔انہیں کون زندہ رکھتے ہیں؟ اپنی اولاد یا زیادہ سے زیادہ ان کی اولاد۔آج کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کو اپنے پردادے کے نام کا پتہ ہی نہیں ہے۔اگر کسی کو پردادے کے نام کا بھی پتہ ہو تو اس سے اوپر تو شاذ و نادر ہی کسی کو پتہ ہوتا ہے۔اکثر و بیشتر کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔اس کا تذکرہ ہی نہیں رہتا۔اس کو کہتے ہیں نام ونشان فنا ہو جانا۔اگر کسی کو کہا جائے کہ اپنے پردادے کے باپ کی قبر دکھاؤ تو وہ قبر کا نشان بھی نہیں دکھا سکیں گے۔نام بھی مٹ گیا اور نشان بھی مٹ گیا۔

نماز اور ارکان اسلام کی جامع عبادت:

نماز تمام ارکان اسلام کی جامع ہے۔یعنی تمام ارکان اسلام نماز کے اندر شامل ہیں۔مثال کے طور پر.....

☆.....جب ہم کلمہ پڑھتے ہیں تو اللہ تعالی کی وحدانیت اور نبی ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں۔یہ شہادتیں نماز کے اندر بھی موجود ہیں۔ہم التحیات میں ان دونوں باتوں کی شہادت دیتے ہیں۔

☆.....آدمی نماز پڑھنے کے لیے حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں سے پاکی حاصل کرتا ہے۔حدث اصغر کا مطلب ہے بے وضو ہو جانا۔جب ایسا آدمی وضو کر لے تو وہ حدث اصغر سے پاک ہو جاتا ہے۔اور حدث اکبر سے پاک ہونے کا مطلب ہے کہ اگر انسان پر غسل فرض ہو تو وہ نہا کر بدن پاک کر لے۔نماز کے لیے ان دونوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔

☆.....نماز میں اللہ کا ذکر بھی ہے.....سبحن ربی العظیم..... اور..... سبحن ربی الاعلی.....اللہ کا ذکر ہے۔

☆.....نماز کے اندر نبی ﷺ پر درود پڑھنا بھی ہے۔ہم نماز میں..... السلام علیك ایھاالنبی.....پڑھتے ہیں۔

☆.....نماز کے اندر دعا بھی ہے۔ہم.....رب اجعلنی .....والی دعا اپنے لیے بھی پڑھ رہے ہوتے ہیں،اپنے والدین کے لیے بھی اور ایمان والوں کے لیے بھی۔

☆.....نماز کے اندر روزے کی صفت بھی موجود ہے۔روزے میں انسان کھا پی نہیں سکتا۔اسی طرح حالت نماز میں بھی انسان کھا پی نہیں سکتا۔

☆.....نماز کے اندر زکوۃ کی صفت بھی ہے۔اپنے مال سے کچھ حصہ جو شریعت نے مقرر کیا ہے اسے اللہ کے راستے میں دینا زکوۃ کہلاتا ہے۔نماز کی حالت میں بھی انسان اپنے وقت کا کچھ حصہ اللہ کے لیے خرچ کر رہا ہوتا ہے۔جس طرح پیسہ خرچ کرنے کی ایک ویلیو ہے اسی طرح ٹائم خرچ کرنے کی بھی ایک ویلیو ہے۔بلکہ آج کے انڈسٹریل (صنعتی) دور میں ٹائم کی ویلیو زیادہ ہے۔نماز کے لیے انسان صاف ستھرے کپڑے پہنتا ہے۔یہ بھی اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی مانند ہے۔

☆.....حج کی حقیقت بھی نماز کے اندر موجود ہے۔مثال کے طور پر.....حج کے دوران انسان احرام باندھتا ہے۔اس کی وجہ سے کچھ چیزیں اس پر حرام ہو جاتی ہیں۔

میاں بیوی کا تعلق قائم نہیں کیا جا سکتا، خوشبو نہیں لگائی جا سکتی، جسم کے بال نہیں کاٹ سکتے۔ ان چیزوں سے انسان رک جاتا ہے۔ اسی طرح نماز کی تکبیر اولیٰ اس احرام کی مانند ہے۔ جب آپ اللہ اکبر کہہ دیں تو پھر آپ نماز کے سوا کچھ نہیں کر سکتے..... حج کے اندر بیت اللہ کا طواف ہے اور نماز کے اندر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ بھی اس کی مانند ہے..... حج کے اندر انسان وقوف عرفات کرتا ہے۔ نماز کے اندر انسان ویسے ہی قیام کی صورت میں کھڑا ہوتا ہے..... حج کے اندر انسان صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے، نماز میں انسان رکوع کرتا ہے، حج میں انسان رمی کرتا ہے اور نماز میں سجود کرتا ہے، یہ بھی اس کی مانند ہے۔..... حج کے دوران انسان منیٰ میں قیام کرتا ہے اور نماز میں التحیات میں بیٹھتا ہے۔..... حج کے آخر میں انسان طواف وداع کرتا ہے اور نماز کے آخر میں دونوں طرف سلام پھیرا جاتا ہے۔ گویا حج کے اعمال کی جھلک بھی نماز کے اندر نظر آتی ہے۔

نماز کے متعلقات کا حسن:

نماز اور نماز کے متعلقات اتنے خوبصورت اعمال ہیں کہ دنیا میں ان کی مثال ہی نہیں ملتی۔ مثال کے طور پر.....

◎..... نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے۔ نماز میں اللہ کی طرف سے ایک منادی ندا دے رہا ہوتا ہے۔ جبکہ عیسائیوں کے گرجے میں سے گھنٹیاں بجتی ہیں۔ لیکن گھنٹیوں کے اندر تو وہ روحانیت، جاذبیت اور حقیقت نہیں ہے جو اذان کے اندر ہے۔ اذان ایک بامعنی چیز ہے۔ اذان دینے والا..... اللہ اکبر..... کہہ کر اللہ رب العزت کی عظمت کو بیان کر رہا ہوتا ہے اور نبی ﷺ کی رسالت کی شہادت دے رہا ہوتا ہے۔ پھر وہ..... حیی علی الصلوۃ..... اور..... حیی علی الفلاح..... کہہ کر نماز کی طرف بلاتا ہے۔

⊙.....اقامت کو دیکھیے جو لوگ مسجد کی طرف آ چکے ہوتے ہیں وہ سب اقامت کے الفاظ سنتے ہی صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جیسے لوگوں کو کسی کام کے لیے فائنل حکم دے دیا جاتا ہے، یہ اقامت ایسے ہی ہے۔ جو آدمی جہاں بیٹھا ہوتا ہے وہ فوراً آ کر صف میں کھڑا ہو جاتا ہے۔

⊙.....صفوں کو درست کرنے میں سپاہیانہ سپرٹ ہے۔ جیسے سپاہی اپنی صف کو سیدھا کرتے ہیں اسی طرح نمازی بھی اپنی صف کو سیدھا کرتے ہیں۔

⊙.....نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، میرا جی چاہتا ہے کہ کسی کو کہوں کہ وہ اذان دے اور جو لوگ گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، میں ان کے گھروں کو جا کر آگ لگا دوں۔ باجماعت نماز پڑھنے کی اتنی اہمیت ہے۔ اس سے مومنین کا آپس میں اتحاد ہے۔ کیونکہ ایک محلّہ کے لوگ پانچ مرتبہ آپس میں ملتے ہیں۔ اس سے کسی کی بیماری کا پتہ چلتا ہے، کسی کی خوشی کا پتہ چلتا ہے اور کسی کے غم کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے ذریعے آپس میں ربط ارتباط بڑھتا ہے۔

⊙.....باجماعت نماز پڑھنے میں ایک امام کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس سے اطاعت امیر کا سبق دیا گیا ہے۔ یعنی جب تم کسی کو امیر متعین کر لو تو پھر تم سب اس کی ایک بات پر لبیک کہو۔

⊙.....کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ اکبر ایک لفظ ہے، کبھی اللہ اکبر کا لفظ سن کر انسان رکوع میں چلا جاتا ہے، کبھی اللہ اکبر کا لفظ سن کر سجدے میں چلا جاتا ہے، کبھی سن کر سجدے سے اٹھ جاتا ہے، کبھی التحیات میں بیٹھ جاتا ہے۔ حالانکہ لفظ ایک ہی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا یہ مطلب ہے کہ شریعت نے یہ کہا ہے کہ تم نے صرف امیر کی اطاعت ہی نہیں کرنی، بلکہ امیر کی منشاء کو بھی پہچاننا ہے۔

⊙.....حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ بعد میں انہوں نے قریش کو جا کر بتایا کہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہے جس پر تم کبھی فتح نہیں پا سکتے۔ انہوں نے پوچھا، کیوں؟ ابوسفیان ﷺ نے فرمایا، اس لیے کہ یہ جماعت صرف اپنے امیر کی اطاعت ہی نہیں سکھاتی، بلکہ امیر کی منشاء کو پہچاننے کا حکم بھی دیتی ہے۔

⊙.....اگر آپ انسان کے پورے دن کے سکیجول کو دیکھیں تو یہ نماز کے گرد گھوم رہا ہے۔ جو اہم کام ہوتے ہیں، انسان صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے ان کی فکر کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ تم صبح کے وقت اٹھو اور نماز پڑھو۔ تمہارے لیے یہ اہم کام ہے۔ پھر بندہ ناشتہ کر کے اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اس کام کاج کے دوران جب کھانے کا وقفہ ہوا تو فرمایا، تم اب کھانا بھی کھاؤ اور ظہر کی نماز بھی پڑھو۔ عام طور پر بندہ عصر کے وقت اپنے کام کاج کو سمیٹ لیتا ہے۔ آپ دیہاتوں میں جا کر دیکھیں کہ لوگ عصر کے بعد مغرب سے پہلے پہلے اپنی دکانیں بند کر دیتے ہیں۔ اس کام کے اختتام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب تم عصر کی نماز پڑھ لو۔ جب مغرب کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا سارا دن صحیح سلامت گزر گیا ہے اور اب رات کی ابتداء ہو رہی ہے لہٰذا اب تم نماز پڑھ لو۔ آپ غور کریں تو اوقاتِ نماز میں اتنی خوبصورتی ہے کہ گویا انسان کی پوری زندگی نماز کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔

تعیینِ قبلہ میں راز:

نماز کے لیے اللہ تعالیٰ نے قبلہ کا تعین بھی فرما دیا۔ یہ بندے پر اللہ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ ہم کبھی اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اگر سمت کا تعین نہ ہوتا تو کوئی مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا، کوئی مغرب کی طرف، کوئی شمال کی طرف اور کوئی جنوب کی طرف۔ اس طرح تمام لوگوں کے اندر یکسوئی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ اب چونکہ ایک سمت مل گئی ہے اس لیے سب لوگ اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

یہاں ایک طالب علم کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا گیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوقات میں سے درندوں کے اندر غصہ زیادہ ہوتا ہے۔شیر اور چیتا جب غصے میں آتے ہیں تو یہ دوسرے جانور یا بندے کو چیر پھاڑ دیتے ہیں۔تو درندوں کے اندر جلال غالب ہوتا ہے۔.....بہائم کے اندر شہوت غالب ہوتی ہے۔بیل، گھوڑے، اور گدھے کے اندر شہوت غالب ہوتی ہے.....شیطان کے اندر مکر غالب ہے۔یہ انسان کے ساتھ مکر کرتا ہے اور اس کو اللہ رب العزت کی نگاہ سے گرانے کی کوشش کرتا ہے.....فرشتوں میں عبادت غالب ہے۔

نماز ایک عبادت ہے اور یہ فرشتوں کی صفت ہے۔وہ ہر وقت عبادت کی حالت میں رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے فرشتے پیدا کیے جو شروع ہی سے سجدے میں ہیں اور قیامت تک سجدے کی حالت میں ہی رہیں گے، جو قیام میں ہیں وہ قیامت تک قیام میں رہیں گے، جو رکوع میں ہیں وہ قیامت تک رکوع میں رہیں گے۔چونکہ عبادت فرشتوں کی ایک غالب صفت تھی اور نماز میں چونکہ انسان عبادت کر رہا ہوتا ہے، اس لیے اس کو فرشتوں کے ساتھ ایک مناسبت دے دی گئی۔وہ اس طرح کہ فرشتوں کا ایک قبلہ ہے جسے بیت المعمور کہتے ہیں۔وہ عرش پر ہے اور اس بیت المعمور کے بالکل نیچے بیت اللہ کو بنایا گیا۔اب دیکھیے کہ قبلہ کے تعین میں کتنی حکمت ہے۔

نماز کے اثرات:

ہر عمل کے اثرات ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ نماز کے اثرات بھی ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر۔

☆.....ارشاد فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط (العنکبوت : 45)

[بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے]

اب یہاں کوئی یہ سوال بھی کر سکتا ہے کہ فلاں آدمی تو نماز بھی پڑھتا ہے اور برے کاموں سے بھی نہیں رکتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی نماز ابھی نماز ہی نہیں ہے۔وہ نماز کی ظاہر صورت تو ہے، مگر اسے نماز کی حقیقت حاصل نہیں ہے۔یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی بندہ یہ کہے کہ میں حکیم ہوں اور کہتا ہوں کہ بادام کا شربت پینے سے آدمی کو طاقت ملتی ہے۔اور اگر کوئی کہے کہ فلاں بندہ شربت بادام پی رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ نہیں وہ شربت بادام ہے ہی نہیں بلکہ اس کا رنگ شربت والا ہے۔بالکل اسی طرح اگر انسان نماز بھی پڑھتا ہے اور بدکاری بھی کرتا ہے تو یہ اس بات کی پکی دلیل ہے کہ اس کی نماز نام کی نماز ہے، شکل کی نماز ہے، حقیقت کی نہیں ہے۔یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کھیتی باڑی کرنے والے لوگ بعض اوقات اپنے کھیتوں کے اندر کوئی ایسی چیز بنا دیتے ہیں جس کو بندے کا لباس پہنا دیتے ہیں تا کہ اس کو دیکھ کر پرندے دور ہی رہیں کہ کوئی بندہ کھڑا ہے، حالانکہ وہ بندہ نہیں ہوتا، صرف بندے کی صورت بنائی ہوتی ہے، حقیقت نہیں ہوتی۔تو جس بندے کو نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے توبہ کی توفیق نہیں مل رہی ہوتی اس کو ابھی نماز کی حقیقت نصیب نہیں ہوئی ہوتی۔اکثر لوگ کہتے ہیں کہ میں نے ٹیکہ لگوایا ہے لیکن اثر نہیں ہوا۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دو نمبر ٹیکہ ہے۔مریض دوائی تو لے رہا ہوتا ہے لیکن وہ بے اثر ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح جو بندہ نماز پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ برے اور فحش کاموں میں بھی لگا ہوتا ہے، یہ اس بات کا کنفرمیٹری ٹیسٹ ہے کہ اس کی نماز روحِ نماز سے خالی ہے اور یہ بے جان جسم کی مانند ہے، صورت کی نماز ہے حقیقت کی نماز نہیں ہے، حاضری ہے حضوری نہیں ہے۔

☆.....نماز کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کے دل کو سکون دیتی ہے۔اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد : 28)

[جان لو کہ اللہ رب العزت کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے]

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ نمازی آدمی کا دل بہت ہی پرسکون ہوگا۔ نماز پڑھنے والے زیادہ پریشان حال نہیں ہوتے، جبکہ بے نماز آدمی ہر وقت پریشان رہتا ہے۔ نماز پڑھ کر انسان کو اپنا آپ بڑا ہلکا پھلکا لگتا ہے۔ تو انسان کو اطمینان قلب کی صفت نماز سے حاصل ہوتی ہے۔

☆.....نماز پڑھنے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کو اس سے فلاح ملتی ہے۔ فرمایا،

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ oالَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَo

(المومنون2.-1)

[تحقیق فلاح پا گئے وہ مومن جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں]

جس بندے کو بھی دنیا میں فلاح اور کامیابی ملتی ہے وہ نمازی ہوتا ہے۔ فلاح کسے کہتے ہیں؟.....

.....ایسی عزت جس کے بعد ذلت نہ ہو

.....ایسی کامیابی جس کے بعد ناکامی نہ ہو

.....اللہ کا ایسا قرب جس کے بعد دوری نہ ہو

یہ فلاح انسان کو فقط نماز سے حاصل ہوتی ہے۔

نماز میں پوشیدہ ثمرات:

نماز کے اندر اتنے ثمرات پوشیدہ ہیں کہ انسان اس کی جامعیت کو دیکھ کر حیران

رہ جاتا ہے۔نماز انسان کو بہت سارے سبق سکھاتی ہے۔مثال کے طور پر.....

نماز اور راحت المسلمین:

نماز انسان کو سکھاتی ہے کہ تم نے مسلمانوں کی راحت کا خیال رکھنا ہے۔آپ حیران ہوں گے کہ نماز کیسے سکھاتی ہے۔.....سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے۔

- نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ جماعت کی نماز میں حاضر ہو اور دیکھے کہ آگے صفیں بنی ہوئی ہیں،اور وہ لوگوں کو تکلیف دینے کی بجائے پچھلی صف میں بیٹھ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوگنا اجر عطا فرما دیتے ہیں۔دیکھیں،اس نے مومنین کی راحت کا خیال کیا اور پچھلی صف میں نماز پڑھی،اللہ تعالیٰ نے اسے دوگنا اجر عطا فرما دیا۔
- ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر انسان جمعہ کی نماز کے لیے آئے اور ان کی گردنیں نہ پھلانگے،یعنی بعد میں آئے اور امام صاحب کے قریب پہنچنے کے لیے لوگوں کو پھلانگ کر آگے پہنچنے کی کوشش نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے جمعہ سے لے کر اس جمعہ تک کے سارے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔
- ایک حدیث پاک میں بڑی وضاحت سے فرما دیا گیا کہ جس شخص کو لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کی عادت ہوگی،اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جہنم کا پل بنائیں گے۔اندازہ کیجیے کہ یہ نماز کا عمل ہے لیکن اس عمل میں تعلیم یہ دی جا رہی ہے کہ تم نے کسی کو تکلیف نہیں دینی،جس کو حقیقت نماز نصیب ہوگی،وہ دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔

نماز اور اجتماعیت:

نماز کے اندر اجتماعیت کا سبق ہے۔اس سے مل جل کے کام کرنے کی تعلیم ملتی

ہے۔آج کی ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہمیں مل جل کے رہنا نہیں آتا۔گھر میں دیکھیں کہ بہن بھائی آپس میں مل کر نہیں رہ سکتے۔خاندان میں دیکھیں کہ اگر اس خاندان میں سو گھر ہیں تو وہ بھی آپس میں مل کر نہیں رہ سکتے۔مل جل کر نہ رہ سکنا، ہماری کمزوریوں میں سے سب سے بڑی کمزوری ہے۔ذرا سی بات پر دو بھائی آپس میں بولنا چھوڑ دیتے ہیں۔جب بچہ جوان ہو جاتا ہے تو یہی سمجھتا ہے کہ اب میں جوان ہو گیا ہوں،لہٰذا اگر اب کسی نے مجھے ڈانٹا تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔یہ کم عقل نوجوان اس حقیقت کو نہیں سمجھ رہا ہوتا کہ

البرکۃ مع اکابرکم

[برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ رہنے میں ہے]

اگر بازو سوچے کہ میں تو جسم کے ساتھ لگ کر قید ہو گیا ہوں، مجھے آزادی ہی نہیں ہے، میں بدن کے بغیر کہیں جا ہی نہیں سکتا۔اگر وہ چاہے کہ مجھے بدن سے الگ کر دیا جائے تو یہ اس بازو کی موت کی دلیل ہے۔جو بازو اپنے جسم سے کٹے گا،اس کے اندر کیڑے پڑیں گے اور پھر اس بازو کو گلیوں کے کتے چوسیں گے اور چچوڑیں گے۔یہی اس نوجوان کا حال ہوتا ہے جو عالم جوانی میں اپنے ماں باپ سے جدا ہو کر الگ گھر بنا لیتا ہے۔

نماز نے ہمیں درس دیا کہ تم اپنے گھر میں اکیلے بھی نماز پڑھ سکتے تھے لیکن اجتماعیت میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی کو کہوں کہ اذان دے اور جماعت کروائے اور جماعت کروائے اور جو لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں، میں ان کے گھروں کو جا کر آگ لگا دوں۔اگر اللہ تعالیٰ اکیلے بندے کی نماز پسند نہیں فرماتے تو پھر اگر کوئی اکیلا رہ کر زندگی گزارے گا تو اللہ تعالیٰ اسے کیسے پسند فرمائیں گے۔اس لیے حدیث پاک میں

آیا ہے کہ جو بیوی بغیر کسی شرعی وجہ کے روٹھ کر چلی جائے، وہ جب تک لوٹ کر اپنے خاوند کے پاس نہیں آئے گی اللہ کے فرشتے اس پر لعنت برساتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اتفاق میں برکت ہے اور نا اتفاقی میں بے برکتی ہے۔ یہ سبق ہمیں نماز سے مل رہا ہے۔

نماز اور امانت داری:

نماز ہمیں امانتداری سکھاتی ہے..... آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ نماز ہمیں امانت داری کیسے سکھاتی ہے..... نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ نماز پڑھتا ہے اور وہ رکوع اور سجود کامل نہیں کرتا، وہ نماز میں چوری کرنے والے کی مانند ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اب یہ عبادت کرنی ہے تو اسے سلیقے سے سرانجام دو۔ ورنہ یہ امانت کو پورا ادا نہ کرنے کی مانند ہے۔ اسی طرح جب ایک عبادت کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے جس میں اونچ نیچ کر لی جائے، تو انسان اگر کاروبار، مال پیسے اور لین دین میں اونچ نیچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کو کیسے پسند کریں گے۔

ایسی اونچ نیچ کرنے والے بندے کو مطفف کہتے ہیں۔ مطفف کا مطلب یہ ہے کہ لیتے وقت پورا لینا اور جب دینے کا وقت آجائے تو کچھ بھی نہ دینے کی نیت کرنا۔ ہم پہلے سوچتے تھے کہ شاید صرف دوکاندار ہی مطفف ہوتا ہے، وہ پیسے پورے مانگتا ہے اور چیز پوری نہیں دیتا۔ مگر اب پتہ چلا ہے کہ صرف دکاندار ہی مطفف نہیں ہوتا بلکہ کچھ اور لوگ بھی مطفف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر۔۔۔۔

- خریدار بھی مطفف ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ مجھے چیز تو صحیح ملے مگر پوری قیمت ادا نہ کرنی پڑے۔

- میاں بیوی میں بھی یہ اونچ نیچ ہوتی ہے۔ بیوی چاہتی ہے کہ خاوند میری زندگی کی ہر خواہش کو پورا کرے اور جب خاوند کی اطاعت کا معاملہ آتا ہے تو پھر وہ نخرے کرتی ہے۔ اس طرح یہ مطفف بن جاتی ہے۔ اور خاوند چاہتا ہے کہ میری بیوی نیک، پاک اور باوفا بن کر حوروں کی صفت والی زندگی گزارے لیکن پھر جب اپنا وقت آتا ہے تو پھر نہ تو وہ بیوی کی ضروریات پوری کرتا ہے اور نہ ہی اسے پوری محبت دیتا ہے۔ اس طرح وہ بھی مطفف بن جاتا ہے۔
- دو بندے مل کر ایک کاروبار شروع کرتے ہیں، ان دونوں میں سے ہر پارٹنر یہ چاہتا ہے کہ مجھے پیسہ تو مل جائے لیکن مجھے کام نہ کرنا پڑے۔

شریعت مطہرہ کا حسن دیکھیے کہ اس نے ایک عام تصور دے دیا کہ مومن امانت دار ہوتا ہے۔ اسی لیے تو حکم فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء :۵۸)

[بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دو]

لہذا نماز کا حق ہے کہ اس میں آدمی ٹھہر ٹھہر کر رکوع وسجود کرے، ورنہ اگر سر سجدے میں رکھ کر فوراً اٹھا لیا، اور رکوع میں جاتے ہی پھر کھڑے ہو گئے تو فرمایا کہ یہ نماز میں چوری کرنے کی مانند ہے۔

نماز اور دفاع:

نماز ہمیں اپنے دفاع کا سبق بھی دیتی ہے۔ اگر دشمن کا خوف ہو تو شریعت نے صلوٰۃ خوف کا مستقل حکم دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ خوف کی حالت میں تم نے نماز کیسے پڑھنی ہے۔ اگر نماز کی حالت میں بھی شریعت نے اپنے دفاع کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے تو عام حالات میں مومن اپنے دفاع کی طرف سے کیسے غافل ہو سکتا ہے۔

نماز اور حق گوئی:

نماز ہمیں حق گوئی سکھاتی ہے.....وہ کیسے؟.....آپ جانتے ہیں کہ اگر امام قرأت کرتے وقت بھول جائے اور غلط پڑھ لے تو پچھلے آدمی اسے لقمہ دیتے ہیں۔تو یہ لقمہ دینے کا شریعت نے جو حکم دیا ہے اس میں یہی کہنا مقصود تھا کہ جہاں حق کی بات آئے گی وہاں تم چپ نہیں رہو گے، بلکہ حق اور سچ بات ضرور کہو گے۔

نماز اور صفائی:

نماز انسان کو صفائی کا بھی درس دیتی ہے۔جو نوجوان نماز نہیں پڑھتے وہ واش روم میں جا کر اپنے بدن کو پاک ہی نہیں کر سکتے۔ان کے کپڑے بھی گندے ہوتے ہیں اور اس کی وہ پرواہی نہیں کرتے، جبکہ شریعت نے حکم دیا ہے کہ

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف :۳۲)

[ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو مزین کیا کرو]

یعنی تم نے مسجد میں آنا ہے اس سے پہلے تم زینت اختیار کرو۔یہ نہ ہو کہ ایک بندہ ہوٹل میں کام کرتا ہو اور آگ کے سامنے کھڑے ہونے کی وجہ سے بو آ رہی ہو، کپڑے پر سالن گرا ہوا ہو، اس کے پسینے کی بھی بو آ رہی ہو اور وہ آ کر اسی حالت میں مصلے پر کھڑا ہو جائے۔شریعت نے کہا کہ تم ان کپڑوں کو اتارو اور نماز والے صاف کپڑے پہن کر نماز ادا کرو، نبی ﷺ نے فرمایا کہ پاکیزہ کپڑا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور جب وہ میلا ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کا ذکر کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

نماز اور ماحول کی پاکیزگی:

نماز ماحول کو پاکیزہ رکھنے کا بھی سبق دیتی ہے۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ کچا پیاز کھائے اور اس کے منہ سے بدبو آئے تو اس کو اجازت

نہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہو۔لیکن آج کے نوجوان اپنے دانتوں کو صاف کرنے کا خیال ہی نہیں کرتے ۔لیکن وہ نہیں جانتے کہ اس طرح بدبو سے مسلمانوں کو اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

اس طرح شریعت کا یہ حکم ہے کہ مسجد کے قریب گندگی کا ڈھیر نہ لگاؤ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے صرف مسجد کو ہی صاف نہیں رکھنا بلکہ مسجد کے اردگرد کے ماحول کو بھی پاک صاف رکھنا ہے۔اور آج کل ہمارا بہترین مشغلہ گند مچانا ہے۔اکثر گھروں میں گندگی مچی رہتی ہے۔شریعت نے فقط بدن کی پاکیزگی کا حکم نہیں دیا بلکہ ماحول کی پاکیزگی کا بھی حکم دیا ہے۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر کوئی بندہ اپنے گھر کے سامنے کے حصے کو اس لیے صاف کرے گا کہ میرے گھر کے آگے سے کوئی بندہ نہ پھسلے،اسے روڑی نہ لگے اور اسے تکلیف نہ پہنچے،تو اسے اس راستے کے صاف کرنے پر اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے گی۔

نماز اور ستر پوشی:

نماز انسان کو ستر چھپانا سکھاتی ہے۔جو لوگ نماز نہیں پڑھتے وہ خود بھی اور ان کے بچے بھی ایسے کچھے پہن کر پھر رہے ہوتے ہیں جس سے ان کا ستر بھی نہیں چھپتا۔ وہ گھر میں بھی یونہی پھرتے رہتے ہیں اور سیر کی نیت سے باہر بھی گھومتے رہتے ہیں۔ وہ شارٹ لباس پہننا پسند کرتے ہیں۔لیکن نمازی آدمی ایسا لباس پہننا کبھی پسند نہیں کرتا۔وہ جب بھی نظر آئے گا وہ پورے لباس میں ملبوس نظر آئے گا۔ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے۔اور جو عورتیں کھلے گلے کے ساتھ ننگے سر پھرتی رہتیں ہیں اور ان کے قمیض کے بازو بھی دو چار انچ کے ہوتے ہیں،وہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہوتی ہیں۔دیکھیں کہ ہمیں نماز کتنی اچھی اچھی باتیں سکھاتی ہے۔

آخرت میں سب سے پہلا سوال:

دنیا میں بھی یہ سب سے اعلیٰ عمل ہے اور جب آخرت میں بھی اللہ رب العزت کے حضور جائیں گے تو سب سے پہلا سوال بھی اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

؎ روز محشر کے جاں گداذ بود
اولین پرستش نماز بود

مومن کی معراج:

اس نماز کی بدولت بندے کو معراج نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کو فرماتے ہیں کہ آپ تہجد پڑھیے،

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل :۷۹)

[قریب ہے کہ (اللہ تعالیٰ) تمہیں مقام محمود میں داخل کرے]

گویا نماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے مقام محمود کا وعدہ فرمایا۔ لہٰذا اگر عام بندے کو بھی اس کی زندگی کی معراج ملے گی تو اسی عمل سے نصیب ہوگی۔ اسی لیے فرمایا..... الصلوۃ معراج المومنین (نماز مومن کی معراج ہے)

نماز اور خوشگوار ازدواجی زندگی:

نماز ہمیں اچھی ازدواجی زندگی گزارنے کی تعلیم دیتی ہے۔ عقل حیران ہوتی ہے کہ بندہ نماز تو مسجد میں پڑھتا ہے پھر اس میں اچھی ازدواجی زندگی گذارنے کی تعلیم کیسے آ گئی؟..... لیجئے اور دل کے کانوں سے سنیئے ..... نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے لیے غسل کرے اور اپنی بیوی کی خوشبو استعمال کر کے مسجد میں آئے اور کسی کو تکلیف نہ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے جمعہ اور اس جمعہ کے درمیان ہونے والے سب گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ وہ اپنی بیوی کی خوشبو تب

ہی استعمال کرے گا جب وہ اس کے ساتھ بولتا ہوگا۔ اور اگر سرد جنگ ہی چلتی رہتی ہو اور شریک حیات کو دکھ دیتا ہو تو وہ خوشگوار ازدواجی زندگی کیسے گزار سکے گا۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا واقعہ سنایا۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ وضو کر رہا تھا اور اہلیہ صاحبہ وضو کروا رہی تھیں ..... بیویاں بڑھاپے میں لاٹھی کی مانند ہوتی ہے..... حضرت نے فرمایا کہ اس دوران مجھے کچھ غلط فہمی ہوئی، یعنی اہلیہ صاحبہ نے اس طرح پانی نہ ڈالا جیسے میں ڈالنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ان کو جھڑک دیا۔ اہلیہ صاحبہ صبر والی تھیں لہٰذا وہ جھڑک سن کر خاموش ہو گئیں۔ پھر جب میں وضو کر کے مسجد کی طرف چلا تو مجھے ایک حدیث پاک یاد آ گئی کہ جو کسی کا دل دکھائے بغیر مسجد میں آئے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور میں تو بیوی کا دل دکھا کر آ رہا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ جماعت کا وقت ہو چکا تھا میں مسجد کے صحن سے واپس اپنے گھر گیا اور جا کر اپنی اہلیہ صاحبہ سے معذرت کر لی اور انہیں خوش کر کے مسجد میں گیا اور پھر سوچا کہ اب میرا اللہ میری اس عبادت سے خوش ہوگا اور اسے قبول فرمائے گا۔

اگر انسان دوسروں کے لیے وبال جان بن کر رہے اور ستائے تو اسے سکون نہیں مل سکتا۔ ازدواجی زندگی میں میاں بیوی کے درمیان خلیج کیوں بڑھتی ہے۔ اس لیے خاوند بیوی سے تنگ آیا ہوا ہوتا ہے اور بیوی خاوند سے تنگ آ چکی ہوتی ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ ہمارے اندر حقیقتِ نماز نہیں ہے، ورنہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بہت ہی پیار محبت کی زندگی گذارتے۔

نماز اور حفاظتِ نظر:

نماز ہمیں حفاظتِ نظر کا سبق دیتی ہے۔ نماز کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم قیام میں ہو تو سجدہ کی جگہ پر نظر رکھو، رکوع کی حالت میں اپنے پاؤں کے انگوٹھوں کے درمیان نظر رکھو، سجدے میں اپنی ناک پر نظر رکھو، اور التحیات کی حالت میں اپنے

دامن پر نظر رکھو۔ جب نماز میں نظر کی پابندی کا اتنا حکم دیا گیا تو کیا زندگی کی نماز میں نظروں کی حفاظت کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا کہ تم محرم کو دیکھ سکتے ہو، لیکن کسی غیر محرم کو للچائی نظروں سے نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن آجکل نوجوان جب گھر سے نکلتے ہیں تو اِدھر بھی دیکھتے ہیں اور اُدھر بھی دیکھتے ہیں۔ سچی بات یہی ہے کہ جیسے شکاری کتا گھر سے نکلتا ہے تو وہ دونوں طرف کی جھاڑیوں کو سونگھتے ہوئے جاتا ہے کہ کہیں کوئی شکار نظر آئے، اسی طرح آج کل کے نوجوانوں کی نگاہ راستہ چلتے ہوئے ادھر بھی سونگھ رہی ہوتی ہے اور ادھر بھی سونگھ رہی ہوتی۔

نماز اور پابندی وقت:

نماز ہمیں پابندی وقت سکھاتی ہے۔ آج ہمارے اجتماعی مسائل میں سے ایک مسئلہ وقت کی پابندی کا نہ ہونا بھی ہے۔ شادیوں میں ہم خود وقت کی پابندی کا خیال نہیں رکھتے۔ ایک بجے کا وقت دیتے ہیں اور کھانا چار بجے شروع کرتے ہیں۔ پروگرام کا وقت تو مغرب کے بعد کا دیا ہوتا ہے اور عشاء کے بعد پروگرام شروع ہوتا ہے۔ لیکن نماز ہمیں درس دیتی ہے کہ جب ایک وقت مقرر کر دیا جائے تو اس وقت پر وہ کام کر دیا جائے۔ نماز میں ہم یہی کرتے ہیں کہ جب جماعت کا وقت ہو جائے تو کسی کا انتظار کیے بغیر جماعت کروادی جاتی ہے۔ اس طرح آدمی دن میں پانچ وقت اپنی گھڑی کو دیکھتا ہے۔ جب آدمی دن میں پانچ دفعہ دیکھ رہا ہے اور اس کا عمل وقت کے ساتھ ہو رہا ہے تو پھر زندگی کے باقی عمل وقت کے ساتھ کیوں نہیں ہوں گے۔

آجکل کے نوجوان کا بہترین مشغلہ اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے۔ جب پوچھا جائے کہ کیا کر رہے ہو، تو وہ کہتا ہے کہ میں ٹائم کل (Kill) کر رہا ہوں، بھئی! تم ٹائم کل نہیں کر رہے ہو بلکہ اپنے آپ کو کل کر رہے ہو۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد

فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی اکثر لوگ ناقدری کرتے ہیں، ایک صحت اور دوسری فرصت۔ وہ ان دونوں نعمتوں کو صحیح استعمال نہیں کرتے جہاں اور جیسے کرنا چاہیے تھا۔ آج نوجوان اپنی جوانیوں کو ضائع کر رہے ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ بات اپنی جگہ پر سو فیصد سچی ہے۔

نماز اور صحبتِ صلحا:

نماز ہمیں نیکوکار لوگوں کی صحبت میں وقت گزارنے کا سبق دیتی ہے۔ جب مسجد میں جائیں گے اور باجماعت نماز پڑھیں گے تو وہاں نیک لوگوں کے جھرمٹ میں جانا نصیب ہو جائے گا۔ جب دن میں پانچ مرتبہ ان سے ملیں گے تو تعلقات بھی انہی سے ہوں گے۔ گویا بندے کو نیکوں کی صحبت میں وقت گزارنے کی خود بخود تعلیم مل گئی۔

نماز اور حقوق العباد:

نماز ہمیں حقوق العباد سکھاتی ہے۔ یہاں آکر طالب علم پھر حیران ہوتا ہے کہ نماز ہمیں حقوق العباد کیسے سکھا رہی ہے، یہ تو اللہ کا حکم ہے اور اللہ کا حق ہے، اس سے حقوق العباد کی تعلیم کیسے ملتی ہے..... سنیے اور دل کے کانوں سے سنیئے ..... نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کے گھر میں جاؤ تو اس کے گھر میں جا کر اس کو نماز مت پڑھاؤ، اگر تمہیں وہاں نماز پڑھنے کی ضرورت آجائے تو صاحب خانہ کو امامت کا حق ہے۔ اب اگر شریعت گھر والے کو امامت کا حق دے رہی ہے تو اس سے پتہ چلا کہ شریعت نے ہمیں حقوق العباد سکھائے ہیں۔ اور فرمایا کہ جہاں جس کا حق ہے وہاں اس کی Respect (عزت) کرو۔

لیکن ہوتا کیا ہے..... بھائی کی شادی ہوتی ہے، وہ اپنے گھر میں رہ رہا ہوتا ہے۔ اس کی بہن آتی ہے اور آکر اس کی بیوی کو ستانا شروع کر دیتی ہے۔ بھئی! جب

اس گھر میں اس بندے کو امامت کا حق حاصل ہے تو اب بھائی کے گھر میں اس کی بیوی کو قیادت کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا اب بہن کو چاہیے کہ اگر وہ بھائی گھر میں جائے تو اپنی بھابھی کے تحت رہے۔

اس طرح بعض اوقات ماں اپنے بیٹے کی زندگی برباد کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کا بیٹا اور بہو زندگی گزار رہے ہوتے ہیں لیکن حکم ماں کا چل رہا ہوتا ہے۔ شریعت نے کہا کہ تم ماں ہو، تمہارا حق اپنی جگہ مسلّم ہے اور بیوی کا حق اپنی جگہ ہے۔ کتنے گھر ایسے ہیں کہ کوئی نوجوان اپنی بیوی کے لیے پھل نہیں لا سکتا۔ ہمیں فون پر یہاں تک شکوے اور شکایتیں ملتی ہیں کہ بہو اپنی ساس کے گھر میں رہتے ہوئے فریج کا دروازہ کھول کر کوئی چیز ہی نہیں لے سکتی ..... ہمیں ان حالات کا سامنا کیوں کرنا پڑا؟ ..... اس لیے کہ ہم نے نماز کو نظر انداز کر دیا ہے۔

نماز اور مساوات:

نماز ہمیں مساوات کا بھی درس دیتی ہے۔ سب اللہ کے بندے ہیں۔ کسی کو رنگ، نسل اور زبان کی وجہ سے ایک دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات:۱۳)

[اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے قبیلے اور ذاتیں اس لیے بنائیں کہ تمہاری آپس میں پہچان ہو سکے، بے شک تم میں سے سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے]

نماز اور صلح جوئی:

نماز ہمیں صلح صفائی کے ساتھ رہنے کا سبق دیتی ہے۔ طلبہ پھر حیران ہوں گے کہ نماز ہمیں صلح صفائی کیسے سکھاتی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ

- .....اگر دو مؤمن کسی بات پر ایک دوسرے سے ناراض ہوں اور تین دن کے اندر اندر آپس میں صلح نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی نمازوں کو قبول نہیں فرماتے۔
- .....اگر بیوی بغیر کسی شرعی وجہ کہ خاوند سے ناراض ہو کر گھر آجاتی ہے تو جب تک وہ واپس خاوند کے پاس نہیں آجاتی، اللہ اس کی نماز قبول نہیں فرماتے۔
- .....جو غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے، جب تک وہ اپنے آقا کے پاس واپس نہیں لوٹتا، اللہ اس کی نماز کو قبول نہیں فرماتے۔ اس لیے کہ شریعت نے کہا..... والصلح خیر (اور صلح بہتر ہے)..... اس میں مل جل کر رہنے کی تعلیم ہے۔

نماز اور شکر:

نماز ہمیں شکر کی تعلیم دیتی ہے۔..... وہ کیسے؟..... وہ اس طرح کہ جو انسان کسی پر احسانات کرے دوسرے کو چاہیئے کہ وہ اس کا شکر گذار ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (لقمٰن : ۱۴)

[یہ کہ میرا بھی شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی]

والدین کی شکر گذاری اس لیے سکھائی کہ انہوں نے ہمیں پروان چڑھایا ہے اس لیے انسان اپنے محسن کا شکر ادا کرے۔ شریعت نے کہا:

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰه

[جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا]

آج کا فر شکر ادا کرنے والا عمل اپنا رہے ہیں لیکن ہمارے اندر یہ مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مجھے ایک مرتبہ پیرس سے نیو یارک جانے کا موقع ملا۔ میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک انگریز خاتون آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ایک بچی تھی جس کی عمر تقریبا دو سال تھی۔ میں کتاب پڑھنے میں مشغول رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایئر ہوسٹس نے کھانا لا کر پیش کیا۔ چونکہ سفر کے دوران اِدھر اُدھر کے کھانے کھانے سے نقصان ہوتا ہے اس لیے میں نے وہ کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ مگر اس خاتون نے کھانا لے لیا۔ چاول پکے ہوئے تھے۔ وہ ایک چمچ میں تھوڑے سے چاول لے کر بچی کے منہ میں ڈالتی اور جب بچی چاول کھا لیتی تو ماں اسے کہتی، Say thank you (کہو، آپ کا شکریہ!)۔ وہ بچی معصوم زبان سے کہتی، Thank you (جی، آپ کا شکریہ) وہ ہر لقمے پر اس سے Thank you (تھینک یو) کہلواتی۔ میں چونکہ قریب ہی بیٹھا تھا اس لیے اگرچہ میں دیکھ نہیں رہا تھا مگر پتہ چل رہا تھا کہ ہو کیا رہا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کھانے کے دوران تقریبا 35 مرتبہ اپنی بچی کی زبان سے Thank you کا لفظ کہلوایا۔ اب یہ بتائیں کہ یہ شکر ادا کرنے والی بات اس بچی کی گھٹی میں پڑ گئی یا نہیں پڑی۔ آپ مجھے بتائیں کہ کونسی مسلمان ماں ہے جو اپنے بچے کو یہ سبق دیتی ہے۔ روایت ہماری تھی اور اسے اپنا غیروں نے لیا اور ہم اس سے محروم ہو گئے۔ آج تو یہ حالت ہے کہ بڑا بھائی باپ بن کر چھوٹے کو پالتا ہے، اس کی شادی کروا دیتا ہے لیکن معمولی سی بات پر چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے ہمیشہ کے لیے بولنا بند کر دیتا ہے۔ ہم خود اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہم نے کبھی اپنے والدین کا شکر ادا کیا ہے۔ نہیں، ہم تو الٹا سر پر سوار ہو کر رہتے ہیں۔ آج کے بچے الٹا نخرے کر کے رہتے ہیں۔ شکر ادا کرنا تو دور کی بات ہے۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسجد بنوا رہے تھے وہاں ایک ایسے

مستری کام کر رہے تھے جو بڑے ہی تجربہ کار تھے۔ ایسا مستری علاقے میں ملتا ہی نہیں تھا۔ وہ مستری حضرت سے سات ہزار روپے ایک ماہ کی تنخواہ وصول کرتا تھا۔ مگر اس نے ساتھ ایک شرط یہ بھی رکھی کہ میرے ایک استاد ہیں اور مجھے ان سے کبھی کبھی مشورہ کرنا پڑتا ہے، لہٰذا آپ میرے استاد کو بھی چار ہزار روپے تنخواہ دیں۔ جب حضرتؒ نے مجھے یہ بات بتائی تو مجھے بڑی عجیب لگی۔

ایک دفعہ وہی مستری صاحب ہمارے پاس بیٹھے تھے۔ ان سے بات چیت کے درمیان میں نے ان سے کہا، مستری صاحب! کام تو چوبیس گھنٹے آپ کرتے ہیں اور آپ کا استاد مہینے میں ایک مرتبہ یہاں آتا ہے اور وہ بھی تنخواہ لینے کے لیے، یہ آپ نے ساتھ کیسی شرط لگائی ہوئی ہے؟ وہ ان پڑھ تھا اور دین دار بھی نظر نہیں آتا تھا، پکا نمازی بھی معلوم نہیں ہوتا تھا، مگر وفا بھی کوئی چیز ہوتی ہے..... وہ کہنے لگا، جی! دراصل بات یہ ہے کہ اس استاد نے مجھے کام سکھایا ہے۔ جب جوانی تھی تو اس نے مجھے فن دیا، آج یہ بوڑھا ہو گیا ہے اور کام بھی نہیں کر سکتا اب اگر اس کی روزی کا میں خیال نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا، مجھے اس کی دعائیں چاہئیں، یہ استاد گھر بیٹھ کر دعائیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ میرے کام میں برکت دے دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بندہ میری عزت کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر میں استاد کا خیال نہ رکھوں تو میں اس کی، دعاؤں سے محروم ہو جاؤں گا اور میرے کام کی عزت ختم ہو جائے گی..... تو شکر ادا کرنے والے یوں وفاداری دکھاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں میں برکت دیتے ہیں۔

خاتمہ بالخیر کی نوید:

نماز پڑھنے والے کو اللہ رب العزت خاتمہ بالخیر کی توفیق بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ باقاعدگی سے مسواک کرتا ہو اور نماز

پڑھتا ہو، اس کو جہاں بہت ساری نعمتیں ملتی ہیں، وہاں ایک نعمت یہ بھی ملتی ہے کہ اس کو آ کر ملک الموت بتا دیتے ہیں کہ تمہاری موت کا وقت آ گیا ہے، اور پھر اس کو کلمہ پڑھنا یاد دلا دیتے ہیں۔.....اللہ اکبر.....اگر ملک الموت آ کر کلمہ یاد دلائے تو پھر کیا ہی بات ہے۔اب آپ خود اندازہ کیجیے کہ نماز نہ پڑھنے سے انسان کتنی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

نمازیں قضا کرنے کا وبال:

حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ

⊙.....جو شخص فجر کی نماز قضا کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی زندگی سے برکت نکال دیتے ہیں، مال ہوتا ہے لیکن اس میں برکت نہیں ہوتی، اولاد ہوتی ہے لیکن وہ فرمانبردار نہیں ہوتی۔آپ غور کریں کہ فجر کی نماز نہ پڑھنے والوں میں اکثر یہ علامات نظر آئیں گی۔بیوی ہوتی ہے مگر وفادار نہیں ہوتی۔

⊙.....جو شخص ظہر کی نماز قضا کرنے کا عادی ہو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے صلحاء کا نور ختم فرما دیتے ہیں.....ایسے لوگوں کے چہرے بے نور ہوتے ہیں۔ان کے چہروں پر بے نمازیوں والی لعنت برس رہی ہوتی ہے۔

⊙.....جو شخص عصر کی نماز قضا کرنے کا عادی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اعمال کی توفیق سے محروم فرما دیتے ہیں.....وہ کہتا ہے کہ میں نیک بننا چاہتا ہوں لیکن ہمت نہیں ہوتی، دراصل اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

⊙.....جو شخص مغرب کی نماز قضا کرنے کا عادی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رزق کی لذت سے محروم کر دیتے ہیں.....السر کا مریض بن جاتا ہے۔گھر میں سب کچھ پکا ہوتا ہے لیکن کچھ کھا نہیں سکتا۔رزق کی لذت ختم ہو جاتی ہے۔ایک خاتون نے مجھے دعاؤں کے لیے فون کیا۔وہ کہنے لگی حضرت! سات سال گذر چکے ہیں، میں ہر اچھا

کھانا پکا کر اہل خانہ اور مہمانوں کو کھلاتی ہوں، لیکن اتنے عرصے میں روٹی کا ایک لقمہ بھی میرے منہ میں نہیں گیا۔

⊙..... جو شخص عشاء کی نماز قضا کرنے کا عادی ہوتا ہے، وہ دنیا اور آخرت میں بے اعتماد سمجھا جاتا ہے..... دنیا میں کئی لوگ ایسے ہیں جن پر دوسرے لوگ اعتماد ہی نہیں کرتے۔ آپ دیکھیں گے کہ جو آدمی عشاء کی نماز قضا کرنے کا عادی ہوگا وہ دنیا میں بے اعتبار ابندہ مشہور ہوگا اور لوگ اس پر اعتماد نہیں کرتے ہوں گے۔

ایک ایک نماز قضا کرنے پر بندہ اتنی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور جو پانچوں نمازیں قضا کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا۔

نماز کی حضوری کیسے؟

ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو نماز کی حضوری کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔ تو اس کا مختصر طریقہ سن لیجیے۔ نماز کی حضوری کے راستے میں کچھ موانع ہیں۔ جب وہ دور ہو جائیں گے تو بندے کو حضوری نصیب ہو جائے گی۔

★..... شریعتِ مطہرہ کہتی ہے کہ جب نماز پڑھنے کا وقت ہو تو تم باہر کے کاموں کو سمیٹ لیا کرو۔ چنانچہ اگر بندے کو واش روم جانے کی ضرورت ہو اور وہ اس تقاضے کے ساتھ ہی نماز پڑھ لے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ وہ پہلے اپنا تقاضا پورا کرے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھے۔ اسی طرح اگر بہت بھوک لگی ہو تو پہلے کھانا کھائے اور پھر نماز پڑھے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ عَشاء اور عِشاء اکھٹے ہو گئے۔ کھانا بھی اور عشاء کی نماز بھی۔ حضرتؒ نے کھانا پہلے کھایا اور بعد میں نماز پڑھی۔ کسی نے اعتراض کیا کہ دیکھو جی، نماز لیٹ کر دی اور کھانا پہلے کھا لیا۔ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے اپنے کھانے کو نماز بنایا ہے، نماز کو کھانا نہیں بنایا۔ یعنی میں بظاہر تو نماز پڑھ رہا ہوتا لیکن ادھر سے مجھے زردہ پلاؤ یاد آ رہا

ہوتا، اس طرح میری نماز کھانا بن جاتی۔ میں نے کھانے کو نماز اس طرح بنایا ہے کہ میں کھانا تو کھا رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل میں یہ بات تھی کہ مجھے اس کے بعد فوراً نماز پڑھنی ہے، چنانچہ مجھے کھانے کے دوران نماز کی فکر رہی، اس طرح میں نے اپنے کھانے کو نماز بنایا لیکن نماز کو کھانا نہیں بنایا..... تو شریعت کہتی ہے کہ تم نماز کے باہر کے تمام موانعات کو ختم کرو اور پھر اللہ اکبر کہہ کر تسلی اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو۔

★..... پھر نماز کے اندر کچھ موانعات ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ بندے کے ذہن میں کچھ خیالات آتے ہیں۔ شریعت نے کہا کہ تم جو کچھ پڑھ رہے ہو اس کی معانی کی طرف دھیان رکھو، اس طرح باہر کے خیالات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ واقعی انسان جو کچھ پڑھ رہا ہوتا ہے اگر اس کے معانی کا دھیان رکھ کر پڑھے تو پھر باہر کا خیال نہیں آتا۔ ہماری نماز تو ایسی ہوتی ہے جیسے پی آئی اے کے مسافر بیٹھے اونگھ رہے ہوتے ہیں اور اسی اونگھنے کے دوران جب جہاز نیچے اترتا ہے اور پہیے زمین پر لگتے ہیں تو پھر اچانک ان کی آنکھ کھل جاتی ہے، ایسے ہی لگتا ہے کہ پوری نماز میں اونگھ رہے تھے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے پر پہیے زمین پر لگ گئے اور آنکھ کھل گئی۔

★..... اگر انسان باہر کے موانعات کو بھی ختم کر دے اور معانی کی طرف بھی دھیان رکھے، اور اسکے باوجود اسے کوئی خیال آئے تو شریعت نے کہا کہ یہ خیال تمہاری نماز کی ترقی کے اندر کوئی رکاوٹ نہیں ہے، تم تو اپنا کام کر رہے ہو، یاد رکھیں کہ وہ خیال اس وقت نقصان دہ ہے جب توجہ نماز سے ہٹ کر اس خیال میں جم جائے۔

آج تو ہماری نمازیں ایسی ہیں کہ امام صاحب نے نماز کا سلام پھیرا اور پوچھا، بھئی! میں نے دو رکعتیں پڑھیں یا چار۔ سارے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے، کسی کو یاد نہیں تھا، کوئی یقین سے بتانے والا نہیں تھا۔ ایک بوڑھے میاں نے کہا،

مولوی صاحب !جی آپ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں۔مولوی صاحب بہت حیران ہوئے کہ اس بوڑھے میاں کو تو بڑی حضوری والی نماز نصیب ہے۔ خیر جب نماز کا اعادہ کرلیا گیا تو امام صاحب نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اللہ آپ کا بھلا کرے، آپ کو پورا یقین تھا کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں، آپ کو تو نماز کی بڑی حضوری حاصل ہے۔اس نے کہا، مولوی صاحب! میرے چار بیٹے ہیں اور وہ چاروں اپنا اپنا کاروبا رکرتے ہیں۔ میں ہر رکعت میں ایک بیٹے کے کاروبار کا حساب کرتا ہوں، ابھی میں نے اپنے دو بیٹوں کے کاروبار کا حساب کیا تھا کہ آپ نے سلام پھیر دیا، اس لیے مجھے یقین تھا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں۔

نماز اور حقائق ثلاثہ:

نماز کے اندر حقائق ثلاثہ ہیں .....لیکن یہ بات میں اس موقع پر کھول نہیں سکتا۔ سالکین کا مجمع ہو تو یہ بتایا جاسکتا ہے کہ نماز کے اندر حقائق ثلاثہ کیا ہیں.....

(۱).....حقیقت قرآن:

فرمایا:

من اراد ان یحدث ربه فلیقرا القرآن

[جو چاہے کہ میں اپنے رب سے گفتگو کروں اس کو چاہیے کہ وہ قرآن پڑھے]

تو قرآن پڑھنا گویا اللہ سے ہمکلامی کرنا ہے۔

(۲).....حقیقت کعبہ:

فرمایا:

مُبَارَکًا وَّ هُدًی لِلْعَالَمِیْن (آلِ عمران : ۹۶)

[بابرکت اور جہان کیلئے باعث ہدایت ہے]

(۳).....حقیقت نماز:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اقرب ما یکون العبد من الرب الصلوۃ

[انسان اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے]

اسی لیے جب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے تو فرمایا..... واقترب (تو قریب ہوجا).....تو انسان سجدے کی حالت میں قریب ہوتا ہے۔

یہ حقائق ثلاثہ کیا نعمت ہیں؟..... یہ مستقل ایک عنوان ہے۔

اہلِ عشق کی نماز:

ایک ہماری نماز ہے اور ایک اہل عشق کی نماز ہے۔اس میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔جن کو اللہ رب العزت سے محبت ہوتی ہے ان کی نماز اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عشق والوں کو تین چیزیں مطلوب ہوتی ہیں۔

(۱) محبوب سے ہم کلامی (۲) محبوب کا بے پردہ دیدار (۳) محبوب سے ملاقات

★.....ان کے عشق کا لب لباب ہی یہی ہوتا ہے۔نماز کے اندر یہ تینوں صفتیں موجود ہیں۔نماز میں انسان نے تلاوت کی تو اسے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی مل گئی۔نماز میں نیت باندھ کر کھڑا ہوا، تو اس کے بارے میں فرمایا، ان تعبداللہ کانك تراہ (تم اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم دیکھ رہے ہو).....اور اہل عشق اس کیفیت کو حاصل کرتے ہیں۔اور فرمایا نماز میں انسان اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔اس لیے اہل عشق کی نماز حقیقت کی نماز ہوتی ہے۔چند مثالیں اس کی بھی سن لیجیے:

★.....ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک باندی لی۔رات کو میری آنکھ کھلی تو

وہ تہجد کی نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی..... اللہ! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم! ..... کہنے لگے کہ میں نے اس سے کہا، اے اللہ کی بندی! یہ نہ کہو کہ آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم، بلکہ یوں کہو کہ اے اللہ! مجھے آپ سے محبت رکھنے کی قسم۔ اس پر وہ ناراض ہوگئی اور کہنے لگی، اگر اللہ کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو وہ آپ کو میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے ساری رات مصلے پر نہ جگاتا، اس نے مجھے مصلے پر بٹھایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو مجھ سے محبت ہے۔

★ ..... ایک مچھلی والے کسی آدمی کی تلاش میں تھے جو ان کی مچھلی گھر پہنچادے۔ اسے ایک ایسا آدمی مل گیا۔ اس آدمی نے کہا کہ اگر راستے میں نماز کا وقت ہوگیا تو پہلے نماز پڑھوں گا پھر تمہارا کام کروں گا۔ راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ چنانچہ وہ آدمی نماز پڑھنے چلا گیا اور مچھلی والا مسجد سے باہر کھڑا ہوگیا۔ وہ کوئی تسلی سے نماز پڑھنے والا بندہ تھا۔ مچھلی والا تو یہ چاہتا تھا کہ وہ جاتا اور نماز کی شکل بنا کر واپس آجاتا۔ چنانچہ جب دو چار بندے نماز پڑھ کر نکلنے لگے اور وہ نہ نکلا تو اس نے باہر سے ہی آواز دی، اوئے! تجھے باہر کون نہیں آنے دیتا؟ اس نوجوان نے کہا، جو تجھے اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھے باہر نہیں جانے دیتا۔

★ ..... شیخ عبدالواحدؒ کے سامنے تذکرہ ہوا کہ جنت میں نماز نہیں ہوگی۔ جب حضرت نے سنا تو ان کی آنکھوں میں سے آنسو آگئے۔ کسی نے پوچھا، حضرت! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا، جب جنت میں نماز نہیں ہوگی تو پھر اس جنت میں مزہ ہی کیا آئے گا۔

★ ..... حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کچھ نوجوان بیٹھے تھے۔ وہ حور وقصور کی باتیں کرنے لگے۔ حضرت ان کی باتیں سنتے رہے۔ آخر میں حضرت فرمانے لگے:

''اگر قیامت کے دن اللہ رب العزت کا ہم پر فضل ہوا تو میں تو اللہ سے عرض کروں گا کہ اللہ! مجھے تو اپنے عرش کے نیچے مصلے کی جگہ عطا فرما دیجیے۔

★.....مولانا یحی رحمۃ اللہ علیہ لمبا سجدہ کرتے تھے۔ کسی نے کہا، حضرت! اتنا لمبا سجدہ!!!.....فرمایا،

''ہاں! جب میں سجدہ کرتا ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ میں نے آقا کے قدموں میں سر رکھ دیا ہے، لہٰذا میرا سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔''

فرمایا گیا ہے،

الساجد یسجد علٰی قدمی اللہ

[سجدہ کرنے والا اللہ کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے]

نماز کی یہ کیفیت ہونی چاہیے۔ اگر اس عشق سے خالی نماز ہوگی تو صرف اٹھک بیٹھک کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

عشق اگر تیرا نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہ سیماب
وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

؎ تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

عزیز نوجوانو! اگر ہم حقیقت والی نماز نہیں پڑھ پا رہے تو ہم بہت بڑی نعمت سے محروم ہو رہے ہیں۔

؎ وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

جو بندہ ایک اللہ کے در پر جھکنا سیکھ لیتا ہے وہ در در کے دھکے کھانے سے بچ جاتا ہے۔ ہماری نماز کے بارے میں کسی نے کہا تھا۔

؎ بہ زمیں چوں سجدہ کر دم ززمیں ندا بر آمد
مرا خراب کر دی تو بہ سجدہ ریائی

(میں نے جب زمیں پر سجدہ کیا تو زمیں سے آواز آئی، اوریا کا سجدہ کرنے والے! تو نے مجھے بھی خراب کر ڈالا)

یہی بات ایک شاعر نے اور انداز میں بھی کہی،

؎ میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

مقام احسان کی نماز:

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ انسان کی نماز کی حضوری کی جو کیفیت دنیا میں ہوگی، وہی آخرت میں رویت باری تعالیٰ کی کیفیت ہوگی۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کی آنکھ سکس بائی سکس (6/6) ہے تو پھول کی خوبصورتی کو صحیح طور پر دیکھ کر لذت پاتا ہے اور جس آدمی کی نظر کمزور ہو اس کو اس پھول کی صحیح خوبصورتی نظر ہی نہیں آتی اور جس کی آنکھ میں بینائی ہی نہ ہو اس کو پھول ہی نظر نہیں آتا۔ بالکل اسی طرح جب جنت میں جانے والے چلے جائیں گے تو ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت اور کیفیت اس کی نماز کی کیفیت کے بقدر ملے گی۔ چنانچہ جو دنیا میں بغیر وساوس کے نماز پڑھتا ہوگا، اس کو اللہ تعالیٰ کا بے حجاب دیدار نصیب ہوگا اور جو وساوس کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہوں گے ان کو بھی دیدار تو ہو

گا مگر اس کے اوپر نورانی پردے ڈال دیے جائیں گے۔ لہٰذا جو بندہ چاہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا کامل دیدار نصیب ہو تو اس کا طریقہ یہی کہ وہ اپنی نمازیں حضوری کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرے۔

دخولِ جہنم کا ایک بڑا سبب:

نماز کو چھوڑنے پر بھی بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ جو لوگ نمازیں چھوڑیں گے وہ قیامت کے دن جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنائیں گے۔ قرآن گواہی دے رہا ہے، اللہ کا سچا کلام گواہی دے رہا ہے کہ جنتی جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ○ (المدثر : 42)

[کس چیز نے تمہیں جہنم میں ڈالا؟]

تو وہ کہیں گے کہ

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (المدثر : 43)

[ہم نماز نہیں پڑھتے تھے]

اللہ رب العزت ہمیں نماز کی حاضری بھی اور حضوری بھی نصیب فرمائے اور نماز کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔ (آمین، ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 062-2442791
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7231492
- مکتبہ سید احمد شہید 10 الکریم مارکیٹ اردو بارزار لاہور 042-7228272
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 041-7224228
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- مکتبہ بیت العلم بنوری ٹاؤن کراچی 021-2018342
- مکتبہ الشیخ 445/3 بہادر آباد کراچی 0214935493
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768
- مکتبہ علمیہ، دوکان نمبر 2 اسلامی کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی 021-4918946
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2288261
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ، پشاور روڈ، راولپنڈی 051-5462347 ، 03009834893

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہم کی چند دیگر تالیفات

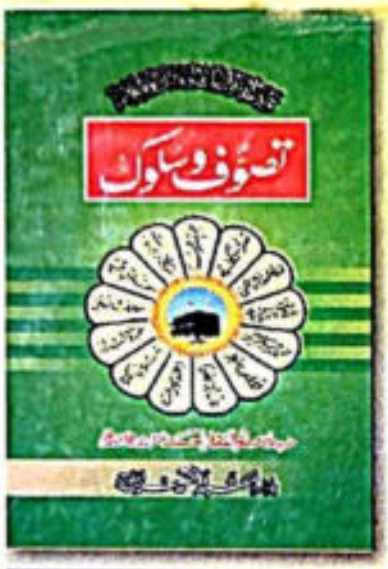

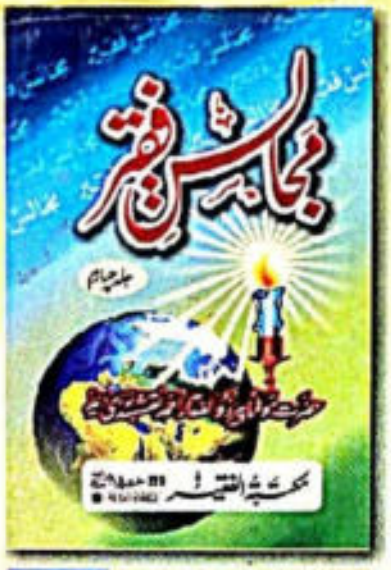

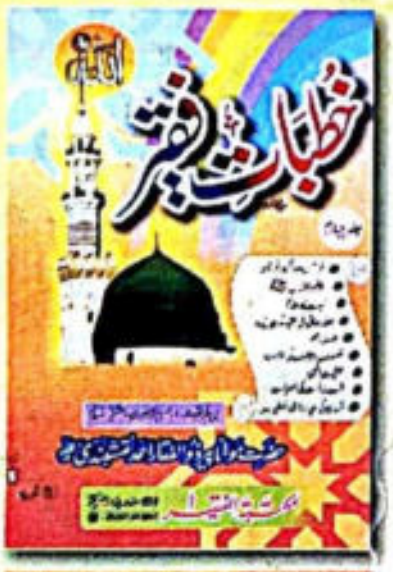

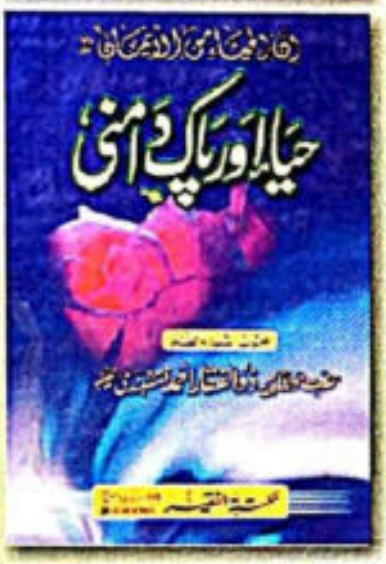

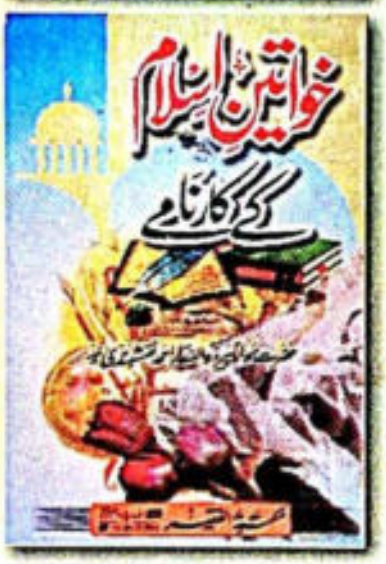

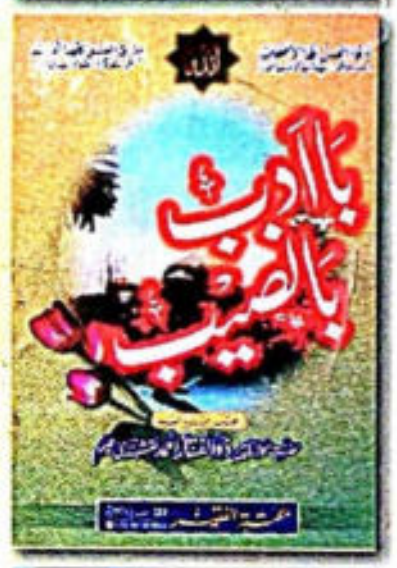

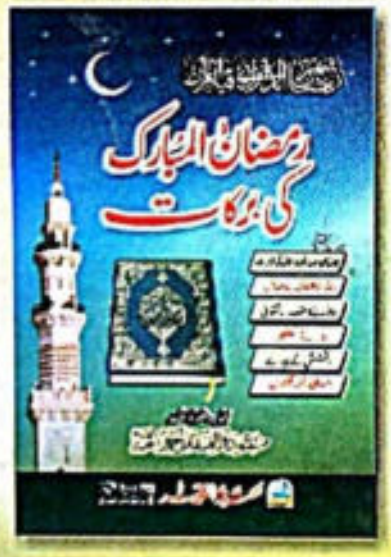

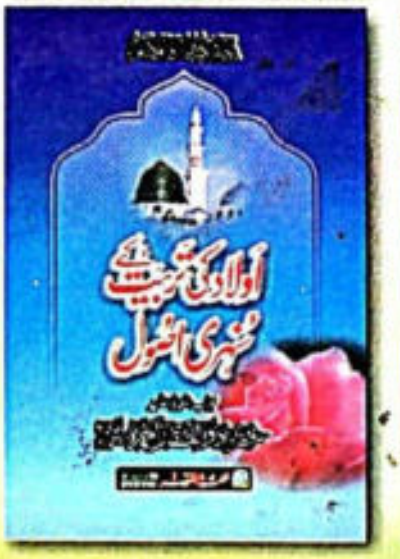

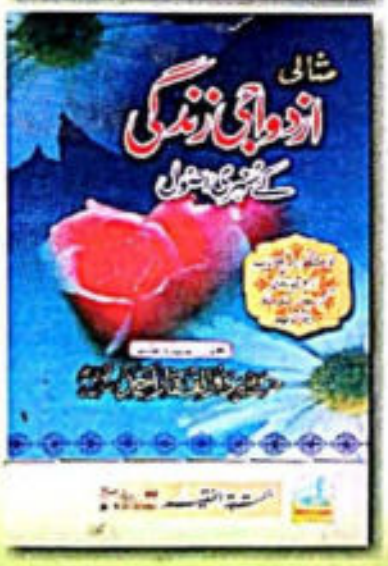

مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618003